روزنامہ
الجمعیۃ
دہلی
برہان علوم
دیوبند
ایڈیٹر
نازانصاری
قیمت فی پرچہ ۲۰/ روپے
(۵)

نشانِ راہ:
اس آخری زمانہ میں جو مقبولیت بارگاہِ الٰہی میں
کارخانۂ علم کو ہے اور امر کو نہیں۔ (حاجی امداد اللہ مہاجر مکی)

کیا
آپ کی روزانہ کی خوراک سے
آپ کے بدن کو پوری قوّت اور
پورا فائدہ مِلتا ہے؟

اپنی روزمرہ خوراک سے صحیح تغذیہ حاصل کرنا اس بات پر منحصر ہے کہ آپ کا نظامِ ہضم کتنا ٹھیک اور طاقتور ہے۔

سنکارا ایک ایسا ٹانک ہے جس میں طاقت دینے والے ضروری وٹامنوں اور معدنی اجزا کے ساتھ چھوٹی ہڑ، لونگ، دھنیا، دارچینی، تیزپات، کمی وغیرہ جیسی چودہ جڑی بوٹیاں شامل ہیں۔ اس مرکب سے آپ کے نظامِ ہضم کو طاقت ملتی ہے اور آپ کا بدن اس کی مدد سے آپ کی روزمرہ خوراک سے صحیح تغذیہ اور بھرپور قوت حاصل کر سکتا ہے۔

غالب اکیڈمی کی نئی اور اہم مطبوعات

غالبیات

۱۔ غالب اور آہنگ غالب

ڈاکٹر یوسف حسین خاں

یہ غالب پر سب سے زیادہ جامع اور فکر انگیز تصنیف ہے

اس سے اردو زبان کے تنقیدی ادب میں ایک قابل قدر اضافہ ہوا ہے۔

صفحات ۴۴۸۔ سائز ۱۸×۲۲/۸

قیمت سولہ /۱۶ روپے

۲۔ نقش غالب۔ پروفیسر اسلوب احمد انصاری

اس میں غالب کی اردو اور فارسی شاعری اور اردو خطوط کو فکر اور فن کی میزان پر پرکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔

صفحات ۱۴۳۔ سائز ۱۸×۲۲/۸

قیمت بارہ ۱۲ روپے

۳۔ غالب اور فن تنقید۔ اخلاق حسین عارف

یہ تالیف مرزا غالب کے ان خطوط پر مشتمل ہے جو ان کے نظریہ شاعری اور تصور فن پر روشنی ڈالتے ہیں۔

صفحات ۴۱۶۔ سائز ۱۸×۲۲/۸

قیمت پچیس /۲۵ روپے

۴۔ فیضان غالب۔ عرش ملسیانی

یہ کتاب غالب کے باکمال شاگردوں کے مختصر حالات اور ان کے اردو فارسی کلام کے انتخاب پر مشتمل اپنی حیثیت کی ایک قابل قدر تالیف ہے

صفحات ۲۹۶۔ سائز ۱۸×۲۲/۸

قیمت بائیس روپے ۲۲

۔ غالب اور زرکا۔ ضیاء الدین احمد شکیب

یہ تالیف مرزا غالب کی زندگی سے [illegible] کی بعض گمشدہ کڑیوں کی بازیافت کرتی ہے جس میں غالب اور زرکا کی [illegible]

تحریروں کا انکشاف کیا گیا ہے اور زرکا کی نظم و نثر پر مرزا غالب کی کم و بیش سو اصلاحیں پیش کی گئی ہیں۔

صفحات ۱۲۸۔ سائز ۱۸×۲۲/۸ قیمت چھ ۶ روپے

۶۔ تلمیحات غالب = محمود نیازی

یہ ان تلمیحات کی تشریح و توضیح کا مجموعہ ہے جنہیں مرزا غالب نے اپنے اردو کلام میں منفرد ڈھنگ سے اپنایا ہے۔ مروجہ قدیم تلمیحات کے علاوہ اس میں وہ تلمیحات بھی شامل ہیں جو غالب نے خود اختراع کی ہیں۔

صفحات ۱۲۲۔ سائز ۱۸×۲۲/۸ قیمت چھ روپے

۷۔ نوائے سروش (انگریزی) WHISPERS OF THE ANGEL

غالب کے ۱۲۰ منتخب اشعار کا دلکش انگریزی ترجمہ۔ یہ چیدہ مشہور و معروف مترجمین کا انگریزی ترجموں کا نادر انتخاب ہے۔ ایک بے نظیر تحفہ چار دل آویز تصاویر کے ساتھ آرٹ پیپر پر خوشنما رنگین دل پذیر طباعت

صفحات ۵۴ سائز ۲۰×۳۰/۱۶ قیمت چھ روپے

۸۔ سہل غالب = دیوناگری رسم الخط میں ایک عمدہ تالیف

اس کتاب میں غالب کے ۲۲۲ ایسے اشعار جو آسانی سے سب کی سمجھ میں آسکتے ہیں دیوناگری رسم الخط میں پیش کئے گئے ہیں۔

صفحات ۶۴۔ سائز ۲۳×۲۶/۱۶ قیمت ڈھائی ۲/۵۰ روپے

اقبالیات

۱۔ حافظ اور اقبال۔

ڈاکٹر یوسف حسین خان

یہ وہ عظیم تصنیف ہے جس پر ساہتیہ اکاڈمی نے ۱۹۷۸ء کا ایوارڈ دیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ کتاب ڈاکٹر صاحب کی علمی فضیلت اور تنقیدی بصیرت کی جیتی جاگتی تصویر ہے۔

صفحات ۴۲۲ سائز ۱۸×۲۲/۸ قیمت پچیس روپے

۲۔ اقبال کی تیرہ نظمیں (تنقیدی مطالعے)

پروفیسر اسلوب احمد انصاری

اقبال کی اہم ۱۳ نظموں کے تنقیدی مطالعے پر مشتمل یہ کتاب اقبالیات میں ایک گرانقدر اضافہ ہے۔

صفحات ۲۵۰ سائز ۱۸×۲۲/۸ قیمت بیس روپے

۳۔ روح اقبال (صدی ایڈیشن)

ڈاکٹر یوسف حسین خان

اس میں مصنف نے اقبال کی فکر اور شاعری کا بالکل انوکھے انداز میں تجزیہ کیا ہے یہ کتاب اردو زبان کے تنقیدی ادب میں ایک قابل قدر اضافہ ہے۔

صفحات ۴۷۲۔ سائز ۱۸×۲۲/۸ قیمت پچیس ۲۵ روپے

۴۔ اقبال مقالات اور مطالعات (انگریزی)

پروفیسر اسلوب احمد انصاری

پندرہ مضامین پر مشتمل انگریزی زبان میں علامہ اقبال کی فکر و نظر کا عمیق تنقیدی جائزہ اقبالیات پر غالب اکیڈمی ایک علمی پیشکش

صفحات ۳۲۲ سائز ۱۸×۲۲/۸ قیمت /۵۰ روپے

۵۔ غالب اور اقبال کی متحرک جمالیات

ڈاکٹر یوسف حسین خاں

صفحات ۲۰۸۔ سائز ۱۸×۲۲/۸ قیمت پندرہ ۱۵ روپے

انشائے مومن۔ ڈاکٹر ظہیر احمد صدیقی

صفحات ۳۱۲ سائز ۱۸×۲۲/۸ قیمت پچیس ۲۵ روپے

(ذہین نقوی)

سیکریٹری غالب اکیڈمی

بستی حضرت نظام الدین —— نئی دہلی

صدیقی اشاعت گھر جے ۷ ا جنگ پورہ ایکسٹینشن نئی دہلی ۱۱۰۰۱۴

عنوانیہ

ہندوستان اور دنیا کے مسلمانوں کے نام

مولانا مدنی کا پیغام

دارالعلوم دیوبند کا جشن صدسالہ دراصل اس دعوت دین کی تجدید ہے جو اس ملک میں اعلاء کلمۃ اللہ کے سلسلہ میں اکابر دارالعلوم اور بانیانِ دارالعلوم کا نصب العین رہا ہے۔

ایک صدی پہلے کا ہندوستان قومی و ملی کشمکش حیات کا وہ دور زوال تھا، جبکہ مغلیہ سلطنت کا علامتی اقتدار بھی جو کچھ دنوں پہلے تک دہلی سے پالم کی حدود تک سمٹ چکا تھا اب انگریزوں کے قبضہ میں آ چکا تھا، پلاسی اور سرنگا پٹنم کی شکستوں کے بعد لال قلعہ کی آخری لڑائی بھی ہندوستانی عوام ہار چکے تھے۔ اقتدار و آزادی سے محروم اس زوال پذیر ہندوستان میں دینی انحطاط بھی اپنی زبوں حالی کی اس آخری حد کو پہنچ چکا تھا جہاں اک ایمان کی رمق تو باقی تھی، اور اس کے بعد شرک و گمراہی کے سلسلے پھیلتے چلے گئے تھے، بدعت و اوہام نے عقیدۂ توحید کی بنیادیں ہلادی تھیں۔ اسلام کا اساسی یقین خطرہ میں پڑ چکا تھا، اور اس خطرہ کے موقع پر ایمان کی ایک نئی آزمائش بھی شروع ہو چکی تھی کہ انگریزی اقتدار کی آمد کے ساتھ ہی عیسائی مشینریوں کے ذریعہ عیسائیت کی جارحانہ یلغار و یورش تھی جس نے پورے ہندوستان کو اپنا میدانِ عمل بنا رکھا تھا۔

لیکن ان ساری شکست و ریخت، پامالی و بربادی اور تہہ خاک ہوجانے کے باوجود، دلوں میں وہ چنگاریاں شعلہ فشاں بننے کے لئے ابھی بیتاب تھیں جن کا سلسلہ سید احمد شہید و اسماعیل شہید سے لے کر شاملی کے میدان اور صوبہ سرحد کی گھاٹیوں تک پھیلا ہوا ہے — جد و جہد کے اسی سلسلۂ دراز نے مرکزی کڑی کی حیثیت سے "دارالعلوم" دیوبند کی تعبیر اختیار کی — آج اللہ کا فضل ہے کہ نہ صرف اپنے ملک ہندوستان میں بلکہ پوری دنیا میں دارالعلوم دعوت دین و اعلاء کلمۃ اللہ کا ایک مرکز عمل ہے۔

دارالعلوم کے صدسالہ اجتماع کی تقریب کے موقع پر میری ہندوستانی مسلمانوں اور دنیا کے مسلمانوں سے یہی اپیل ہوگی کہ وہ دعوت دین و اعلاء کلمۃ اللہ کے اس مرکز عمل کو مضبوط بنائیں اور توسیع و اشاعت دین کے دائرے کو وسیع تر بنانے، پوری دنیا سے دینی رشتہ کو مربوط کرنے اور ان میں باہمی توافق و ہم آہنگی پیدا کرنے کی کوشش میں لگ جائیں۔

اسعد مدنی

صدر جمعیۃ علماء ہند

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ؕ

تشکر ــــ و ــــ اعتذار

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہ ــ ہم اس قابل ہوئے کہ دارالعلوم دیوبند نمبر آپ کے پیشِ نظر ہے
ہم معذرت خواہ ہیں کہ ایک دن تاخیر سے پیش کر رہے ہیں۔

ہم ان سب لوگوں سے بھی معذرت خواہ ہیں جن کے مضامین اس شمارے میں شامل نہیں ہوسکے ــــ ہمارا نشانہ ۲۵۰ صفحات تھا۔ مگر آخری ایام میں پاکستان اور ہندوستان سے جو مضامین آئے ان کو شامل کرنے کی غرض سے ۵۰ صفحات بڑھانے پڑے۔ اس کی وجہ سے طباعت میں بھی تاخیر ہوئی اور کچھ مضامین بھی رک گئے۔

ہم اللہ تعالیٰ کے بعد ادارہ کے ان کارکنوں کے شکر گزار ہیں جنھوں نے اس کی تیاری میں مدد اور تعاون کیا۔

ہم ان تمام اہلِ قلم کے شکر گزار ہیں جنھوں نے ہماری درخواست پر قلمی تعاون کیا۔ بعض حضرات نے تو کئی کئی مضامین ارسال فرمائے۔

ہم دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو توفیق دے کہ جو لکھ سکتے تھے مگر نہیں لکھا۔ ان میں سے بعض نے تو معذرت کی مگر بعض نے تو ہمیں جواب بھی دینا گوارا نہیں کیا۔

ہم نے جو قدم اٹھایا وہ دارالعلوم دیوبند کی محبت اور اس ادارہ سے عقیدت کے پیشِ نظر اٹھایا۔ نہ تو یہ تملق اور چاپلوسی سمجھی جائے اور نہ اسے منفعت بخش کاروبار سمجھا جائے ــــ ہم ان حضرات کے بھی شکر گزار ہیں جنھوں نے اشتہارات عنایت فرما کر مالی اعانت کی ورنہ اتنی کم قیمت پر ہم یہ نمبر شائع نہ کر سکتے۔

یہ نمبر ہمارے خواب کی تعبیر نہیں ــــ حاشا وکلا ہم اپنی کارکردگی پر نہ مطمئن ہیں نہ مسرور۔ اس لئے ہم نے طے کیا ہے کہ اپنے اطمینان کے لئے دارالعلوم نمبر کا حصہ دوم شائع کیا جائے تاکہ جو گوشے رہ گئے ہیں ان کو اجاگر کیا جا سکے اور جو مضامین اس وقت ہمارے پاس بچ گئے ہیں انھیں بھی شامل کیا جا سکے ــ انشاء اللہ

جمعیۃ علما یوپی اپنے صوبے اور اپنے وطن کیلئے طرۂ امتیاز

دارالعلوم دیوبند

کو

اجلاس صد سالہ کے موقع

پر

اپنی نیک تمنائیں —— اور —— خلوص دل سے

مبارکباد

پیش کرتی ہے اور اللہ رب العزت کے حضور میں دست بدعا ہے کہ وہ اپنے اصولوں پر قایم اور مقاصد میں کامیاب رہے۔

جلیل احمد سیوہاروی
صدر
جمعیۃ علماء یوپی

محمد صدیق
ناظم اعلیٰ
جمعیۃ علماء یوپی

دیوبند

مولانا ظفر علی خاں

شاد باش و شاد زی اے سرزمینِ دیوبند
ہند میں تو نے کیا اسلام کا جھنڈا بلند

ملتِ بیضا کی عزت کو لگائے چار چاند
حکمتِ بطحا کی قیمت کو کیا تو نے دوچند

اسم تیرا با مسمّٰی، ضرب تیری بے پناہ
دیو استبداد کی گردن ہے اور تیری کمند

تیری رجعت پر ہزاروں اقدام سوجاں سے نثار
قرنِ اول کی خبر لائی تری اُلٹی زقند

تو علم بردارِ حق ہے حق نگہباں ہے تیرا
خیل باطل سے پہنچ سکتا نہیں تجھ کو گزند

ناز کر اپنے مقدر پر کہ تیری خاک کو
کر لیا ان عالمانِ دینِ قیم نے پسند

جان کر دیں گے جو ناموسِ پیمبرؐ پر فدا
حق کے رستے پر کٹا دینگے جو اپنا بند بند

کفر ناچا جن کے آگے بارہا تگنی کا ناچ
جس طرح جلتے توے پر رقص کرتا ہے سپند

اس میں قاسم ہوں کہ انور شاہ کہ محمود الحسن
سب کے دل تھے دردمند اور سب کی فطرت ارجمند

گرمیٔ ہنگامہ تیری ہے حسین احمد سے آج
جن سے پرچم ہے روایاتِ سلف کا سربلند

ابنار دارالعلوم دیوبند

مولانا افضال الحق جوہر قاسمی

عہد رفتہ کی یادگار ہیں ہم　　تو چمن ہے تیری بہار ہیں ہم

تیرے ہر فن کے شاہکار ہیں ہم　　تیری ہستی کا اعتبار ہیں ہم

اہل باطل کو ناگوار ہیں ہم　　اہل حق کے لئے شعار ہیں ہم

حق کی شمشیرِ آبدار ہیں ہم　　تو ہے فاروق، ذوالفقار ہیں ہم

چشمۂ علم و فن خدا رکھے　　تو ہمالہ ہے آبشار ہیں ہم

ظلمت علم ہو کہ جہل خرد　　آتش طور تو، شرار ہیں ہم

دل بھی بیدار کر دیا تو نے　　میکدہ تو ہے میگسار ہیں ہم

وقت جب بھی پڑا ہے ملت پر　　تیرے میداں کے شہسوار ہیں ہم

جانے کیا کر دیا ترے غم نے　　مثل سیماب بیقرار ہیں ہم

زندگی اتباع نقش رسول　　اپنے محبوب کی پکار ہیں ہم

بادہ معرفت میں جوش آیا　　گرمی عشق کی بہار ہیں ہم

دونوں عالم ہیں گوش بر آواز　　دین کی بلبلیں ہزار ہیں ہم

تیری ہستی پہ ناز کرتے ہیں　　مادر علم تیرا پیار ہیں ہم

تجھ کو چمکا دیا زمانے میں　　تیری گردن میں مثل ہار ہیں ہم

تو ہے ہیرے کی کان دنیا میں　　تیرے ہیروں سے تاجدار ہیں ہم

گردش روزگار سے جوہر
کہہ دو ہر دور کا وقار ہیں ہم

کلام مجید مترجم و محشی

سائز ۳۰×۲۰/۸　　چھپائی بذریعہ آفسیٹ

از شیخ المشائخ حضرت مولانا محمود الحسنؒ (شیخ الہند) و زبدۃ المفسرین حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی دیوبندی
اس قرآن پاک میں ترجمہ تو حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ اسیر مالٹا کا مکمل ہے اور تفسیر ان
بقدر چار پاروں کے ہے۔ باقی ۲۶ پاروں کی تفسیر حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کے قلم سے ہے
اس ترجمہ و تفسیر کی حقیقت مروجہ تراجم اور تفاسیر کے مقابلہ میں ستاروں میں درخشاں چاند جیسی ہے
ہندوستان کے مقتدر علماء اور دوسرے علم دوست حضرات نے بے انتہا پسند کیا ہے

ھدیہ 35/ روپے　(ملنے کا پتہ)

الجمعیۃ بکڈپو۔ گلی قاسم جان. دلی ۶
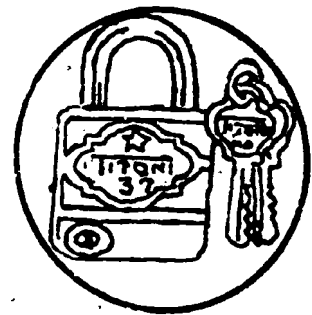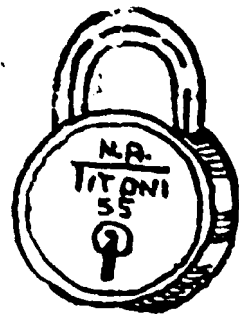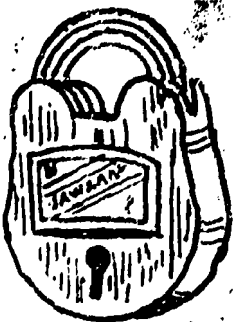
ایک تعارف

دارالعلوم

عادل صدیقی (ایم اے)

ہندوستان کی ریاست اترپردیش (یو۔پی) کا ضلع سہارنپور ہمیشہ سے روحانیت کا رازداں اور معرفت کی سرزمین رہا ہے۔اس میں اگر ایک طرف ہردوار اور　　جیسے متبرک اور قابل احترام مقامات موجود ہیں تو دوسری طرف دیوبند اور سہارنپور کے عربی مدارس کی عظمت کی داستانیں بھی اہل دل لوگوں کے سینوں میں محفوظ ہیں۔ضلع سہارنپور میں دیوبند ایک قدیم بستی ہے ضلع سہارنپور کے جغرافیہ میں مذکور ہے۔کہ اس کی آبادی نہلیت پرانی سمت بکرماجیت سے پہلے کی ہے۔ہندی کی کتاب "ہندوسنکرت کا ایک کیندرہ" میں مذکور ہے۔کہ دیوبند کا ذکر مارکنڈے پران میں ملتا ہے۔جس سے دیوبند کی قدامت ثابت ہے۔نیز یہ بھی مشہور ہے۔کہ کوروں پانڈوں کے عہد حکومت میں دیوبند آباد تھا۔

اس بستی کا نام دیوبند کیوں پڑا اس بارے میں بھی بہت سی روایات مشہور ہیں ۱۸۹۷ء میں سہارنپور کی جو تاریخ شائع ہوئی اس میں کتاب کے مصنف پنڈت نند کشور نے لکھا "وجہ تسمیہ قصبہ میں بہت سی روایات زبان زد ساکنین قصبہ کے ہیں مگر قرین قیاس وجہ تسمیہ کی یہ معلوم ہوئی کہ پہلے اس موقعے پر جنگل لق ودق تھا ایک مکان معروف "دیوی کنڈ" اور دوسرا جنگل "دو بلاس" اس موقع پر واقع تھے۔ان دونوں مکانوں کے سبب سے بنام دیوبند مشہور ہوا۔پہلے اس مقام کو دیبی بن کہتے تھے کثرت استعمال سے دیوبند ہوگیا۔

تاریخ سہارنپور میں یہ بھی مذکور ہے۔کہ ایک خیال یہ بھی ہے کہ چونکہ حضرت سلیمان نے اس کے قلعے میں دیووں کو بند کیا ہے اس واسطے دیوبند نام ہے۔ہندی میں دیو کے معنی دیوتا کے ہیں اور "بن" سے مراد جنگل ہوتی ہے۔

غرض کہ دلی سے ۹۱ میل شمال کی جانب یہ بستی بے حد خوش نصیب ہے۔کیونکہ یہاں دارالعلوم نامی ایک روحانی مرکز کی بنیاد ایک ایسے دور میں پڑی جب کہ جدید علوم کی روش سے لوگ اس حد تک متاثر ہو گئے تھے کہ محض دنیاوی علوم کو ہی زندگی کا مقصد سمجھ بیٹھے تھے۔دنیاوی

مناصب اور عزت کی کشش اس حد تک ختم ہو چکی تھی کہ مسلمان اصل زندگی اور اس کی روح سے بے گانہ ہو چکے تھے مذہب سے بیزاری مذہبی تعلیم سے غفلت عام ہو چکی تھی اور مغربی طرز تعلیم اور طرز فکر سے والہانہ شغف ہو گیا تھا۔ اس نازک دور میں دارالعلوم دیوبند کی بنیاد پڑی

۱۵ محرم الحرام ۱۲۸۳ھ مطابق ۳۰ مئی ۱۸۶۷ء بروز جمعرات دیوبند میں چھتہ کی تاریخی مسجد میں ایک استاد اور ایک طالب علم سے اس مدرسے کا آغاز کیا گیا۔ اس کے پہلے طالب علم حضرت مولانا محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور پہلے استاد حضرت ملا محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ کچھ ہی عرصہ میں اس درس گاہ کے آغوش سے ہزارہا طلبا مستفید ہوئے اور اس پھول کی خوشبو نہ صرف ہندوستان بلکہ بیرون ہندوستان بھی پھیل گئی۔

اس ادارے کے قیام کو ابھی ایک سال بھی نہ ہوا تھا کہ اس میں بنارس پنجاب اور افغانستان تک کے طلبا داخل ہو گئے۔ طلبا اور مدرسین کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہوتا رہا۔ حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتوی صدر مدرس کو پہلے سال کے آخر میں صدر مدرس بنایا گیا۔ چند ہی برس میں چھتہ کی مسجد جہاں کہ اس درس گاہ کی ابتدا کی گئی تھی ناکافی ثابت ہونے لگی۔ اس لئے اسے جامع مسجد میں منتقل کیا گیا۔ اس زمانے میں دلہان کی جامع مسجد تعمیر ہو رہی تھی اور اس میں قدیم درس گاہوں کی طرز پر دلان اور حجرے بنا دیے گئے تھے۔ چنانچہ ۱۸۷۴ میں یہ درس گاہ جامع مسجد میں آ گئی تھی۔ مگر اس کی روز افزوں ترقی نے اس جگہ کو بھی ناکافی ثابت کر دیا۔ حضرت مولانا نانوتوی نے دارالعلوم کے لئے آبادی سے باہر ایک کشادہ جگہ تجویز کی چنانچہ اس جگہ دارالعلوم کی عمارت تعمیر کے لئے چندہ کی فراہمی کا کام شروع کر دیا۔

۲ ذی الحجہ ۱۲۹۲ھ مطابق ۱۸۷۵ کو جمعہ کے دن جلسہ تقسیم انعام کے بعد دارالعلوم کی اس عمارت کا سنگ بنیاد رکھا گیا جو آج توسیع شدہ حالت میں ہمارے سامنے ہے۔ اس کا سنگ بنیاد رکھنے والوں میں حضرت مولانا احمد علی صاحب محدث سہارنپوری، حضرت مولانا قاسم صاحب نانوتوی، حضرت گنگوہی، حضرت حاجی عابد حسین صاحب اور حضرت مولانا [illegible] خاں دہلوی شامل تھے۔ جب اس کا سنگ بنیاد رکھا جا چکا تو حاضرین نے نہایت الحاح و زاری کے ساتھ دارالعلوم کے فروغ اور اس کی بقا کے لئے دعا کی۔ حضرت نانوتوی نے فرمایا کہ "عالم مثال میں اس مدرسہ کی شکل ایک معلق ہانڈی کے مانند ہے۔ جب تک اس کا مدار توکل علی اللہ پر رہے گا یہ مدرسہ ترقی کرتا رہے گا۔"

یہی وجہ ہے کہ اس ادارے نے آج تک تعلیمی مصارف کے لئے کسی طرح کی امدادی رقم سرکار سے قبول نہیں کی

حضرت مولانا یعقوب صاحب نے تاریخ تعمیر کا مادہ "اشرف عمارات" سے نکالا اس سے تعمیر ۱۲۹۳ نکلتا ہے۔ اس عمارت کا سنگ بنیاد اگرچہ ۱۲۹۷ میں رکھا گیا تاہم اس کی تعمیر ۱۲۹۳ھ میں شروع کی گئی تھی۔ پانچ سال کی مدت میں یہ عمارت "نودرہ" کے نام سے بن کر تیار ہوئی۔ اس کے دو درجے ہیں اور ہر ایک درجے میں نو نو دروازے ہیں۔ اس لئے اس کا نام نودرہ رکھا گیا۔ اس کے نقشے کے بارے میں اس مدرسہ کے اس زمانے کے مہتمم حضرت مولانا رفیع الدین صاحب کو الہام ہوا تھا۔

حضرت مولانا رفیع الدین صاحب نے نودرہ کی تعمیر شروع ہونے سے قبل ایک خواب دیکھا کہ "اس مقام پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں اور فرما رہے ہیں کہ یہ احاطہ تو بہت مختصر ہے۔ یہ فرما کر خود عصاء مبارک سے ایک طویل و عریض نقشہ کھینچ کر بتلایا کہ اس نقشے کے مطابق اسے تعمیر کیا جائے"، چنانچہ انہیں نقوش کو سامنے رکھتے ہوئے اس عمارت کی تعمیر عمل میں آئی نودرہ سے ملحق ایک کنواں بھی ہے یہ کنواں دارالعلوم میں بڑا بابرکت تصور کیا جاتا ہے اس کا پانی شیریں اور ہلکا ہے۔ مولانا موصوف نے اس کے بارے میں بھی خواب دیکھا تھا۔ فرماتے ہیں

کنواں دودھ سے بھرا ہوا ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پیالہ سے دودھ تقسیم فرما رہے ہیں بعض لوگوں کے پاس چھوٹے برتن ہیں اور بعض کے پاس بڑے ہر شخص اپنا اپنا برتن دودھ

ت بھروا کرلے جا رہا ہے۔

مولانا نے چھوٹے بڑے برتنوں کی توضیح یہ فرمائی کہ اس سے ہر شخص کا ظرف علم مراد ہے۔ جس کا ظرف جتنا ہوگا اسی قدر علم اس کے حصہ میں آئے گا۔

دارالعلوم دیوبند کی عمارت کا ایک جز دارالحدیث کے نام سے موسوم ہے۔ اس نام کی عمارت سب سے پہلے اس درس گاہ میں وجود میں آئی۔ دارالحدیث کا سنگ بنیاد رکھنے کی تقریب ۲۰ ربیع الثانی ۱۳۰۳ھ کو عمل میں آئی۔ اس موقع پر بہت سے بزرگوں کا مجمع تھا اور ان سبھوں نے اپنے ذوق و شوق سے اس عمارت کا سنگ بنیاد اپنے ہاتھوں سے رکھا۔ حضرت تھانوی نے مجمع سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ سبھی لوگوں کو ایک ایک دو دو اینٹ اپنے ہاتھ سے رکھنا چاہیئے نہ معلوم حق تعالیٰ کے یہاں کس کا خلوص قبول ہوجائے۔

دارالحدیث کی تعمیر کے بارے میں بہت سے بزرگوں نے خواب میں دیکھا کہ اس جگہ پر جہاں کہ یہ عمارت تعمیر کرائی گئی تھی بہت سے اہل اللہ جمع ہیں اور اپنے ہاتھوں سے تعمیراتی ملبہ اٹھا اٹھا کر اس کی تعمیر میں مصروف ہیں۔ دارالعلوم کی روداد میں مذکور ہے کہ اس موقع پر ریاست ٹونک سرونج کے رہنے والے ایک صاحب سید یوسف علی ٹونک میں دارالعلوم کے لئے چندہ جمع کرتے تھے انہوں نے ایک مبارک خواب دیکھا اور لکھا کہ دو گذشتہ نصف شب کے بعد میں نے یہ عالم خواب دیکھا کہ میں بسواری ریل ٹونک جا رہا ہوں یکایک ریل ایک ریگستانی مقام پر ٹھہر گئی۔ ایک شخص میرے پاس آئے اور کہا کہ آنحضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہاں تشریف فرما ہیں۔ میں بکمال شوق ان کے ہمراہ ہوگیا دیکھتا ہوں۔ ایک جگہ چند مکان سرکی کے اور دو تین خیمے استادہ ہیں میں پہلے سرکی والے مکان میں گیا وہاں چند حضرات تشریف فرما تھے ان سے ایک صاحب نے جو کسی قدر فربہ اندام اور کچھ سیاہ فام تھے پیشانی پر سجدہ کا نشان تھا۔ کرتے کی گھنڈی کھلی ہوئی تھی اور چند مجلد چھوٹی کتابیں ان کے پاس رکھی ہوئی تھیں مجھ سے فرمایا کہ اول نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں جاؤ۔ میں نے عرض کیا کہ کیا حضور مجھ کو خیمے کے اندر بلا لیں گے۔ فرمایا۔ ہاں میں سلام کرکے خیمہ مبارک پر پہونچا دروازے پہ یاد نہیں پردہ تھا یا نہیں مجھ کو باریابی نصیب ہوئی

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسکرا کر میری جانب دست مبارک بڑھائے میں نے اپنے دونوں ہاتھوں میں لے کر بوسہ دیا اور روتا رہا۔ بیٹھنے کا حکم صادر ہوا میں بیٹھ گیا ہنس کر فرمایا تم کس قدر چندہ وصول کیا ہے میں عرض کیا ۲۱۸ روپئے۔ پھر ارشاد ہوا کچھ پڑھو میں نے سورۃ فاتحہ پڑھ کر سنائی۔ فرمایا قرآن مجید صحیح پڑھا کرو۔

دارالحدیث کی پرشکوہ عمارت ۱۹۳۱ میں مکمل ہوئی تھی۔ نودرہ کی پشت پر واقع عمارت قدیم دارالحدیث ہے۔ اب نودرہ کے اوپر بھی دارالحدیث فوقانی جدید طرز تعمیر کا اعلیٰ نمونہ پیش کرتی ہے۔

اصل میں تعمیر کا حسن تو اور بہت سی عمارتوں اور عربی تعلیم کے اداروں میں بھی دیکھنے کو ملے گا۔ لیکن جن بزرگوں کے ہاتھوں اس مبارک پراجیکٹ کی تعمیر عمل میں آئی وہی اس کی نمایاں خصوصیت ہے۔

دارالعلوم میں کم و بیش ڈیڑھ ہزار طلباء ہر سال تعلیم حاصل کرتے ہیں اور دامن مقصود کو گوہر مراد سے بھرتے ہیں۔ اب تک جن غیر ممالک کے طالب علم اس چشمہ علم سے سیراب ہوچکے ہیں ان ان میں سے جنوبی افریقہ۔ افغانستان۔ سیلون۔ بدخشاں۔ ایران پاکستان بنگلہ دیش شامل ہیں۔ غیر منقسم ہندستان کی صورت میں صوبہ سرحد بلوچستان، کوئٹہ۔ ملتان۔ پنجاب وغیرہ کے طلبا یہاں کثیر تعداد میں زیر تعلیم رہے ہیں۔ فضلائے دارالعلوم میں ہزار ہا گوہر نایاب شامل ہیں۔ ان شخصیتوں میں شیخ الہند مولانا محمود حسن مولانا انور شاہ کشمیری۔ مولانا حبیب الرحمان عثمانی۔ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی۔ مولانا عزیز الرحمان مفتی دارالعلوم مولانا عبیداللہ سندھی۔ مولانا مفتی کفایت اللہ دہلی۔ علامہ شبیر احمد عثمانی مولانا سید حسین احمد مدنی مولانا حفظ الرحمان اور دیگر بہت سے علمائے کرام کے اسمائے گرامی شامل ہیں

تعلیم کا مقصد: حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیری نے یہاں کی تعلیم کا مقصد ان الفاظ میں بیان کیا

جو لوگ علم حاصل کرتے ہیں ان کا مقصد تحصیل علم سے یا تو دین ہوتا ہے۔ یا فقط دنیا ان کے علاوہ کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو علم کو محض علم کے لئے حاصل کرتے ہیں۔ یہ بھی غنیمت ہے لیکن علم سے معاش کا کام لینا اور اسی مقصد کے لئے اسے حاصل کرنا

ایک بدترین معصیت ہے۔ ان لوگوں کی مثال اس شخص کی سی ہے جو بازار سے ایک قیمتی شال اس لیے خرید کرتا ہے کہ اس سے وہ اپنے جوتے صاف کیا کرے گا۔ جس دور برطانوی نظام تعلیم کے تحت اسلامی علوم وفنون روبہ زوال تھے اور قدیم روایات اور قدیم تہذیبی وثقافتی ورثہ فنا کے گھاٹ اتارا جارہا تھا اس زمانے میں ہندوستان میں اسلامی تعلیمات کے احیاء وبقا کے لیے یہ ایک قلبی آواز تھی۔ اس درسگاہ کے قیام کا مقصد اسلامی روح کو اضمحلال کے گہرے کنوئیں سے باہر نکال لانا اور وقت کے تقاضوں کے مطابق گری ہوئی قوم کو سنبھالنا اور اس کی روحانی قوتوں کو بحال کرنا تھا یہ ادارہ مفت تعلیم کے اس جدید نظام کا مظہر ہے جو دور حاضر میں پرائمری سیکشنوں اور اس سے اوپر کی جماعتوں میں نافذ کیا گیا ہے۔ طرہ یہ کہ اس نے عوامی کوششوں اور خدا پر بھروسہ کو ہی معراج حقیقت سمجھا۔

طلبہ سے فیس لینے کے بجائے انھیں ماہانہ وظیفہ دیتے طلبہ کی رہائش، خورد ونوش، کتابیں، لباس کے اخراجات کا بھی خود ہی ذمہ لیا۔ دارالعلوم دیوبند کا سالانہ اخراجات کا بجٹ دس لاکھ روپیہ سے زیادہ ہی ہے تاہم یہ سب رقوم عوامی چندوں عطیوں اور صاحب خیر حضرات کی اعانت سے جمع کی جاتی ہیں۔ اور قوم کے نونہالوں پر خرچ کی جاتی ہیں۔

مرکزی حکومت کے سابق وزیر ثقافت وسائنس اور پروفیسر ہمایوں کبیر نے ۲۲ اکتوبر ۱۹۶۱ء میں دارالعلوم دیوبند کا دورہ فرمایا۔ اس موقع پر آپ نے فرمایا کہ دارالعلوم ایشیا میں اپنی قسم کا پہلا ادارہ ہے۔ آپ نے کہا کہ جس طرح دارالعلوم کے ارباب بست وکشاد چندے کے لیے باہر جاتے ہیں اس سے عوامی رابطہ کو فروغ دینے میں مدد ملتی ہے اور عوام کا تعلق دارالعلوم سے براہ راست قائم ہوتا ہے۔ اس طریقہ سے کام کرنے میں مسلمانوں میں خود اعتمادی اور ذمہ داری کا احساس پیدا ہوتا ہے ان میں بیداری آتی ہے۔ آپ نے اس ادارے کو بین الاقوامی عہد کے مرکز سے تعبیر کیا۔ یہ ادارہ خدا پر بھروسہ رکھتا ہے اور ظاہر ہے کہ اس سے بڑھ کر دنیا میں کوئی دوسرا بھروسہ نہیں۔ آپ نے اس بات پر بھی خوشی ظاہر کی کہ یہاں سے ذریعہ تعلیم اردو ہے یہاں کے طالب علم خواہ وہ برمی ہوں بنگالی ہوں، انڈونیشی ہوں یا کہیں کے بھی ہوں۔ وہ سب کے سب اردو کے ذریعہ تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ اس طرح یہاں اردو زبان ایک بین الاقوامی زبان کی صورت میں جلوہ گر ہے۔ آپ نے کہا کہ اسلام اور سائنس میں کوئی ٹکراؤ نہیں ہے مسلمانوں نے پہلے بھی دنیا میں علم کی اشاعت کی ہے اور تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ جب تک انھوں نے علم میں فرق نہیں برتا وہ برابر آگے بڑھتے رہے۔ اس لیے مذہب اور سائنس کو ایک دوسرے کے قریب لانے میں دارالعلوم کو مدد کرنی چاہیے۔

آپ نے دارالعلوم میں صنعت وحرفت کی تعلیم کا بھی خیر مقدم کیا۔ آپ نے انگریز کی مثل دہرائی کہ بھوکے آدمی کو بہت جلد غصہ آتا ہے۔ ہندوستان میں چونکہ غریب زیادہ اس لیے یہاں غصہ بھی لوگوں کو جلد ہی آجاتا ہے۔ اگر ہم غربت کے مسئلہ کو ختم کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں نظری تعلیم کے ساتھ ساتھ عملی تعلیم کو حاصل کرنا ہوگا۔ آپ نے فرمایا کہ اس ادارے کے علماء وفضلاء ہندوستان کی جنگ آزادی میں پیش پیش رہے ہیں۔ اس ادارے نے فرقہ پرستی کی موسم فضا کو کبھی بھی اپنے احاطہ میں داخل نہیں ہونے دیا ہے۔ غرضیکہ دارالعلوم دیوبند کو قریب سے دیکھنے والوں میں بہت سے ممتاز ہندو اور حکومت ہند کے مختلف ذمہ دار شامل رہے ہیں۔ سب نے ہی دارالعلوم کے موقف کو سراہا ہے اور اس کی خدمات جلیلہ کی تعریف کی ہے۔

دارالعلوم انگریز کی نظر میں

دارالعلوم دیوبند جس زمانہ میں قائم ہوا اس وقت برطانوی سلطنت میں مسلمانوں سے بدظنی عام ہوگئی تھی چنانچہ مسلمانوں کے قول وفعل کو شک وشبہ کی نظر سے دیکھا جارہا تھا۔ ۱۸۷۵ء میں صوبہ متحدہ کے گورنر سر جان اسٹریچن نے اپنے خصوصی نمائندہ جان پامر کو خفیہ طور پر اس غرض سے

بیجا کہ وہ تحقیقات کر کے بتائے کہ دارالعلوم کے قیام کا مقصد کیا ہے اور یہاں کے علماء و فضلا کس فکر و عمل کے تحت اس ادارے سے خود کو وابستہ کئے ہوئے ہیں۔

جان پامر نے دارالعلوم کے معائنے کے بعد جو اثرات قبول کیے وہ اپنے ایک دوست کو خط میں تفصیل کے ساتھ لکھتے ہیں اور اس خط کی ایک نقل دارالعلوم دیوبند کو بھیجی۔ جان پامر لکھتے ہیں کہ "صوبہ متحدہ کے گورنر سر جان اسٹریجن کے حکم سے میں ۳۱ جنوری ۱۸۷۵ء کو اتوار کے دن دارالعلوم میں پہونچا یہاں پہنچکر میں نے ایک بڑا کمرہ دیکھا جس میں چٹائی کے فرش پر چھوٹے چھوٹے لڑکے کئی درجن کتابیں رکھے ہوئے بیٹھے تھے اور ایک بڑا لڑکا ان کے درمیان میں بیٹھا ہوا تھا میں نے لڑکوں سے دریافت کیا کہ تمہارا استاد کون ہے۔ ایک نے اشارے سے بتایا معلوم ہوا کہ جو شخص درمیان میں بیٹھا ہے وہی استاد ہے۔ مجھے تعجب ہوا کہ یہ کیا استاد ہوگا۔ میں نے پوچھا آپ کے لڑکے کیا پڑھ رہے ہیں۔ جواب دیا کہ یہاں فارسی پڑھائی جاتی ہے۔ یہاں سے آگے بڑھا تو ایک جگہ ایک صاحب میانہ قد نہایت خوب صورت بیٹھے ہوئے تھے۔ سامنے بڑی عمر کے شاگرد ایک قطار میں تھے۔ قریب پہنچ کر سنا تو علم مثلث کی بحث ہو رہی تھی۔ میرا خیال تھا کہ مجھے اجنبی سمجھ کر سب لوگ چونکیں گے مگر کسی نے میری طرف توجہ نہیں کی۔ میں قریب جا کر بیٹھ گیا اور استاد کی تقریر سننے لگا۔ میری حیرت کی انتہا نہ رہی جب میں نے دیکھا کہ علم مثلث کے انتہائی مشکل اور عجیب قاعدے بیان کیے جو میں نے کبھی ڈاکٹر اسپرنگر سے بھی نہیں سنے تھے۔ یہاں سے اٹھ کر دوسرے دالان میں گیا تو دیکھا کہ ایک مولوی صاحب کے سامنے طالب علم کپڑے پہنے بیٹھے ہوئے ہیں۔ یہاں اقلیدس کے چھٹے مقالے کی دوسری شکل کے اختلافات بیان ہو رہے ہیں۔ اور مولانا برجستگی سے تقریر کر رہے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا کہ اقلیدس کی روح ان میں آگئی ہے۔ میں منہ تکتا رہ گیا اس دوران میں مولوی صاحب نے جبر و مقابلہ کا ہندسے سے مساوات درجہ اول کا ایک ایسا مشکل سوال طلبا سے پوچھا کہ مجھے بھی اپنی حساب دانی پر پسینہ آگیا اور میں حیران رہ گیا بعض طلبا نے صحیح جواب نکالا۔

یہاں سے اٹھ کر میں تیسرے دالان میں پہونچا۔ ایک مولوی صاحب حدیث کی کوئی موٹی سی کتاب پڑھا رہے تھے اور ہنس ہنس کر تقریر کر رہے تھے۔ یہاں سے میں ایک زینہ پر چڑھ کر دوسری منزل میں پہونچا۔ اس کے تین طرف عمارت تھی بیچ میں چھوٹا سا صحن تھا جس میں دو اندھے بیٹھے بحث میں مصروف تھے۔ میں دبے پاؤں ان کے پاس پہونچا تو معلوم ہوا کہ علم ہیئت کی کسی کتاب کا سبق یاد کر رہے ہیں۔ اتنے میں ایک اندھے نے دوسرے اندھے سے کہا کہ بھائی کل کے سبق میں شکل عروسی اچھی طرح میری سمجھ میں نہیں آئی۔ اگر تم سمجھے ہو تو بتاؤ۔ دوسرے اندھے نے دعویٰ بیان کیا اور اس کی ہتھیلی پر لکیریں کھینچ کر ثبوت شروع کیا پھر آپس میں بحث ہوئی تو میں دنگ رہ گیا اور مسٹر ہر مگر بد قسمتی کی تقریر کا سماں میری پلکوں میں پھر گیا۔ وہاں سے اٹھ کر ایک اور کمرے میں گیا وہاں چھوٹے چھوٹے لڑکے صرف و نحو کی کتب نہایت ادب سے پڑھ رہے تھے تیسرے درجے میں علم منقول کا درس ہو رہا تھا وغیرہ۔۔۔

کتب خانہ

زیور علم سے آراستہ ہونے کے لیے کتابوں سے مدد لینی پڑتی ہے کسی بھی ادارے کے لیے اچھا کتب خانہ اس کی مضبوط بنیادوں کی نشاندہی کرتا ہے۔ چنانچہ اس ادارے میں بھی جو کتب خانہ ہے وہ بیش بہا کتابوں کا مخزن ہے۔ جو لوگ باہر سے آکر اس کتب خانہ کو دیکھتے ہیں وہ اسے دیکھ کر دنگ رہ جاتے ہیں۔ کتابوں کی تعداد ۷۰ ہزار کے لگ بھگ ہے۔ ان میں مطبوعہ کتب بھی ہیں قلمی بھی، کم یاب ہیں اور نادر ہیں۔ بعض کتابیں اپنی ضخامت کے لحاظ سے نادر ہیں بعض کتابیں مصنفین کے ہاتھوں کی لکھی ہوئی ہیں۔

بہت سی کتابیں ایسی ہیں جو بہت سے شاہی کتب خانوں میں بھی نہیں تھیں اور وہ تاریخی اہمیت کی مالک ہیں۔

کچھ کتابیں ایسی ہیں کہ ان کی نقل آج دنیا کے کسی کتب خانے میں نہیں ہے جن موضوعات پر کتابیں بہت کافی تعداد میں ہیں ان تفسیر واصول تفسیر۔ تجوید وقرات اور اوراد وظائف۔ حدیث واصول حدیث رجال اصول فقہ۔ فقہ۔ فرائض عقائد وکلام۔ تاریخ وجغرافیہ۔ تصوف اخلاق۔ عقائد۔ طب قدیم۔ وطب جدید کیمیا۔ فلسفہ۔ منطق ہیت۔ ریاضی مناظرہ مذاہب۔ صرف۔ نحو۔ معانی وبیان۔ عروض۔ لغت ادب عربی۔ ادب فارسی۔ ادب اردو۔ وغیرہ۔ شامل ہیں۔ درسی کتابوں کا ذخیرہ ان کے علاوہ ہے۔

اہم شعبے

اس ادارے کو چلانے کے لئے جو شعبہ اہم ہیں ان میں شعبہ محاسبی شعبہ تنظیم وترقی شعبہ اوقاف شعبہ مطبخ۔ شعبہ تعمیر۔ شعبہ تبلیغ شعبہ کتابت شعبہ تعلیمات۔ شعبہ طب۔ شعبہ صنعت وحرفت۔ دارالافتاء شعبہ دارالاقامہ۔ شعبہ اہتمام۔ شعبہ فارسی۔ دواخانہ شعبہ صافی شعبہ روشنی اور پانی وغیرہ۔ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

غرضیکہ مسلمانوں کی دینی زندگی کو عمل رکھنے کے لئے یہ ادارہ بہت اہم ہے۔ دارالعلوم دیوبند کو دور حاضر کے ... سے ہم آہنگ کرنے میں فخر الاماثل قاری محمد طیب صاحب نے جو خدمات انجام دی ہیں۔ اپنی جگہ ایک مستقل تاریخی اہمیت وحیثیت کی حامل ہیں۔

جشن صد سالہ پر سلام

علامہ انور صابری

مرکزِ تعلیم ختم المرسلیں دارالعلوم
قاسم الخیرات کی جانِ رشید زندگی
جشنِ صد سالہ ترا ہے اشرفِ کون و مکاں
تو حسین احمد کا فخرِ کائناتِ شوق ہے
پڑھ کے جو نکلا وہ نازِ علم ربانی ہوا
ہند سے تا شام تیری مرکزیت کا ہے زور
تو حقیقت کے لفافوں کے لیے مضمون ہے
احمد و طیب نے تیری آبیاری خوب کی
تیری حکمت تیری دانش دین کا برہان ہے
تو حدیثِ مصطفیٰ کے آئینہ داروں میں ہے
اپنے مرکز کی طرف دنیا سمٹ کر آ گئی
نام ہی تیرا زمانے میں کفایت کر گیا
اب بھی ہے جمعیتِ علماء کا تجھ سے ہی وقار
سید احمدؒ کی مرادِ زندگانی تجھ میں ہے
دیدۂ اسلاف کا آنکھوں میں تیری نور ہے
اے جہادِ شاملی کی دولتِ دل کے امیں
ہر ایثار و عمل کی ضو بنایا ہے ہمیں
ترمذی کا چشمۂ ادراک یوں جاری ہوا
تربیت پائندہ ہیں بنگال بھی آسام بھی
کوئی ہستی کو تری ہرگز مٹا سکتا نہیں

نقش پیشانی ہے تیرا صحابی کالنجوم
تیرے رخ پر عارضِ محمود کی تابندگی
تیری ضو سے انورِ کامل ہوا سارا جہاں
سب کے دل میں تیری الفت کا حقیقی ذوق ہے
دہر کی وسعت میں نقشِ روح لافانی ہوا
نغمۂ سازِ حجازِ پاک میں ہے تیرا شور
تیرے دم سے ملتِ شاہ امم مامون ہے
اسعدِ اسلاف نے عظمت شعاری خوب کی
تیری ہستی ترجمان جذبۂ قرآن ہے
قصرِ آزادی کے تو ممتاز معماروں میں ہے
تیری فطرت کُل جہانِ رنگ و بو پر چھا گئی
حفظِ رحمٰن کو امانت دارِ ملت کر گیا
گلشنِ توحید کی تجھ سے ہے قائم ہر بہار
بحرِ ایثار و محبت کی روانی تجھ میں ہے
جو کبھی بجھتا نہیں ایسا چراغِ طور ہے
اس صداقت میں کوئی انکار اب شامل نہیں
سنتِ سجاد کا پیرو بنایا ہے ہمیں
ہر بخاری پر بخاری کا سبق طاری ہوا
سینۂ جمہور میں رقصاں ہے تیرا نام بھی
گردنِ اعزاز کو تیری جھکا سکتا نہیں

بھیجتے ہیں جشن صد سالہ پہ سب تجھ کو سلام
تا قیامت کم نہ ہوگا تیری عزت کا مقام

مولانا عبدالصمد وانکانیری صدر جمعیۃ علماء گجرات

کے زیر اہتمام قائم

دارالیتامی تعلیم الدین

پردیسی واڑ بھروچ سٹی (گجرات)

تمام وابستگان اور فرزندان دارالعلوم دیوبند

کو

جشنِ صد سالہ پر

صمیمِ قلب سے

مبارک باد پیش کرتا ہے

دار العلوم دیوبند اور تحریک قاسمی

از: مفتی عزیز الرحمن (بجنور)

۱۸۵۷ء کے بعد ہندوستان بھر (خصوصاً دہلی) سے اسلامی درسگاہوں کا خاتمہ ہوچکا تھا۔ اور اب یہ سوال پیدا ہوگیا تھا کہ ہندوستان میں اسلامی علوم کی حفاظت اور مسلمانوں کی اسلامیت کو کس طرح باقی رکھا جائے۔ خود مسلمان اپنی حکومت ختم ہوجانے کے بعد اقتصادی بحران کا شکار ہوگئے تھے۔ کسی کام کے کرنے کے لئے کوئی مالی امداد و تعاون کی تمام راہیں تقریباً مسدود تھیں۔ ایسے حالات میں دار العلوم کے قیام کا منصوبہ جناب مولانا محمد قاسم رح کے ذہن میں آیا۔ کہ مسلمانوں سے ان کی اولاد کو لیا جائے اور ان ہی غریب مسلمانوں کے معمولی معمولی چندہ کو جمع کرکے مسلمانوں کے بچوں کو فری تعلیم .... ایسی فری تعلیم کہ جسمیں متعلم کی پوری کفالت بھی ہو۔ اور پھر اسی فکر و نظر کے حامل، عامل علماء بنائے جائیں، جو صدیوں تک اسی نہج میں عالم میں، علم اور دین کی خدمت کرتے رہیں۔ مجھے اپنے اساتذہ کی یہ وصیت یاد ہے (جو ان کو اپنے اساتذہ سے متواتراً پہونچی تھی۔) پڑھانے کو ہرگز ترک نہ کیا جائے خواہ قاعدہ بغدادی ہی پڑھانا پڑے اور بہرحال میں مسجد کی امامت کو ضرور اختیار کرلینا چاہئے اس سے عملی زندگی پیدا ہوگی کیونکہ اتباع شریعت و سنت منصب امامت کی وجہ سے ضرور کرنا پڑیگی

یہ وصیت اسلام کی علمی اور ملی حفاظت کے لئے کس قدر ضامن ہے؟ اس کے برگ و بار اور ثمرات آجتک ہمارے سامنے ہیں، یہ ذہن اور منصوبہ اور تحریک حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رح اور ان کے دیگر ساتھیوں (حضرت گنگوہی رح اور ان کے بزرگوں (حاجی امداد اللہ صاحب رح، شاہ عبد الغنی صاحب رح) کی دین ہے جس کی بھرپور نشر و اشاعت حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رح اور پھر ان کے بعد ان شاگردوں خصوصاً حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب دیوبندی اور شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی رح نے کی اور ان سے یہ ذہن و فکر اور تحریک ہم تک پہونچی۔

یاد رکھنا چاہئے کہ کسی ادارہ کا قیام اتنا مشکل نہیں ہے کہ جتنا مشکل کسی تحریک کو مستقلاً چلانا ہے اگر کوئی ادارہ نہ بھی قائم کیا جائے اور تحریک عملاً جاری رہے تو یہ زیادہ اہم اور انقلاب آفرین ہوتی ہے اور جب تحریک کا جزو اداروں کا قیام میں ہو تو پھر وہ تحریک بہت اہم بن جاتی ہے۔ تحریک کے ذریعہ انقلابات اور حفاظت و اشاعت دین کی تاریخ نہایت طویل ہے۔ ہمارے ملک میں تبلیغی کام اور ایک خاص طریقہ سے دین کی اشاعت اپنی اہمیت کے اعتبار سے کسی ایک ادارہ کے قایم کرنے سے لاکھوں درجہ اہم ہے تو ہمارے نزدیک حضرت مولانا محمد قاسم صاحب اور کسی ایک ادارہ کے بانی نہیں بلکہ وہ ایک تحریک کے بانی ہیں کہ جس کی وجہ سے صرف دیوبند ہی کا مدرسہ قائم نہیں ہوا۔ بلکہ سیکڑوں مدرسے قائم ہوگئے۔ مظاہر علوم سہارنپور، شاہی مرادآباد، جامع مسجد امروہہ کا مدرسہ، نگینہ کا مدرسہ تھوڑے تھوڑے وقفہ سے حضرت مولانا محمد قاسم صاحب کے منصوبہ کے تحت قائم ہوئے۔ اگرچہ ان مدارس کے ابتدائی بانی دوسرے حضرات ہیں لیکن ان مدارس کی تاریخ بنا کو حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رح سے علیحدہ کرکے نہیں دیکھا جاسکتا۔

دیوبند کا مدرسہ

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رح کی تحریک کے مطابق دیوبند میں چار حضرات نے ملکر ۱۲۸۳ھ مطابق ۱۸۶۸ء میں مسجد چھتہ میں دینی تعلیم کا ایک مدرسہ قایم کیا۔ ان دنوں حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رح میرٹھ میں تصحیح کتب کا کام کرتے تھے حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب اول صدر مدرس دار العلوم دیوبند اور حضرت نانوتوی رح کے دوست اور پیر بھائی تحریر فرماتے ہیں۔

پھر مولوی صاحب نے مطبع احمدی میں تصحیح کتب کی مزدوری کرلی۔

بہرحال دیوبند کا مدرسہ ان چار حضرات نے قائم کیا۔ حاجی سید عابد حسین صاحب۔ حضرت مولانا ذوالفقار علی صاحب (پدر بزرگوار حضرت شیخ الہند مولانا مہتاب علی صاحب رح

منشی فضل حق صاحبؒ۔ دیوبند کے مدرسہ کے چھ ماہ بعد رجب ۱۲۸۳ھ میں مظاہر علوم قائم ہوا اور ۱۲۹۶ھ میں مدرسہ شاہی مراد آباد قائم ہوا اور ۱۳۰۳ھ میں مدرسہ امروہہ قائم ہوا۔

جس وقت مدرسہ کے لئے چندہ شروع ہوا تو سب سے پہلے سید عابد حسین صاحب نے پانچ روپے اپنی جیب سے نکال کر جمع کئے۔ اور اسی طرح ان چاروں حضرات نے بہت چندہ اکٹھا کیا۔ اور اس طرح مبلغ تین سو روپے چندہ جمع ہو گیا اب ضرورت اس کی پیش آئی کہ مدرسہ میں کس کو رکھا جائے کہ وہ درس و تدریس کا کام کرے چنانچہ سید صاحب نے حضرت مولانا محمد قاسم رحمۃ اللہ علیہ صاحب کو مدرسی کے لئے میرٹھ خط لکھا۔

کل عصر اور مغرب کے درمیان تین سو روپے جمع ہو گئے۔ اور اب آپ تشریف لے آیئے۔ (سوانح قاسمی ص ۲۵۰)

حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے جواب میں فرمایا۔

"میں بہت خوش ہوا۔ خدا بہتر کرے مولوی ملا محمود صاحب کو پندرہ ماہوار پہ مقرر کر کے بھیجتا ہوں۔ وہ پڑھائیں گے اور میں مدرسہ مذکور کے حق میں ساعی رہوں گا۔ سوانح قاسمی ص ۲۵۰"

بہر حال یہ ظاہر ہے کہ جب دیوبند کا مدرسہ مسجد چھتہ میں قائم ہوا تو اس وقت حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ دیوبند نہیں تھے۔ ان کو تو مدرسی کے لئے طلب کیا گیا تھا اور وہ اپنے مصالح کی بنا پر دیوبند تشریف نہیں لا سکے تھے۔ حضرت شیخ الہندؒ اور حضرت مولانا احمد حسن صاحب امروہیؒ نے حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ سے درس حدیث دیوبند سے باہر یعنی میرٹھ۔ دہلی، سہارنپور کے قیام کے زمانے میں لیا ہے۔ حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ کا قیام دیوبند ۱۲۸۵ھ سے ہوا۔ جیسا کہ آئندہ مذکور ہوگا۔ مسلک علمائے دیوبند کے مرتب نے معلوم نہیں کیوں اور کس بنیاد پر لکھ دیا

حضرت نانوتوی نے مدرسہ مسجد چھتہ میں پڑھایا ہے۔

اس کا کوئی ماخذ نہیں اور نہ کوئی سند ہے بلکہ اس وقت کے حالات کا مشاہدہ کرنے والے اور دار العلوم دیوبند کے پہلے صدر مدرس نے تحریر فرمایا ہے کہ حضرت شیخ الہندؒ اور مولانا احمد حسن صاحب امروہیؒ نے حضرت نانوتویؒ سے میرٹھ اور دہلی رہ کر پڑھا وہ ۱۲۸۵ھ سے قبل دیوبند قیام کے لئے تشریف نہیں لائے۔ البتہ اپنے

بہنوئی کے یہاں ایک مہمان کی حیثیت سے کبھی کبھی آجایا کرتے تھے۔ سوانح حیات حضرت شیخ الہند از میاں اصغر حسین صاحب ص ۱۲

مدرسہ مسجد چھتہ اور دار العلوم

دار العلوم دیوبند کو موجودہ خاکہ کیسا تھ چلانا اور نودرہ کی ابتداء اور بنیاد ۱۲۹۲ھ ہے یہ خاکہ اور بنیاد حضرت مولانا محمد قاسم صاحب اور ان کے محترم ساتھی جناب مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی کا ترتیب دیا ہوا ہے۔ شروع میں حضرت حاجی عابد حسین صاحب کو اس سے اختلاف تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ مدرسہ کو جامع مسجد دیوبند کے کمروں میں چلایا جائے۔ جنکو اسی غرض سے تعمیر کیا گیا تھا۔ لیکن حضرت نانوتویؒ مدرسہ کو صرف دیوبند کی سطح پر نہیں بلکہ ہندوستانی اور عالمی سطح کے تحت تعمیر کرنا چاہتے تھے۔ بالآخر حضرت حاجی صاحب موصوف بعد میں راضی ہو گئے۔ اور مدرسہ دار العلوم کی بنیاد رکھنے والوں میں وہ بھی شریک رہے۔ اور وہی مدرسہ دار العلوم کے سب سے پہلے متولی اور مہتمم قرار پائے۔ چنانچہ کاغذات پٹواریگی و بندوبست سے ثابت ہے۔

کھیوٹ بابت سنہ ۱۲۱۱ھ فصلی					
نام پٹی	نام نمبردار	تعداد آراضی	نمبر کھیوٹ	جمع	نام حصہ دار
[illegible]	[illegible]	۵ بیگہ	۱۶۷	خارج مرتبہ	وقف مدرسہ عربی باہتمام حاجی عابد حسین پسر غلام علی مرحوم قوم سید ساکن دیبہ

یہ وہ آراضی ہے کہ جس میں نودرہ کی بنیاد ۱۲۹۲ھ میں رکھی گئی اور تعمیر ہونے کے بعد مدرسہ اسی جگہ منتقل کر دیا گیا اور اس طرح مدرسہ دار العلوم کے مہتمم اول حضرت سید عابد حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ از ۱۲۸۳ھ تا ۱۲۸۴ھ اور دوسری مرتبہ ۱۲۸۶ھ تا ۱۲۸۸ھ اور تیسری بار ۱۳۰۶ھ تا ۱۳۱۰ھ ہوئے۔ ان کے بعد حضرت شاہ رفیع الدین صاحب درمیانی مدت میں ۱۲۸۴ھ تا ۱۲۸۵ھ اور دوسری بار ۱۲۸۸ھ تا ۱۳۰۶ھ رہے۔ حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ نے دار العلوم دیوبند کی بنیاد تو ڈالی لیکن وہ کبھی بھی دار العلوم دیوبند کے مہتمم نہیں رہے۔ دار العلوم دیوبند کا پہلا دورہ حدیث ۱۲۸۶ھ میں ہوا۔ اس وقت کے مدرسین

فہرست میں حضرت مولانا محمد قاسم صاحب کا نام نہیں ہے حضرت شیخ الہند نے ۱۲۸۶ھ میں کتب صحاح ستہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمہ سے دہلی کے قیام میں پڑھیں۔ یہیں ایک قدیم رسالہ دستیاب ہوا کہ جس کی عمر سو سال کے قریب ہو چکی ہے جس میں گورنر یوپی کی آمد کا تذکرہ بھی ہے۔ اور دارالعلوم دیوبند کی روئداد کے بارے میں بھی ذکر کیا گیا ہے۔ اس میں بھی حضرت مولانا محمد قاسم صاحب کے بارے میں تحریر کیا ہے۔ وہ بانیان مدرسہ میں نہیں ہیں۔ اس کے علاوہ حضرت شیخ الہند کے والد محترم جناب مولانا ذوالفقار علی صاحب نے اپنی کتاب الهدیۃ السنیۃ فی احوال مدرسۃ الدیوبندیہ میں بھی یہی تحریر فرمایا ہے کہ مدرسہ عربیہ دیوبند کے بانی حضرت سید عابد حسین صاحب ہیں مولانا ذوالفقار علی صاحب کی وفات ۱۳۲۲ھ کو ہوئی تھی۔

حضرت گنگوہی کی کھلی کرامت

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ یوپی کے گورنر لارڈ میکڈانلڈ (جنہوں نے ہندوستان میں اردو اور ہندی کا قضیہ شروع کیا تھا) شملہ جاتے ہوئے دیوبند کے اسٹیشن سے گذرے۔ لارڈ نے دریافت کیا یہ کون اسٹیشن ہے۔ اسٹاف کے ایک مسلمان افسر نے جواب دیا۔ "دیوبند" یہ سنکر لارڈ کا رنگ غصہ سے متغیر ہو گیا اور کہا ساری شرارتوں کا مرکز یہی ہے۔ میں پہلی فرصت میں اس کا معائنہ کروں گا اس وقت حضرت گنگوہی رح حیات تھے۔ دیوبند کے حضرات ان کی خدمت میں پہونچے حضرت رح نے فرمایا۔ گھبراؤ نہیں۔ نہ لاٹ آئے اور نہ لاٹوی چنانچہ اس کے بعد دیوبند میں بہت زور کا ہیضہ چلا اور لارڈ صاحب تشریف نہ لا سکے۔

اسی طرح سے تمام اکابر کی دعائیں اور توجہات دارالعلوم دیوبند کی طرف ہمیشہ رہی ہیں۔ حضرت نانوتوی نے مکۂ معظمہ جاکر حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رح سے عرض کیا۔ حضور! ہم لوگوں نے دیوبند میں ایک مدرسہ قائم کیا ہے حضرت حاجی صاحب رح نے فرمایا۔ یہ تو آپ کا خیال ہے۔ یہاں سے لوگوں کی شب و روز کی دعائیں ہیں کہ اللہ تعالے ہندوستان میں اشاعت و حفاظت اسلام کے اسباب مہیا فرمایا۔ اسی قسم کا ارشاد حضرت شاہ عبدالغنی رح صاحب کے بارے میں روایت کیا جاتا ہے۔ حضرت میاںجی جھنجھانوی نے فرمایا تھا کہ میں نے ایک ایسی ہانڈی پکائی ہے کہ نہ سو سال پہلے کسی نے پکائی ہے اور نہ سو سال تک کوئی پکا سکے گا۔ یہ ان اکابر کی دعائیں اور توجہات ہے کہ اللہ تعالے کے فضل و کرم سے دنیا کا یہ عظیم الشان ادارہ اسی نہج پر بلا کسی حکومت کے تعاون سے چل رہا ہے

اجلاس دستار بندی

سب سے پہلا جلسہ دستار بندی ۱۲۹۲ھ میں ہوا۔ اور اس میں پانچ علماء کے دستار فضیلت باندھ گئی۔ ۱۔ حضرت شیخ الہند ۲۔ شیخ محمد تھانوی۔ ۳۔ مولانا عبداللہ جلال آبادی۔ ۴۔ مولانا عبدالحق صاحب پور قاضی۔ ۵ مولانا فخرالحسن صاحب گنگوہی۔ ۲۔ دوسرا جلسہ ۱۲۹۴ھ میں ہوا اور اس میں بھی پانچ علماء کی دستار بندی ہوئی۔ ۳۔ ۱۲۹۸ھ اس مرتبہ سات علماء کی دستار بندی ہوئی۔ ۴۔ ۱۳۰۱ھ اس مرتبہ گیارہ علماء کی دستار بندی ہوئی اس وقت حضرت گنگوہی حیات تھے۔ اور ان ہی کے دست مبارک سے دستار فضیلت باندھی گئی۔ وہ گیارہ علماء یہ ہیں۔

۱۔ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی ۲۔ مولانا علاءالدین صاحب تھانوی ۳۔ مولانا محمد اسحٰق صاحب نہٹوری (ضلع بجنور) ۴۔ حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب کاندھلوی ۵۔ مولانا عبدالمومن صاحب دیوبندی ۶۔ مولانا ناظر حسن دیوبندی ۷۔ مولانا محمد صدیق صاحب دیوبندی۔ ۸۔ مولانا محمد یحییٰ صاحب۔ دیوبندی ۹۔ قاضی نصرت علی صاحب دیوبند ۱۰ مولانا محمد مرتضیٰ صاحب دہلوی۔ ۱۱۔ مولانا عبدالرحمٰن صاحب دہلوی آخری جلسہ دستار بندی ۱۳۲۸ھ میں ہوا تھا۔ اس میں دو سو علماء کے دستار فضیلت باندھی گئی اگرچہ مستحقین علماء کی تعداد چھ سو تھی۔ لیکن دو سو سے زیادہ شریک ہوئے۔ کل حاضرین کی تعداد تیس ہزار تھی۔ اس جلسہ کے منتظم اعلیٰ حضرت شیخ الہند رح تھے۔ اور کارپردازوں میں حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی اور مولانا عبیداللہ صاحب سندھی وغیرہم تھے۔ اسی جلسہ میں جمعیۃ الانصار کی داغ بیل ڈالی گئی اور اسی میں رسالہ القاسم کا اجراء عمل میں آیا۔ اس جلسہ میں حیرت انگیز واقعات اور بزرگوں کی کرامتوں کا ظہور عمل میں آیا۔ موجودہ جلسہ دستار بندی اپنی وسعتوں کے لحاظ سے پہلے تمام

(باقی صفحہ ۳۹ پر)

دارالعلوم دیوبند کے تین دور

محمد افضال الحق قاسمی

۱۵ محرم ۱۲۸۳ھ کو ایک انار کے درخت کے نیچے جس مکتب کی بنیاد حاجی عابد حسین رحمۃ اللہ علیہ نے ڈالی تھی اور ملا محمود کو ایک ہی بچہ، محمود الحسن سپرد کرکے کام شروع کر دیا تھا، اس مکتب کو مدرسہ پھر مدرسہ کو دارالعلوم بنانا اور طالب علم محمود الحسن کو شیخ الہند بنا دینا یقیناً حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا کارنامہ ہے۔

مولانا نے اس دہلی میں جوانی گزاری تھی جس میں مغلیہ سلطنت کا چراغ گل ہو رہا تھا اور برطانوی بھوت اپنا خطرناک سایہ ڈالتا چلا آ رہا تھا۔

مولانا نے ۱۸۵۷ء کی وہ جنگ بھارت خود دیکھی تھی جس میں اہل ہند نے انگریزوں کے چھکے چھڑا دئے تھے، پھر شاملی کے میدان میں نکل کر ہاتھوں میں تلوار لے کر جنگ کی تھی مگر مسلمانوں کی نااہلی سے اتنی عظیم سلطنت کا چراغ گل ہو گیا۔

انھوں نے خانوادہ ولی اللہ کا یہ سبق پڑھا تھا اور اپنی آنکھوں سے قوموں کے آتار چڑھاؤ کے وہ مناظر دیکھے تھے جس کے خاکے حجۃ اللہ البالغہ میں کھینچ دئے گئے تھے اور جو عوامی زندگی کے لئے لازمہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔

مولانا نے ان لوگوں سے دینی علوم سیکھے تھے جو دین کی زندہ تصویریں تھے اور جن کی آنکھوں میں قرآن و سنت کی عبرت اور بصیرت بھری تھی اور جو زمانہ کے انقلابات کی سچی تعبیریں جانتے تھے۔

مولانا اس مشت خاک سے بنائے گئے تھے جس سے مولانا اسمعیل، مولانا سید احمد، شاہ عبدالعزیز بنائے جاتے ہیں اس لئے وہ ان لوگوں میں سے نہیں تھے جو روزانہ پیدا ہو جاتے ہیں، ان میں سے بھی نہیں تھے جو کسی گروہ یا قبیلے کے لئے پیدا کئے جاتے ہیں بلکہ وہ ان خوش نصیبوں میں سے تھے جو صدیوں کے بعد جنم لیتے ہیں اور اپنی دنیا اپنے ہاتھوں تعمیر کرنے کا حوصلہ رکھتے ہیں۔ وہ تاریخ کے ان منفرد لوگوں میں سے تھے جو کسی ملک یا قوم کو پروگرام دے کر پھر اس کو چلانے والے افراد میں ڈھال دیا کرتے ہیں۔

چنانچہ انھوں نے دیوبند آکر کوئی نیا مکتب نہیں قائم فرمایا بلکہ ایک قائم شدہ مکتب کو اپنی دل سوزی سے مدرسہ بنا دیا اور پھر مدرسہ کو ایسا تخیل ایسا طریق کار دیا جو ساری دنیا میں انوکھا تھا۔ پھر اس طرح اس کی بنیادیں بھر دیں کہ کسی نے اس پورے عرصہ میں اس کی نظیر نہیں دیکھی اور ایسا نظام مرتب کر دیا کہ سو برس ہو گئے آج تک ان کے اصولوں میں کسی تبدیلی کی ضرورت نہیں محسوس ہوئی۔ قدس اللہ سرہم

مولانا کے دارالعلوم پر ۱۲۸۳ھ سے محرم ۱۴۰۰ھ تک ۱۱۶ برس گزر گئے، اس طویل عرصہ میں ان کا دارالعلوم تین دور سے گزر چکا۔

- پہلا دور مولانا قاسم سے شروع ہوکر شیخ الہند مولانا محمود الحسن تک ختم ہوتا ہے۔
- دوسرا دور علامہ انور شاہ کشمیری سے شروع ہوکر مولانا فخر الدین مرادآبادی تک پورا ہوتا ہے۔
- تیسرا دور مولانا فخر الدین صاحب کے بعد سے شروع ہوا ہے اور ہمارے سروں سے گزر رہا ہے۔

آیئے سر جوڑ کر دیکھیں کہ مولانا قاسم نے دارالعلوم کو کیا دیا تھا اور وہ آج کہاں تک باقی ہے یا اس میں کہاں تک ترقی ہوئی ہے۔

جن لوگوں کو دارالعلوم عزیز ہے ان سے گزارش کروں گا کہ وہ تاریخی عوامل اور تاریخی تدریج کو سامنے رکھ کر اس تجزیہ میں ہاتھ بٹائیں اور تاریخ جیسے بے رحم مضمون میں اگر کوئی چیز بار خاطر ہو تو اسے معاف فرمائیں۔

۱۸۵۷ء کا انقلاب ستمبر میں ختم ہو گیا تو اس کے دس برس بعد

مئی ۱۸۶۶ء (۱۵ محرم ۱۲۸۳ھ) کو اس مکتب کا آغاز کیا گیا تھا۔ مگر جب مولانا قاسم صاحب نے دیوبند کے قیام کا فیصلہ فرما لیا تو اس مکتب اور اس قصبے کی قسمت بدل گئی۔ مولانا نے اس ادارے کو چار نادر تحفے دیئے۔

۱۔ سب سے اہم یہ کہ دیوبند کو اپنی سرگرمیوں کا اور مدرسہ کو اپنی زندگی کا محور بنا دیا۔ اور ۱۵ سالوں تک اس کی آبیاری فرماتے رہے، دل سے دماغ سے قلم اور زبان سے۔

۱۵ سال اس ہستی کے تھے جسے مستقبل کو سو برس تک جھانک کر دیکھ لینا آتا تھا، اور جسے اپنے مقاصد کی تکمیل کے لئے لوگوں کی مردم سازی کا گر آتا تھا، لائق اور ذہین افراد کو تلاش کر کے پھر ان سے نباہنے کا فن آتا تھا۔

یہ ۱۵ سال اس شخصیت کے تھے جسے یقین تھا کہ قرآن، حدیث اور اسلامی علوم میں آج بھی اتنی توانائی ہے کہ اس سے پوری اسلامی برادری زندہ ہو سکتی ہے اور ملک و ملت کی رہنمائی کر سکتی ہے۔

اس لئے مولانا قاسم نے ان پندرہ برسوں میں اس ادارے کو ایک تحریک، ایک چھاؤنی اور ایک نمونہ بنا دیا۔

۲۔ اس تحریک کا بنیادی پتھر انھوں نے نظام تعلیم کو بنا دیا۔ یہ نظام تعلیم تین خطوں کا ایک مثلث تھا۔ نمبر اول اساتذہ فن، نمبر دوم نصاب تعلیم، نمبر سوم نظام تربیت۔

الف۔ لائق اساتذہ کسی نظام تعلیم کی جان ہیں، خصوصاً وہ استاد جو کتاب خواں نہ ہو بلکہ صاحب فن ہو، وہ ذہنوں کی گرہیں کھول دیتا ہے۔ پھر یہ لڑکا خود کار مشین کی طرح اپنی شخصیت کی تکمیل کے لئے متحرک ہو جاتا ہے اور کوئی چیز اسے اس فرض کی ادائگی سے روک نہیں سکتی۔

مولانا نے دیوبند آ کر، مدرسہ کے لئے اصول ہی نہیں بنائے، نظام تعلیم ہی نہیں چلایا بلکہ خود تعلیم بھی دی۔ اور جو پڑھایا وہ صاحب فن کی طرح پڑھایا، اور بہتر سے بہتر تعلیم کے لئے مولانا محمد یعقوب ایسے ماہرین فن متعین کر دیئے۔ اس طرح چند ہی سالوں میں یہ مدرسہ سونے چاندی کی کان بن گیا جس سے ہر فن کے ماہر علم نکلنے لگے۔

(ب) دوسرا عنصر نصاب تعلیم ہے۔

نصاب تعلیم کتابوں کے مجموعہ یا سلسلے کا نام نہیں ہے بلکہ بچوں کی شخصیت کو کسی متعین مقصد کے لیے آمادہ کرنے والے علوم و فنون کا نام ہے جسے عمر کے لحاظ سے درجہ بدرجہ مرتب کر دیا گیا ہو، تاکہ بچوں میں اپنے مقصد کی لگن اور بصیرت پیدا کر دے۔

مولانا نے لکھنؤ کا درس نظامیہ لیا اور دہلی کا درس حدیث اور خیرآباد کی معقولات۔ پھر سب کو یکجا کر کے فقہ اور حدیث کو مرکزیت عطا کر دی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس نصاب کو پڑھ کر حضرت شیخ الہند، مولانا محمد حسن محدث امروہوی، حضرت شاہ انور کشمیری اور شیخ الاسلام حضرت مدنی ایسے محدث پیدا ہوئے اور مفتی عزیز الرحمٰن صاحب مفتی شمعون صاحب، مفتی کفایت اللہ صاحب اور مفتی محمد شفیع صاحب ایسے فقیہ نکلے یا حضرت تھانوی ایسے محدث فقیہ اور مفسر ابھر آئے۔ جبکہ ندوۃ العلماء نے اسی طرح کا عربی نصاب مرتب کر کے بڑے طمطراق سے تعلیم دی مگر آج تک نہ کوئی محدث نکلا نہ فقیہ، اگر نکلے تو عربی کے ادیب نکلے اور یہ فرق نصاب تعلیم اور اس کے مقاصد کا تھا کتابوں کا نہیں تھا۔

(ج) نظام تعلیم کا تیسرا عنصر تربیتی فضا ہے جس کے لئے اقامتی درس گاہ ضروری ہے مگر ملک بھر میں کہیں اس کا رواج نہیں تھا، لکھنؤ، جون پور، دہلی خیرآباد وغیرہ جہاں کہیں اہل فن تھے وہاں تعلیم کا رواج ضرور تھا مگر اقامتی نظام نہیں تھا۔ اس لئے حضرت مولانا نے جدت فرما کر قیام کا انتظام فرمایا۔ کیوں کہ انھوں نے دہلی میں طلباء کی کس مپرسی دیکھی تھی اس لئے دار الاقامہ بنا کر بچوں کو تعلیمی یکسوئی فراہم کر دی اور یہ ممکن بنا دیا کہ ایک ہی جگہ قیام کر کے کوئی شخص تمام علوم و فنون حاصل کر سکے جن کے حاصل کرنے کے لئے ایک شخص کو ملک بھر کے اہل فن کے پاس جانا پڑتا تھا اور جب اس دار الاقامہ نے لڑکوں کو اساتذہ کے سامنے اور اساتذہ کو لڑکوں کے سامنے کر دیا تو مولانا محمد قاسم بے داغ زندگی کے مالک تھے، علم ظاہری، علم باطنی میں، درس گاہ میں، دار الاقامہ میں، میدان مناظرہ میں، میدان جنگ میں جہاں جہاں تھے اور ان کے سب ساتھی بھی ان ہی کی طرح قابل دید اور قابل قدر ہستے تھے اس لئے ان کے ارد گرد جتنے لوگ تھے ان سب کی زندگیاں بدلتی چلی گئیں اور جب نکلے تو اپنے اپنے فن کے سپہ سالار اور ترجمان بن کر نکلے۔

پھر اس کے ساتھ ان لوگوں کو بچوں کے بنانے اور سدھارنے کا بے حد خیال تھا۔ ہم نے مولانا حسام الدین صاحب کو دیکھا ہے جو حضرت گنگوہی کے دیکھنے والوں میں سے تھے۔ ان کے لئے ممکن نہیں تھا کہ کسی طالب علم یا کسی دوسرے انسان سے کوئی کام خلاف سنت دیکھ سکیں

اور اسے برداشت کرلیں۔ ہم لوگوں کی معمولی سے معمولی بات کو نظر انداز کرنا ان کے لیے مشکل تھا۔ حتیٰ کہ تپائی کو پھاند کر چلا جانا بھی ان کے نزدیک ایک گناہ کبیرہ تھا۔ خلاف ادب اور احترام کتاب کے خلاف تھا اور یہ ہم سب طلبا کو معلوم تھا۔

تو کسی سبب پر ایسی سخت نکیر کرنا انہوں نے جس درس گاہ سے سیکھا تھا وہ درس گاہ مولانا قاسم رحمۃ اللہ علیہ ہی نے قائم کی تھی اور ان ہی درس گاہوں میں حضرت تھانوی اور حضرت شیخ الاسلام نے تعلیم و تربیت حاصل کی تھی۔ چنانچہ دارالعلوم کا مشہور واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ طلباء میں چوری ہوگئی تو سارے مدرسہ میں طوفان آگیا اور جب تک یہ ثابت نہیں ہوگیا کہ طالب علم نے چوری نہیں کی ہے بلکہ کوئی چور طالب علم بن گیا تھا، اس وقت تک بزرگوں نے چین نہیں لیا۔ یہ بھی اہل دارالعلوم کی ذکاوت حس تھی۔ تو اساتذہ جب طلبا کو کسی خاص مقصد کے لئے ڈھالنے کی کوشش کریں گے تو وہ ضرور اس میں ڈھل جائیں گے بشرطیکہ ڈھالنے والے مخلص ہوں اور طلبار کے لئے ایسے نمونے موجود ہوں کیونکہ اخلاقی تربیت کا دارومدار نمونے کی شخصیت پر ہے تو اس وقت بچوں کے لئے مولانا قاسم کا ایثار، ان کی سادگی، ان کی اولوالعزمی، بلند نگاہی اور استغنا سے ہر تک بے داغ زندگی بچوں کے لئے نمونہ بنی اور اس نمونہ کے مطابق جو ڈھل گیا وہ ہیرا بن گیا۔

ہیوں کی اب تک نظیر نہیں ملتی۔ اس لئے دنیا آج تک محو حیرت ہے سب سے پہلا تجربہ مولانا قاسم نے دیوبند میں کیا۔ دوسرا تجربہ دارالعلوم کے فرزند ارجمند مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ نے تبلیغ کے لئے فرمایا کہ اربوں روپیہ دین کی اشاعت میں لگا دیا گیا اور ساری دنیا میں اسلام کے نمونے پہنچا دئے گئے۔ تیسرا عوامی رابطہ گاندھی جی نے سیاست میں پیدا کیا اور پورے ملک کو الٹ دیا۔ انگریزی بساط الٹ دی۔

بہرحال مولانا محمد قاسم رحمۃ اللہ علیہ نے دارالعلوم کو بنانے، چلانے اور باقی رکھنے کے لئے جو تدبیریں اختیار کی تھیں وہ بالکل تیر بہدف تھیں چنانچہ دارالعلوم نے اتنے یہ تمام افراد مہیا کر دئے جو مولانا قاسم کا کام کر سکتے تھے خواہ بدعت کا مورچہ ہو، یا پادریوں کا مقابلہ ہو یا ستیہ پرکاش کا فتنہ ہو، انگریز کا ہو یا کسی قوم کا۔ اسی طرح عوام کی اصلاح کے لئے تحریر یا تقریر کا جو ذریعہ ہو وہ سب مہیا ہوتا چلا گیا اور حضرت مولانا نے ہر موڑ پر اپنے کچھ نقوش ضرور چھوڑے ہیں ان کی کتابوں میں علم ہے، خلوص ہے، اصلاح ہے، مظاہرہ ہے، مقابلہ ہے اور ایک پورے دور کو جگانے کا سامان ہے، چنانچہ سارے ملک کو اس تحریک نے جھنجوڑ کر رکھ دیا اور ہر طرف معاشرتی، تہذیبی، تمدنی انقلاب برپا کرنے والے اٹھتے چلے گئے۔

---

(۳) مولانا نے دارالعلوم کو تیسری اہم چیز عوامی رابطہ دیا۔ اس عوامی رابطہ نے ایک طرف عوام کو دین دیا، دین کی لگن دی، خدمت کا جذبہ دیا دوسری طرف دارالعلوم کو کبھی نہ ختم ہونے والا خزانہ دیا۔ اور جب ریاستیں ختم ہونے لگیں تو ندوۃ العلماء ایسے اداروں کو زندہ رہنے کا راستہ دکھایا اور ملک بھر میں دینی ادارے کھولے اور چندہ کی راہ ہموار کر دی۔ نیز ہمارے اداروں کو امداد حکومت اور اہل اقتدار کی خوشامد سے بچا لیا۔ کیونکہ اس عوامی واسطے میں آنے والی چیزوں کی بھیک موجود تھی۔ چونکہ مولانا نے دیکھا تھا کہ انگریز اوقاف پر قبضہ کر چکے ہیں ریاستیں ضبط ہو جاتی ہیں اور امراء کو دین کی فکر نہیں ہے اس لئے انھوں نے عوام کے اعتماد پر امراء سے بے نیاز ہو کر کام کرنے کا ایک انوکھا راستہ نکالا اور علوم دینیہ کو نئی زندگی، نئی توانائی اور بھرپور کام عنایت فرما دیا عوامی رابطہ کا اس طرح تجربہ ساری دنیا میں ان اشخاص نے کیا ہے اور

اس دور کو مولانا قاسم کی شخصیت نے پیدا کیا اور وہ ان کے عزائم اور ان کی لائنوں پر چلتا رہا تو اسے حضرت شیخ الہند نے پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔

(۱) حضرت شیخ الہند نے دارالعلوم میں حدیث و فقہ اور ادب کے امام پیدا کئے اور ملک بھر کو نمونے کے آدمی دئے۔

(۲) پھر ملک بھر میں اپنے ایسے شاگردوں کو بھیج کر ادارے قائم کرائے اور دین قیم کو رواج دیا چنانچہ مولانا زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ کو اعظم گڑھ سے بستی بھیجا اور مولانا ضرغام الدین رحمۃ اللہ علیہ کو مظفر نگر سے فیض آباد وغیرہ وغیرہ

(۳) دارالعلوم میں ایسی تربیت فرمائی کہ حضرت تھانوی ایسے ایسے مربی پیدا ہوئے اور انھوں نے پورے ملک کو ادب، تمیز اور سلیقہ سکھایا اور ملک کو دارالعلوم کی استدلال کی ہر زبان عطا کر دی۔

(۴) دارالعلوم میں بیٹھ کر پورے ملک سے دینی داروں اور اہل علم سے رابطہ پیدا کیا اور انھیں جنگ آزادی کے لئے تیار فرمایا۔

(۵) ملک اور اسلام کی آزادی کے لئے ہندوستان، برما، افغانستان روس اور ممالک اسلامیہ میں جنگ کی رہنمائی فرمائی اور ہلچل مچادی۔

(۶) مولانا عبیداللہ سندھی، مولانا منصور انصاری غازی جیسے شاگردوں کے ذریعہ بین الاقوامی تحریک کی رہنمائی فرمائی تاکہ ملک اور ملت آزاد ہوسکے۔

(۷) انگریزوں سے لڑتے ہوئے ریشمی رومال تحریک میں مالٹا کی نظربندی میں رہے اور وہاں سے واپس آکر دہلی میں اپنے شاگردوں مولانا کفایت اللہ وغیرہ کی قائم کردہ جمعیۃ علماء کی سربراہی فرمائی۔

(۸) جامعہ ملیہ کا تخیل دیا اور اس کی بنیاد رکھی۔

(۹) کانگریس تحریک میں شرکت کی راہ ہموار کرکے تحریک آزادی کا میدان جنگ بدل دیا اور ہندو مسلم اتحاد کے ذریعہ جنگ کا آغاز فرمایا تو حضرت شیخ الہند نے ایک طرف مسند درس سے علوم و فنون کو پھیلایا دوسری طرف باطل فرقوں اور قوتوں کی مدافعت فرمائی۔ تیسری طرف جنگ آزادی لڑی اور چوتھی طرف باطنی اصلاح کی کوشش فرمائی اس طرح انھوں نے اپنے استاد مولانا قاسم کے خواب کو تعبیر دے دی اور زندہ حقیقت بناکر ہمارے زمانے کے سامنے پیش کردیا۔ اس طرح جب مولانا قاسم رح کا دور ختم ہوا تو اس دور میں بعض چیزیں جو مبہم تھیں وہ سب کے سامنے آگئیں اور مولانا کی پوری سیاسی اور دینی تحریک کے خدوخال نمایاں ہوگئے۔

دور سوم اور ۱۹۱۵ء کے بعد اس وقت شروع ہوا جب حضرت علامہ انور شاہ کشمیری مسند درس پر تشریف لائے۔ پھر ان کے بعد شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی اور حضرت مولانا فخرالدین نے اس جگہ کو عزت دی۔ اس دور کے سامنے علمی، اخلاقی اور سیاسی کاموں کے نمونے موجود تھے اور ایسے اعلیٰ نمونے تھے جن کے مطابق کام کرنا اسی وقت ممکن تھا جب ذہین لوگ محنت، شوق اور لگن سے مسلسل کام کرتے رہیں۔ تو حضرت شیخ الہند کے شاگردوں نے باپ سے زیادہ شفیق استاد کے ہر کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچانا اپنا فرض سمجھا اور حق یہ ہے کہ بعض چیزیں اصل نمونے سے بھی بڑھ گئیں چنانچہ

(۱) علم حدیث اور علم فقہ کو بڑا عروج ہوا۔ علامہ کشمیری نے علم حدیث کو بے پناہ وسعت عطا فرمائی اور حضرت شیخ الاسلام نے بے پناہ گہرائی بخش دی۔ اسی طرح فتاویٰ میں مفتی عزیزالرحمن صاحب، مولانا کفایت اللہ صاحب اور حضرت تھانوی نے ایسے ایسے کارنامے انجام دیے کہ دنیا میں اس کی نظیر مشکل سے مل سکتی ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ یہ سب کام اردو میں ہوئے جب کہ عالم اسلام کی زبان اردو نہیں ہے۔

(۲) اس دور میں عوامی رابطہ بہت بڑھا، چنانچہ بہت سے انقلابات آئے مگر عوامی روابط کے زور سے دارالعلوم نے اتار چڑھاؤ کے تمام مراحل آسانی سے سر کرلئے۔ اسی کے ساتھ ساتھ، نظام تعلیم میں کوئی ترمیم یا اضافہ نہیں ہوا اور نہ وہ سابقہ معیار ہی گرنے دیا گیا چنانچہ معقولات اور علم ادب کو بھی اسی طرح برقرار رکھا گیا جس طرح مولانا غلام رسول اور مولانا ذوالفقار علی چھوڑ گئے تھے۔

(۳) کام کے اصول و ضوابط میں کوئی خاص اضافہ نہیں ہوا۔ البتہ دفتر تعلیمات اور دفتر اہتمام الگ الگ دو شعبے کردیے گئے اور ہر ایک کے کام اور اشخاص مقرر کردیے گئے۔ اس تقسیم کار سے دونوں شعبوں کی کارکردگی بہتر بھی ہوئی نمایاں بھی۔

(۴) اس دور میں بھی اچھے سے اچھے اہل علم پیدا کیے گئے اور انھیں ملک بھر میں بھیجا گیا خصوصاً شیخ الاسلام حضرت مدنی نے پورے ملک میں دینی اداروں کا جال بچھادیا اور ہر طرف سیکڑوں مدارس کے پھیلنے سے کشمیر سے آسام تک ایک سلسلہ قائم ہوگیا

(۵) اس پورے عرصے میں بھی دارالعلوم کا شیخ الحدیث پہلے کی طرح ہمارے ہندوستان میں اپنے علم، اپنے تقویٰ اور اپنے فن میں ممتاز رہا اور اس کو پورے دارالعلوم میں بھی امتیازی حیثیت حاصل رہی، اور وہی علم و عمل کا نمونہ رہا۔

(۶) اس دور میں ہر فن کے اہل علم موجود رہے اور اگر جگہ خالی ہوئی تو بہتر سے بہتر آدمی کو باہر سے لانے کی جدوجہد کی گئی اور کسی فن کا معیار کم کرنے کی کوئی بات نہیں کی گئی نہ کم ہونے دیا گیا نہ فقہ نہ حدیث نہ ادب نہ معقولات، چنانچہ ملک بھر سے ہر طرح کے طلبا آنے لگے اور ان کا ہجوم بڑھتا چلا گیا مگر کبھی یہ شکایت نہیں ہوئی کہ دارالعلوم میں حدیث فقہ، معقولات یا ادب کی تعلیم کمزور ہے۔ اس کی شکایت ضرور تھی کہ ابتدائی تعلیم کا خاطر خواہ انتظام نہیں ہے۔

(۷) حضرت شاہ صاحب سے لے کر مولانا فخرالدین صاحب تک ہر شخصیت کو جمعیۃ علماء ہند سے رابطہ کا فخر رہا اور اس کی تحریکات

میں عملی طور پر حصہ لیتے رہے اور شیخ الاسلام حضرت مدنی نے جنگ آزادی میں براہ راست کانگریس کے پلیٹ فارم سے حصہ لیا ہے اور کراچی سے الہ آباد تک پاسا جیل میں عمر گزاری ہے۔

(۸) دارالعلوم نے تحریک آزادی کی طرح آزادی کے بعد مسلمانوں کی رہنمائی فرمائی، اور حضرت شیخ الاسلام نے یہ نظم اور یہ جرأت نہ سکھائی ہوتی تو امرت سر سے مرادآباد تک کسی مسلمان کا نام تک نہ ہوتا۔

(۹) حضرت شیخ الاسلام کی "حزب اللہ" اندر اندر کام کرتی تھی اور جنگ آزادی کی تیاریوں میں مصروف رہتی تھی۔ ہر مہینے اس کی میٹنگ حضرت کے کمرے میں ہوتی تھی۔

(۱۰) دارالعلوم میں تجوید کی تھی جسے حضرت شیخ الاسلام نے تعلیم کا لازمی جزو قرار دیا اور بہت سے قرآء رکھے گئے۔ یہ نصاب تعلیم میں خوشگوار اضافہ تھا۔

(۱۱) حضرت شیخ نے طلبا کی ورزش اور سپورٹس وغیرہ کا باضابطہ انتظام فرمایا اور اس کی تاکید کرتے رہے

(۱۲) دارالعلوم کے طلبا جس علاقے میں گئے وہاں نام کمایا اور پورے ملک میں دارالعلوم کے علم عمل اور سادگی کی نہ صرف دھاک بیٹھ گئی بلکہ اس میں خاطر خواہ اضافہ ہوا۔

(۱۳) دورہ تفسیر شروع کیا گیا مگر نصاب تعلیم اور طریقہ تعلیم میں کسی کمی کی وجہ سے طلبا میں مقبول نہیں ہو سکا۔ حتیٰ کہ ہم لوگ لاہور جاکر مولانا احمد علی صاحب سے تفسیر پڑھ کر آئے مگر دارالعلوم میں نہیں پڑھا کیونکہ اولاً نصاب ناقص، دوسرے پڑھانے والے حضرات دوسرے درجہ کے مدرسین تھے اس لئے لڑکے اسے لیتے ہی نہیں تھے اور ہر سال ۳۰، ۴۰ طلبا لاہور جاتے تھے۔

(۱۴) اس دوسرے دور میں دارالعلوم کے دو سو برس پورے ہو گئے جس کے خیر و برکت کی خوش خبری غالباً حضرت نانوتوی نے دی تھی۔

(۱۵) دوسرے دور کی ابتدا ہوئی تو اہتمام میں حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی کا طوطی بول رہا تھا۔ وہ بڑے مردم شناس، مردم ساز اور عالی دماغ تھے۔ انھوں نے جس لڑکے کو نگاہ پر چڑھا لیا اسے مختلف مدرسوں میں بھیج کر پختہ فرمایا پھر دارالعلوم میں بلا لیا۔ چنانچہ اس دور کے اہم اساتذہ ان ہی کے لائے ہوئے اہل فن تھے۔

حضرت شاہ صاحب، حضرت مدنی، علامہ ابراہیم، حضرت شیخ الادب

ان ہی کی مردم شناسی کے نمونے ہیں، اس طرح انھوں نے عمارت تعلیم اور انتظام کے شعبے کو بڑا استحکام اور اچھے سے اچھی کارکردگی کا جذبہ دیا۔

مولانا حبیب الرحمٰن صاحب کے بعد صدر محترم حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی تھے اور کارگزار مہتمم حضرت مولانا قاری طیب صاحب۔ اور حق یہ ہے کہ قاری صاحب نے اپنے حسن انتظام، سوجھ بوجھ، سنجیدگی اور نظم و ضبط میں مولانا حبیب الرحمٰن صاحب کی جگہ سنبھال لی۔

حضرت قاری صاحب ملک میں صف اول کے مقرر ہیں۔ عالمانہ انداز میں دارالعلوم کی ترجمانی کا حق ادا کرتے ہیں اور دارالعلوم کا افریقہ، افغانستان، پاکستان اور ممالک اسلامیہ میں اچھا تعارف کرا چکے ہیں۔ آپ کی وجہ سے ملک میں دارالعلوم کا وقار بلند ہوا ہے اور آپ کی مرنجان مرنج طبیعت کی وجہ سے مسلم پرسنل لا بورڈ کو سارے ملک کی نمائندگی کا فخر حاصل ہوا حتیٰ کہ دیوبندکو کافر بتانے والے بھی اس میں شریک ہوئے اور اب تک شریک ہیں۔

حضرت مہتمم صاحب کے عہد میں دوسرا دور ختم ہو گیا اور تیسرا دور شروع ہو گیا۔ اس تیسرے دور کی خصوصیات کچھ ابھی واضح نہیں ہوئی ہیں پھر بھی چند باتیں سامنے ہیں انھیں صرف اس وجہ سے ان سطور میں ذکر کیا جا رہا ہے کہ اگر اصلاح طلب ہیں تو ان پر توجہ کی جائے واللہ وکیل

(۱) مدرسہ اگر تعلیم کا نام ہے تو دارالعلوم اپنے معیار تعلیم میں وہ امتیاز کھو چکا ہے جو اسے منقولات اور معقولات میں سو برس تک حاصل رہا ہے اور پورے ملک میں رہا ہے۔

(۲) دارالعلوم کو سب سے زیادہ نقصان وحدۃ انتظام کے خوبصورت لفظ سے پہنچا ہے کیونکہ تعلیمات کی سربراہی کے لئے کسی انور شاہ، کسی حسین احمد، کسی فخرالدین رحمہم اللہ کو تلاش کرنے کی ضرورت نہیں رہی، البتہ اہتمام کے ملازمین اور نائب ہی اس خدمت کو انجام دیں گے اور دے رہے ہیں اس لئے تعلیمی سربراہی کا وہ امتیاز کبھی واپس نہیں آ سکتا جو پہلے قائم رہا ہے اور نہ ایسی شخصیتیں دارالعلوم کو میسر آ سکتی ہیں جنھوں نے اس کو فاقیت بخشی تھی اور عالمی رہنمائی کا سہرا اس کے سر باندھنے کی حیثیت رکھتے تھے۔

(۳) دارالعلوم کی سب سے بڑی طاقت، مجلس شوریٰ تھی جس کے سامنے تمام دارالعلوم لرزہ براندام رہتا تھا۔ ہم نے وہ دور دیکھا ہے کہ جب کوئی ممبر شوریٰ گزر جاتا تھا تو چاروں طرف سناٹا چھا جاتا تھا۔ طلبا اور یا

ملازمین کو ہمت نہیں ہو سکتی تھی کہ مجلس شوریٰ کو ہموار کرنے کے لئے کسی گروپ کو راضی کریں مگر کل جو سوچ نہیں سکتے تھے آج یہ رائج الوقت سکہ ہیں۔ مجلس کے فیصلے بے لاگ ہوتے تھے اور ان کے سامنے صرف دارالعلوم رہتا تھا وہ نہیں جانتے تھے کہ ہم یہ فیصلہ کسی نظام رکن کے خلاف کرتے ہیں یا حمایت کے۔ دارالعلوم کے لئے جو بہتر سمجھا وہی فیصلہ کر دیا۔ مجلس شوریٰ کا یہ امتیاز مولانا حفظ الرحمٰن تک قائم رہا مگر ان کے بعد آہستہ آہستہ وہ بھی دفتر اہتمام کا ایک بیرونی شعبہ بن کر رہ گیا ہے جس کے فیصلوں سے دفتر اہتمام پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ البتہ وہ خود دفتر اہتمام سے مرعوب رہتے ہیں۔

(۴) دارالعلوم دوسرے دور تک ایک علمی تحریک، تہذیبی یونٹ اور سیاسی مکتب فکر تھا۔ اس لئے اس کے فضلاء جہاں کہیں بھی ہیں اپنی مادر علمی کی پوری نمائندگی کرتے ہیں۔ ہندوستان، پاکستان، افغانستان روس، یورپ اور افریقہ ہر جگہ تعلیم کو رواج دیتے ہیں، سیاسیات کو کنٹرول کرتے ہیں، رسم و رواج پر اپنی گرفت قائم کرتے ہیں اور اپنے ماحول کو مذہبی بنائے رکھنے کی جدوجہد کرتے ہیں۔ مگر آج کا دارالعلوم ایک علمی ادارہ تو ہے علمی تحریک نہیں ہے کوئی سیاسی مکتب فکر نہیں ہے بلکہ اس کا تہذیبی ڈھانچہ خود ٹوٹ رہا ہے۔

اس طرح کی چند خصوصیات جو اس دور سے متعلق ہیں آہستہ آہستہ نمایاں ہوتی چلی جائیں گی مگر دراصل یہ خصوصیات نہیں ہیں بلکہ دارالعلوم میں بنیادی تبدیلیاں ہیں۔ ایسی تبدیلیاں جن سے اصل دارالعلوم مٹ جائے گا اور اس کی شکل و شباہت کا دوسرا دارالعلوم آنکھوں کے سامنے آجائے گا۔ اس لئے جن بزرگوں کو دارالعلوم کی خصوصیات عزیز ہیں ان کا فرض ہے کہ وہ حالات کا تجزیہ کریں اور انھیں بدل ڈالنے کی ہمت ہو تو

الف۔ دارالعلوم کی نمائندگی کرنے والے اہل علم سے مشورہ کریں۔

ب۔ ابناء قدیم کی تنظیم کریں جو ایک تعلیمی کونسل قائم کرکے دارالعلوم کو اس کی خصوصیات پر باقی رکھنے کی جدوجہد کرے۔

ج۔ وفاق مدارس دینیہ کی عالمی تنظیم قائم کرے جس کا مرکز دارالعلوم کو بنائے۔

د۔ ایک پروگرام طے کرے جس کو تمام قاسمی برادری جہاں رہے وہاں پھیلاتی رہے۔

ھ۔ ایک انعامی فنڈ قائم کرے جو اہل علم، اہل قلم اور اہل فن کو ہر سال دیا جائے مثلاً "نمائندہ دارالعلوم"

خدا کرے اہل علم ان سطور پر توجہ فرمائیں۔

رشید احمد اسماعیل تکولیا

(جوہانسبرگ۔ جنوبی افریقہ)

"انگریزی زبان بولنے والی دنیا میں اس کو (دارالعلوم دیوبند) کو ایٹن اور کیمبرج کا درجہ دیا جاتا ہے۔ لیکن میں کہتا ہوں کہ یہ درجہ اس کی شان کے لئے کمتر ہے۔ دارالعلوم کا مرتبہ دوسرے اداروں سے کہیں زیادہ بلند ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ اس کا کوئی ہمسر نہیں"

تحریک قاسمی

(بقیہ صـ ۳۱)

اجلاسوں سے ہزاروں گنا بڑا ہے۔ اس وقت اگرچہ وہ اکابر تو موجود نہیں ہیں۔ لیکن ان تمام اکابر خصوصاً جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابہؓ اور اولیاء کرام کی مقامی بشارتیں اور توجہات اس اجلاس میں شریک ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس جلسہ کو عالم اسلام میں خیر اور اسلام کی اشاعت کا ذریعہ بنائے آمین۔ اور اللہ تعالیٰ حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ اور ان کے ساتھیوں کے مدارج بلند فرمائے۔ جنھوں نے نہ صرف یہ ادارہ قائم کیا بلکہ ان کی تحریک پر ملک بھر میں ہی نہیں بلکہ پورے عالم میں اسی طور پر چلنے والے لاکھوں مدارس موجود ہیں اور دین کی خدمت انجام دے رہے ہیں۔

نوٹ: یہ پورا مضمون۔ تذکرہ شیخ الہند۔ حیات شیخ الہند تذکرہ مشائخ دیوبند۔ الہدیۃ السنیۃ۔ رسالہ القاسم اور دارالعلوم دیوبند کی متفرق رودادوں سے ماخوذ ہے اور مدینہ بجنور سنہ ۱۹۵۱ء میں بھی شائع ہو چکا ہے

وہ پہلا گھر علوم کا ہندوستاں میں

عثمان احمد قاسمی جون پوری، صدر ضلع جمعیۃ علماء جون پور

علم و عمل کا مرکز اعلیٰ کہیں جسے　　تاریکیوں میں نور کا جلوا کہیں جسے

دارالعلوم جس کی بنا ہے خلوص پر　　قاسمؒ کی ذات پاک کا صدقا کہیں جسے

وہ جس کا فیض عام ہے سارے جہان میں　　بہتے ہوئے علوم کا دریا کہیں جسے

ہر ذرہ جس کا مہر درخشاں کی طرح ہے　　ظلمات شب میں صبح کا تارا کہیں جسے

اک معجزہ کی طرح چمکتا ہے اس کا نور　　وہ روشنیٔ حق ید بیضا کہیں جسے

وہ پہلا گھر علوم کا ہندوستان میں　　اس وصف کے لحاظ سے کعبا کہیں جسے

مہر منیر و ماہ درخشاں کی طرح ہے　　اس کا وجود نور سراپا کہیں جسے

پہلے ہی دن سے جس کی بنا اتقا پہ تھی　　امدادؒ کی دعا کا نتیجا کہیں جسے

گلشن علوم دین کا کہتے ہیں جس کو سب　　اور ساتھ ساتھ گلشن تقوا کہیں جسے

بجھتی ہے تشنہ لب کی یہیں آ کے تشنگی　　تشنہ لبان علم کی صہبا کہیں جسے

جس کی ضیا سے ظلمت بدعات مٹ گئی　　بے شبہ دین حق کا منارا کہیں جسے

گلہائے تر سے جس کے معطر جہان ہے　　اک اک پھول وہ گل رعنا کہیں جسے

دارالعلوم فضل خدائے کریم ہے

عثمان کو بھی اس سے نیاز قدیم ہے

ہر در و دیوار و جنگلا کو مرا پہنچے سلام

عبدالہادی قاسمی بستوی

مادرِ علمی کی مجھ کو ہر کہانی یاد ہے ۔۔۔ وہ تب و تابِ حیاتِ جاودانی یاد ہے

گلشنِ قاسمؒ کے ہر پتے میں علم و آگہی ۔۔۔ عندلیبانِ چمن کی نغمہ خوانی یاد ہے

گنبدِ بیضا پہ سوئے آسمان پہلی نظر ۔۔۔ آج تک وہ مہر و الفت کی نشانی یاد ہے

تو ہے حرم اولیا اے محترم دارالعلوم ۔۔۔ تیری دنیا کے دلوں پر حکمرانی یاد ہے

نودرہ میں رات کو اکثر کتب بینی کی یاد ۔۔۔ مُلسری کے چاہِ رحمت کا وہ پانی یاد ہے

پُرشکوہ و پُرکشش وہ مسجد دارالعلوم ۔۔۔ منظرِ پُرنور و نقشِ غیر فانی یاد ہے

مسجد چھتہ جہاں درسِ وفا کی ابتدا ۔۔۔ وہ درخت سبزہ وہ مسجد پرانی یاد ہے

حضرت اسعد سے وہ شرح وقایہ کا سبق ۔۔۔ وہ تفقہ زیرِ لب وہ خوش بیانی یاد ہے

صاحبِ قاموس[1] و فخرِ نازشِ دارالعلوم ۔۔۔ ترجمہ قرآن کا وہ نصف ثانی یاد ہے

حضرت سالم کی وہ شرح عقائد یاد ہے ۔۔۔ بارشِ الفاظ اور زورِ بیانی یاد ہے

جو بھی سنتا مثلِ پروانہ وہ ہو جاتا نثار ۔۔۔ حضرتِ انظر کی وہ جادو بیانی یاد ہے

منظرِ درسِ ہدایہ سادہ دل اختر حسین ۔۔۔ وہ جنوبی گیٹ سے اک فرات آنی یاد ہے

یاد آتا ہے ابھی تک درسِ بیضاوی مجھے ۔۔۔ دھاڑ کے اس شیر کی پختہ کلامی یاد ہے

مدِ محدودی کیا کرتے تھے وہ تفسیر میں ۔۔۔ حضرت فخرالحسن کی تیز گامی یاد ہے

[1] استاذ محترم مولانا وحیدالزماں صاحب مدظلہ

تبرکات

نادر اور تاریخی تحریریں

بہترین ساڑیاں اور رنگ برنگ
چھینٹ کی چھپائی
اور
بہترین ڈیزائن کا مرکز
اے عبدالکریم سوجت والا
جمال پور دروازہ باہر۔ نزد گیتا مندر، پانچ پیر قبرستان احمد آباد
دارالعلوم دیوبند اسکے تمام متعلقین و وابستگان اور فضلاء کو
جشن صد سالہ پر
تہ دل سے
مبارکباد پیش کرتا ہے

دارالعلوم دیوبند و دیگر مدارس عربیہ کے متعلق
حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ کے خاص دست مبارک کے لکھے ہوئے چند اصول کا قلمی عکس

(۱) اصل اول یہ ہے کہ تا مقدور کارکنان مدرسہ کو ہمیشہ تکثیر چندہ پر نظر رہے آپ کوشش کریں
اوروں سے کرائیں خیر اندیشان مدرسہ کو یہ بات ہمیشہ ملحوظ رہے

(۲) ابقاء طعام طلبہ بلکہ افزائش طعام طلبہ میں جس طرح ہو سکے خیر اندیشان مدرسہ ہمیشہ ساعی رہیں

(۳) مشیران مدرسہ کو ہمیشہ یہ بات ملحوظ رہے کہ مدرسہ کی خوبی اور اسلوبی ہو اپنی بات
کی پچ نہ کی جائے خدانخواستہ جب اس کی نوبت آئیگی کہ اہل مشورہ کو اپنی مخالفت رائے اور اوروں کی رائے
کی موافق ہونا ناگوار ہو تو پھر اس مدرسہ کی بنیاد میں تزلزل آجائیگا القصہ تہ دل سے بروقت مشورہ
اور نیز اسکے پس و پیش میں اسلوبی مدرسہ ملحوظ رہے سخن پروری نہ ہو اور اسلئے ضروری ہے کہ اہل مشورہ
اظہار رائے میں کسی وجہ سے متامل نہ ہوں اور سامعین بہ نیت نیک اسکو سنیں یعنی یہ خیال رہے کہ اگر دوسرے کی
بات سمجھ میں آجائیگی تو اگرچہ ہمارے مخالف ہی کیوں نہ ہو بدل و جان قبول کریں گے اور نیز اسی وجہ سے یہ
ضروری ہے کہ مہتمم امور مشورہ طلب میں اہل مشورہ سے ضرور مشورہ کیا کرے خواہ وہ لوگ ہوں جو ہمیشہ
مشیر مدرسہ رہتے ہیں یا کوئی وارد و صادر جو علم و عقل رکھتا ہو اور مدرسوں کا خیر اندیش ہو اور نیز
اسی وجہ سے ضروری ہے کہ اگر اتفاقاً کسی وجہ سے کسی اہل مشورہ سے مشورہ کی نوبت نہ آئی اور بقدر ضرورت

اہل شوریٰ معترض نہ ہوں جس سے مشورہ کیا گیا ہو تو پھر وہ شخص اس وجہ سے ناخوش نہ ہو کہ مجھ سے کیوں نہ پوچھا ہاں

اگر مہتمم نے کسی سے نہ پوچھا تو پھر اہل شورہ معترض ہو سکتا ہے

(۴) یہ بات بہت ضروری ہے کہ مدرسین مدرسہ باہم متفق المشرب ہوں اور مثل علماء روزگار

خود بین اور دوسروں کے درپے توہین نہ ہوں خدانخواستہ جب اسکی نوبت آئیگی تو پھر اس مدرسہ کی خیر نہیں

(۵) خواندگی مقررہ اس انداز سے جو پہلے تجویز ہو چکی ہے یا بعد میں کوئی اور انداز مشورہ سے تجویز ہو پوری

ہو جایا کرے ورنہ یہ مدرسہ اول تو خوب آباد نہ ہوگا اور اگر ہوگا تو بے فائدہ ہوگا

(۶) اس مدرسہ میں جب تک آمدنی کی کوئی سبیل یقینی نہیں جب تک یہ مدرسہ انشاء اللہ بشرط

توجہ الی اللہ اسی طرح چلیگا اور اگر کوئی آمدنی ایسی یقینی حاصل ہو گئی جیسے جاگیر یا کارخانہ

تجارۃ یا کسی امیر محکم القول کا وعدہ تو پھر یوں نظر آتا ہے کہ یہ خوف و رجا جو سرمایہ

رجوع الی اللہ ہے ہاتھ سے جاتا رہیگا اور امداد غیبی موقوف ہو جائیگا اور کارکنوں میں

باہم نزاع پیدا ہو جائیگا القصہ آمدنی اور تعمیر وغیرہ میں ایک نوع کی بے سروسامانی ملحوظ رہے

(۷) سرکار کی شرکت اور امراء کی شرکت بھی زیادہ مضر معلوم ہوتی ہے

(۸) تا مقدور ایسے لوگوں کا چندہ زیادہ موجب برکت معلوم ہوتا ہے جنکو اپنے چندہ سے

امید ناموری نہ ہو بالجملہ حسن نیت اہل چندہ زیادہ پائیداری کا سامان معلوم ہوتا ہے

تشریک مقصد [illegible]

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ کی ایک نہایت اہم کتاب

روح القرآن

مولانا عبدالسلام قدوائی ندوی

قرآن مجید کی سب سے پہلی سورۃ

سورۃ فاتحہ جسے قرآن مجید کا خلاصہ بھی کہا گیا ہے اور سورۃ البقرہ جو قرآن مجید کی سب سے بڑی سورۃ ہے اور جس کے بارے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ یہ قرآن مجید کا کوہان اور راس کی چوٹی ہے انہی دونوں اہم سورتوں کی تفسیر اس کتاب میں نہایت ہی دلنشین اور عالمانہ انداز میں پیش کی گئی ہے!

قیمت، تیس روپے

مطبوعات مکتبہ جامعہ لمیٹڈ

مذہب و تاریخ اسلام

فکر اسلامی کی تشکیل جدید مرتبہ (ضیاء الحسن فاروقی مشیر الحق) ۲۰/-
فقہ اسلامی اور دور جدید کے مسائل (مولانا مجیب اللہ ندوی) ۱۴/-
ائمۂ اربعہ (مولانا ابوالعرفان ندوی) ۲/۲۵
دنیائے اسلام سے پہلے اسلام کے بعد (مولانا عبدالسلام قدوائی) ۲/- مجلد ۲/۲۵
مسلمان اور وقت کے تقاضے (") ۸/-
عربوں میں تاریخ نگاری کا آغاز و ارتقاء (محمود الحسن) ۱۵/-
دین الٰہی اور اس کا پس منظر (محمد مہر خان شہاب مالیرکوٹلوی) ۴/-
اسلامی عقائد و مسائل مذہب (مولانا جمال الدین) ۶/-
کتاب و سنت کے جواہر پارے (") ۴/-
مسلمان اور سیکولر ہندوستان (ڈاکٹر مشیر الحق) ۷/-
مذہب اور جدید ذہن (") ۷/۵۰
امریکہ کے کالے مسلمان (") ۲/۵۰
عورت اور اسلامی تعلیم (مالک رام) ۹/۵۰
مسلمان اور عصری مسائل (ڈاکٹر عابد حسین) ۶/۵۰
تاریخ الامت اول مولانا اسلم جیراجپوری ۶/-
" " دوم " ۶/-
" " سوم " ۳/۷۵
" " چہارم " ۴/۲۵
" " پنجم " ۶/۷۵
" " ششم " ۴/۲۵
" " ہفتم " ۳/-
" " ہشتم " ۴/۲۵

مطبوعات مکتبہ جامعہ کی مکمل فہرست ایک کارڈ لکھ کر طلب فرمائیں

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ۔ جامعہ نگر۔ نئی دہلی ۱۱۰۰۲۵

Scanned by CamScanner

قصیدہ برحالات دارالعلوم دیوبند

جس کو حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن قدس سرہ العزیز نے ۲۰ صفر المظفر ۲۴ھ میں سنا کر حضارِ مجلس کو مضطرب و بے قرار بنا دیا تھا

ہیں محن اور محن دونوں جہاں میں توام — حکمتِ حق کا ہے دونوں میں نرالا عالم
رحمت و فضلِ خدا جب ہے غضب پر سابق — کیوں نہ پھر قہر کو اس کے کہیں ہم لطف و کرم
اس کی آغوشِ غضب میں ہیں ہزاروں رحمت — اس کے ہر لطف میں ہیں سیکڑوں الطاف و کرم
فضل سے اس کے کسی وقت نہ ہونا مایوس — خواہ پیش آئے مسرت تجھے، اور خواہ الم
رحمتِ حق کی ہے تمہید سمجھ او نادان — پیش دنیا میں جو کچھ آتا ہے اندوہ و الم
انقلاباتِ جہاں واعظِ رب ہیں سن لو — ہر تغیر سے صدا آتی ہے فافہم فافہم
فالحمد میری جان اور انا للہ — مرغِ ایمان کی ہیں بازوئیں دو مستحکم
دور اندیش وہی ہے کہ مصائب کے عوض — ہو کے خوش مرضیٔ مولا کی کرے بیعِ سَلَم
جزر و مدِ بحرِ حوادث کا بچشمِ حق بیں — طرّۂ شاہدِ تقدیر کا ہے پیچ و خم
گردشِ دہر دکھاتی ہے ہمیں آنکھوں سے — کُلَّ یَوْمٍ ھُوَ فِیْ شَان کا نقشہ ہر دم
کل کی ہے بات کہ تھی جہل کی گھنگھور گھٹا — جس طرف آنکھ اٹھاتے تھے محیطِ عالم
آبِ حیواں کی طرح علم ہوا تھا مخفی — ظلمتِ جہل سے مخلوق تھی اَعمیٰ و اَصَم
رحمتِ حق ہوئی حامی تو یکایک اٹھے — چند مردانِ خدا باندھ کے صف ٹھونک کے خم
یوسفِ علمِ شریعت کے خریدار بنے — جمع کر کے سرِ اخلاص سے معدود دِرَم
سلسلہ ڈالا فقیرانہ بنامِ ایزد — کُوڑہ[عہ] میں کہ جہاں بیٹھے ہیں اربابِ ہمم
شوق کہتا تھا بڑھو ضعف کہے تھا ٹھہرو — ناتوانوں کا تھا کیا کہئے عجب ضیق میں دم
اتنے میں دیکھتے سب کیا ہیں کہ اک مردِ خدا — آ رہا تیز روی سے ہے لئے ساتھ عَلَم
بے نیازی و توکل رخِ روشن سے نمود — قطعِ منزل کے لئے دونوں قدم تیغِ دو دم
کس بلا کی تھی نظر پڑتے ہی جس کی فی الفور — پڑ گئی جان میں جاں، آ ہی گیا دم میں دم
ناتوانوں کو ملا اس کی حمایت سے یہ زور — زینۂ بامِ ترقی پہ بڑھا سب کا قدم
تھی نرالی ہی کچھ اس مردِ صفا کی سج دھج — تھے عجائب ہی کچھ اس شیرِ خدا کے دم خم
آکر اس نے عَلَم ایک ندا کی ایسی — یک بیک چونک پڑے اہلِ مدد اہلِ خیم
اس کی آواز تھی یا بانگِ خلیل اللّٰہی — کہہ کے لبیک چلے اہلِ عرب اہلِ عجم

[عہ] مراد دیوبند

عقل و انصاف کا جس سر میں ذرا بھی تھا اثر — ذوق علمی کا تھا جس سینہ میں تھوڑا سا بھی دم
دین کا ذرہ بھی تھا قلب میں جس کے مودَعْ — خیر کا شمّہ بھی تھا جس کے مقدر میں رقم
باندھ کر چست کمر کہتے ہوئے نحنُ معک — جس جگہ اس یم رحمت کا پڑا نقش قدم
اس مربی دل و جاں کی مسیحائی سے — علم دین زندہ ہوا جہل نے لی راہِ عدم
ابر علم و عمل و فضل کا بادل برسا — جس جگہ اس یمِ رحمت کا پڑا نقش قدم
جہل کے جب سبھی کہنے لگے اِخْسَا اِخْسَا — چل دیا پاؤں دبے چپکے سے با بختِ دژم
علم کو لا کے ثریا سے ثریٰ پر رکھا — آنکھوں سے دیکھ لیا عَلَّمَ مَا لَمْ یَعْلَمْ
دولت علم سے سیراب کیا عالم کو — قاسم علم بھلا کیوں نہ ہو پھر اس کا عَلَم
اس کی آواز تھی بے شک قُم عیسیٰ کی صدا — جس کے صدقہ سے لیا علم نے دوبارہ جنم
طائرِ علم شریعت کے لئے یہ دِیْبَن — برکت حضرت قاسم سے ہے مامون حرم
سلسلے علم کے امصار و قریٰ تک جاری — اس کی ہمت سے ہوئے ہیں یہ ترا فیض اعم
جملہ اعیان و اکابر تھے جلو میں اس کی — اس کی شوکت کو پہنچتی تھی کہاں شوکت جم
یک بیک حکمت باری نے جو پلٹی کھائی — چل دئے چھوڑ کے یہاں سب کو سوئے باغ ارم
لوٹتے آگ پہ تھے حضرت یعقوب رفیع — خون آنکھوں سے بہاتے تھے رشید عالم
دیکھ کر حضرت امداد کی زاری کو ملک — پر سمیٹے ہوئے کہتے تھے الٰہی اِرْحَمْ
اہل علم اہل ورع خاص و عوام عالم — سب نے تقسیم کیا پر نہ ہوا کم یہ غم
فرق درجات کا قصہ تو جدا ہے لیکن — عام تھا عالم اجسام میں اس کا ماتم
متزلزل ہوئے سب مدرسہ کے رکن رکین — ہل گئے ہائے غضب سلسلہ خیر کے تھم
علم آتا تھا نظر ایک یتیم بے کس — اہل علم آہ تھے مایوس بچشم پُرنم
قاسم علم چلے علم بھی لو ساتھ چلا — کس کو تھا موگے کہو پکڑوگے کس کس کے قدم
ایک کا کرنا سفر دوسرے کا عزم سفر — جانِ عالم کے لئے دونوں تھے سوہان الم
ہوگیا سب کو یقیں باندھ لیا سب نے خیال — سلسلہ علم کا بس ہوگیا درہم برہم
اسی مایوسی و مجبوری و حیرانی میں — مجتمع ہو کے اکابر نے بچشم پرنم
حضرت مرشد عالم سے تمنا یہ کی — آپ اب اپنے تصرف میں لیں یہ کارِ اہم
غایتِ خلق سے فرمایا نکما ہوں میں — باقی ہر حال میں ہوں ساتھ تمہارے منضم
چند کلمے کہے نرمی سے تسلی آمیز — ہوگئے زخم رسیدوں کے جگر کو مرہم
ہائے وہ نیچی نظر ہائے وہ شیریں الفاظ — کس غضب کے تھے کہ سب دور ہوئی تلخی سم
آپ کی پاک توجہ سے ہوا سب کو سکوں — علم کے اکھڑے ہوئے جم گئے واللہ قدم
کام اس مدرسہ کا فضل و کرم سے اس کے — الغرض روبہ ترقی ہی رہا ہر ہر دم
مذہبی جتنے سلاسل تھے ہے سب جاری — کام کوئی نہ رکا سہل تھا وہ یا مبہم
بعد چندے ہوا پیر تمی قدرت کا ظہور — یعنی یعقوب و رفیع ہر دو وزیر اعظم

عہ مراد حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی

ہو کے مشتاقِ لقا پہنچے سب کے بعدِ دگر
خدمتِ قاسمِ خیرات میں شاد و خرم

دست و پا بھی لو چلے سر تو تھا پہلے ہی گیا
قلب بس باقی رہا یعنی رشید عالم

وہ بھی مجروح ستم دیدۂ ہجرِ احباب
جُرعہ نوشِ ستم و دُرد کشِ ساغرِ غم

اسی اندوہ و غم و یاس میں سبحان اللہ
رحمتِ حق ہوئی مبذول بحالِ عالم

بھر دیا قلبِ مقدس میں تمام عالم کا
درد و غم خیر و صلاح خوب ملا کر باہم

خاص کر ترکۂ قاسم کی محبت واللہ
بے طرح اس دلِ اقدس میں ہوئی مستحکم

سب کی اُلفت یہ تھی اس کی ہی محبت غالب
سب غموں پر جو تھا ممتاز یہی تھا وہ غم

پھر تو کیا تھا دی خدا نے وہ ترقی اس کو
دیکھ لیں آپ کہیں اپنی زباں سے کیا ہم

پوچھتے کیا ہو دماغوں کا ہمارے احوال
ہم غریبوں کا زمیں پر نہیں پڑتا تھا قدم

نہ رُکا پر نہ رکا پر نہ رکا پر نہ رکا
اس کا جو حکم تھا تھا سیفِ قضائے مبرم

نہ چلا کوئی فساد ایسا کہ پاؤں نہ کٹے
فتنہ نے سر نہ اٹھایا کہ ہوا ہو نہ قلم

کلفتیں جھیلیں سبھی پر نہ ہوا چیں بجبیں
دقتیں دیکھیں ٹلا اپنی جگہ سے نہ قدم

دشمن و دوست کے چہرے میں تفاوت ہے عیاں
سرسوں پھولی تھی وہاں اس نے ملا تھا عندم

سب مریضوں کے لئے ایک وہی تھا آثار
سیکڑوں زہر تھے تریاق تھا بس اس کا دم

قاسم و حضرتِ امداد کو مرنے نہ دیا
بلکہ زندہ ہی رکھا سب کو علیٰ وجہِ اَتم

مُردوں کو زندہ کیا زندوں کو مرنے نہ دیا
اس مسیحائی کو دیکھیں ذرا ابنِ مریم

ہائے غم ہائے ستم ہائے غضب ہائے الم
آج اس سے بھی ہوا دیکھ لو خالی عالم

آگے کہنے کی ہے کچھ بات نہ سننے کی تاب
لب تلک آتا ہے لیکن یہ مقولہ پیہم

رحم بر بیکسم اے ہیچ نکردی رفتی
ایکہ کفش کفِ پائے تو بود تاجِ سرم

آج تو قاسم و امداد سبھی مرتے ہیں
اس کا کیا ذکر ہے برباد ہوئے تم یا ہم

منتظر بیٹھے ہیں اب ہم پہ گزرتا کیا ہے
قہر کا خوف ہے پر ساتھ ہے امید کرم

تو رحیم و ملک دبار ہے سَلِّم سَلِّم
ہم جہول اور زیاں کار ہیں اِرْحَم اِرْحَم

اے اسیرانِ غمِ قاسم خیر و برکات
دے فقیرانِ سرِ کوئے رشیدِ جانم

پیروی کرتے رہو سبھی کو ہاتھوں سے نہ دو
بدمے یا درمے یا قدمے یا بقلم

بے نمک ہیں مرے اشعار مگر تلخ نہیں
خالی از درد نہیں گرچہ ہیں لشتم پشتم

رحمانی قرآن مجید مترجم محشی (ہندی)
ترجمہ۔ حضرت مولانا فتح محمد صاحب جالندھری
ایک طرف نہایت ہی جلی عربی متن۔ دوسری طرف سلیس با محاورہ ہندی ترجمہ اور اختصار تفسیر موضح القرآن حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب محدث دہلوی۔ ہر آیت کے شروع میں شان نزول درج ہے۔ اس قسم کا ہندی ترجمہ قرآن مجید ہندوستان میں اب تک نہیں چھپا۔ بہترین کاغذ، اعلیٰ چھپائی۔ ہدیہ مجلد ریگزین /۴۵ روپے بمعہ محصولڈاک
پیغمبر اسلام ؐ یعنے سیرت رسول ؐ (ہندی)
حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی مکمل اور جامع سوانح حیات۔ نہایت ہی سلیس ہندی زبان میں شائع کی گئی ہے۔ مجلد ریگزین /۱۵ روپے بمعہ محصول ڈاک
تبلیغی نصاب ہندی مکمل
جس میں مندرجہ ذیل سات کتب ہیں۔ حکایات صحابہ، فضائل نماز، فضائل تبلیغ، فضائل ذکر، فضائل قرآن، فضائل درود شریف۔ بہترین کاغذ و چھپائی۔ ہدیہ مجلد ریگزین /۳۵ روپے بمعہ محصول ڈاک
ہماری اصلی بہشتی زیور مکمل ہندی گیارہ حصے
حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ۔ جس میں گیارہ حصے۔ نہایت سلیس ہندی میں ترجمہ ہے۔ کاغذ بہترین اعلیٰ چھپائی۔ ہدیہ مجلد ریگزین۔ /۳۵ روپے بمعہ محصول ڈاک
مرنے کے بعد کیا ہوگا؟ (ہندی)
مولانا محمد عاشق الٰہی بلند شہری کی مشہور و معروف کتاب جو کہ نہایت ہی سلیس ہندی میں ترجمہ کی گئی ہے اس میں چار
برزخ، حالات جہنم، میدان حشر اور خدا کی جنت شامل ہیں۔ ہدیہ مجلد ریگزین /۱۵ روپے بمعہ محصول ڈاک
آرڈر کے ہمراہ دس روپے پیشگی آنا ضروری ہے
فون نمبر
۲۶۵۳۸۵
ملنے کا پتہ: مدینہ بکڈپو، اردو بازار جامع مسجد دہلی ۶

جشنِ صد سالہ
دارالعلوم دیوبند
کی عظیم خدمات کا ایک مثالی مظہر ہے، اس
مبارک موقع پر ہماری نیک خواہشات دارالعلوم کیساتھ ہیں
حاجی محمد فاروق
حاجی محمد اسمٰعیل اینڈ سنز
فنکارانہ بنارسی ساڑیوں، آرگنجہ اور پرنٹڈ
ساڑیوں کے صنعتکار و تاجران
بی ۲۸/۲۰ پانڈے حویلی — مدن پورہ — وارانسی
فون — 63383

تحسین دارالعلوم دیوبند

(حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہٗ)

کارپردازانِ القاسم کی بڑی ہی سعادت ہے کہ القاسم کے سرپرست اعلیٰ حضرت حکیم الامت مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب مدظلہ العالی القاسم کا خصوصیت سے خیال فرماتے ہیں۔ جب خدام نے یہ استدعا پیش کی کہ دارالعلوم نمبر کے لئے حضرت اقدس چاہے مختصر ہی مضمون عطا فرمائیں لیکن بطور تبرک ضرور شرکت فرمائیں تو حضرت اقدس نے بہت ہی جلد اپنے مضمون گہربار سے خدام کی عزت افزائی فرمائی۔ ہمارے پاس کیا ہے کہ ہم اس سے اس احسان کا معاوضہ پیش کریں۔ بجز اس کے کہ خلاقِ عالم کی درگاہ میں یہ دعا کریں کہ وہ ہماری جماعت کے سرتاج و سرخیل کارواں کی عمر اور مدارج میں ترقی عطا فرمائے اور ہمارے لئے اس سایۂ رحمت کو تا دیر مسندِ ارشاد پر قائم رکھتے ہوئے زندہ و سلامت رکھے آمین۔ (نائب المدیر)

بعد الحمد والصلوٰۃ یہ تحریر محترم نائب مدیر القاسم کی ایک فرمائش کا امتثال ہے جس میں ظاہر کیا گیا ہے کہ القاسم کا ایک خصوصی نمبر شائع کرنے کا ارادہ ہے اور یہ کہ میرا مقصود اس نمبر کے شائع کرنے سے محض دارالعلوم کی چونسٹھ سالہ خدمات اور اس کے اکابر و بانیان کی اسوۂ حسنہ کا قوم کے سامنے پیش کرنا ہے۔ نہایت امید و توقع کے ساتھ یہ عریضہ ارسال کر رہا ہے کہ چند صفحوں کا مضمون ضرور ارسال فرمائیں گے۔ اھ ملخصاً

چونکہ میرے پاس نہ خارج میں نہ ذہن میں اس کا کافی مادہ موجود تھا اور جو کچھ تھا بھی وہ بوجہ استغفار باہل المشاہدہ کے مستحضر نہ ہوتا تھا۔ اس لئے اس فرمائش کے امتثال کی کوئی صورت میرے خیال میں نہ آئی۔ قریب تھا کہ عذر کر کے سبک دوش ہو جاؤں کہ یکایک شان وھو الذی ینزل الغیث من بعد ما قنطوا کا ظہور ہوا اور بے ساختہ قلب میں وارد ہوا کہ فرمائش کے دو جزو ہیں (۱) ذکر خدمات دارالعلوم (۲) ذکر اکابر دارالعلوم۔ اگر ذہن جزو اول کو محیط نہیں تو جزو ثانی سے محاط تو ہے اور گو محاط کو محیط کا ادراک تام نہیں ہوتا لیکن شرکت کی برکت حاصل کرنے کے لئے ادراک غیر تام بھی کافی ہے کما قال العارف الرومی رحمہ اللہ؎

قدر تو بگذشت از درکِ عقول — عقل در شرحِ شما شد بوالفضول
گرچہ عاجز آمد ایں عقل از بیاں — عاجزانہ جنبشے باید در آں
ان شیئاً کلہ لا یدرک — اعلموا ان کلہ لا یترک

گرچہ نتواں خورد طوفان سحاب | کے تواں کردن تبرک خوردِ آب
آب دریا را اگر نتواں کشید | ہم بقدر تشنگی باید چشید
آب جیحوں را اگر نتواں کشید | ہم زقدر تشنگی نتواں برید

دور از رنگ تمام اس جزو کا تفصیل تھی اسوۂ حسنہ کی اور ادراک غیر تام اظہار ہے محض فہرست کا اس لئے صرف اس جزو ثانی کے درجہ اجمال پر اکتفا کیا گیا۔ نیز بنا برقاعدہ عقلیہ ثبوت الشیٔ للشیٔ فرع ثبوت المثبت لہ جزو اول فرع ہے جزو ثانی کی۔ پھر جزو ثانی میں بھی دور اول اصل اساس ہے دور مابعد کی۔ اس لئے اس مقام پر صرف دور اول کے حضرات اکابر کی مختصر فہرست کو اختیار کیا گیا اور چونکہ اقتباساً من حدیث اصحابی کالنجوم یہ حضرات بمنزلہ نجوم اور ان کے فیوض بمنزلہ انوار نجوم کے ہیں۔ اس لئے نجوم کے خاص اس وصف وارد فی النص ولقد زینا السماء الدنیا بمصابیح کے اعتبار سے اس کراسہ کا لقب "تحسین دارالعلوم بتزیین انوار النجوم (باضافۃ التزیین الی الفاعل) تجویز کیا گیا۔ اور نجوم کے دوسرے اوصاف وارد کی النصوص وجعلناها رجوما للشیاطین وھو الذی جعل لکم النجوم لتھتدوا بھا فی ظلمات البر والبحر کے اعتبار سے مع الحاق کراسہ ہذا بنظیرہ السابق الملقب بتحصین دارالعلوم من تسخین نار السموم مکمل لقب اس کا یہ قرار دیا گیا۔ تحسین دارالعلوم بتزیین انوار النجوم من الذین ھم للطغاۃ رماۃ ورجوم۔ وللبغاۃ ھداۃ فی اللیالی الحسوم۔ ضمیمۃ تحصین دارالعلوم من تسخین نار السموم۔ اب وقت ہے کہ اس فہرست کو پیش کروں اور چونکہ اس مضمون کی ترتیب کے وقت مجھ کو یاد آگیا کہ اپنے زمانہ طالب علمی میں جو کہ مبارک عہد تھا اس دور اول کا اپنے رسالہ زیر وبم میں کہ اسی زمانہ کا لکھا ہوا ہے جب کہ میری عمر اٹھارہ سال کی تھی۔ میں ایک مضمون کی تبعیت میں اس فہرست کو قید نظم میں لاچکا ہوں۔ مناسب اور سہل معلوم ہوا کہ اسی نظم کو یہاں نقل کر دوں اور گو اس نظم میں تبعاً بعض دوسرے خدام مدرسہ کا بھی ذکر ہے اور نیز مقصوداً دوسرے معاصر اکابر کا بھی جن میں بعض اسی سلسلے کے ہیں اور بعض دوسرے سلسلے کے اور خصوصیت موضوع اس کو مقتضی تھی کہ تلخیص کے بعد وہ نظم نقل کی جاتی مگر چونکہ اس دور کا پورا نقشہ یعنی مدرسہ کا بھی اور ماحول کا بھی دکھلانا بوجہ اس کے کہ جذبات مقصودہ کا محرک تھا نیز منجملہ مقاصد ہے اس لئے اس نظم کو بلا تلخیص بعینہٖ مع مضمون متبوع و مع حواشی نقل کر دینا اسی زیادہ انفع معلوم ہوا۔ چنانچہ ذیل میں نقل کرتا ہوں اور اس وقت اس سے زیادہ پر اپنے کو قادر نہیں پاتا ولعل اللہ یحدث بعد ذالک امرا۔

الابیات الموعودۃ من مثنوی زیر وبم وھی تسعون بیتا

اے بسا عقل بہ نزدیک خدا | مردماں دانند بس احمق ورا
عقلِ دنیا را ہمی گویند عقل | برخلاف مقتضائے عقل ونقل
عقل گفتن عقل جزوی را خطا | عقل کلی عقل دین ست اے فتا
عقل کلی را بگفتہ مصطفٰے | عقل اول ما خلق ربّ العلیٰ
عقل کلی از صفات انبیاء | عقل کلی مے رساند تا خدا

لہ اہم مسودہ کی حالت میں ہے ۱۲ ؎ الطالبین للحق من حدیث یا باغی الخیر اقبل ۱۲ ؎ فی القاموس اللیالی الحسوم التی تحسم الخیر من اھلھا ۱۲ منہ ؎ اشارۃ الی احتمال ضبط ما یتفق احیاناً من سرد بعض من حکایات ھؤلاء الاکابر فی غیرھم فکانت المدرسۃ بعد ھذا الذکر الواقع او المتوقع کشجرۃ طیبۃ والمذکورون منھا بھذا النھج کاصلھا الثابت وما لم یذکر ویرجی ذکرہ من غیرہ کفرعھا فی السماء وما یفید کلا الذکرین کاکلھا ای ثمارھا التی تؤتیھا کل حین باذن ربھا وھذا الامثال کما یضرب اللہ من الامثال لعلھم یتذکرون ۱۲ منہ ؎ در حدیث است اول ما خلق اللہ العقل اے پیشتریں ہر چہ کہ آفرید خدا وندگار خرد است ۱۲ منہ مدظلہ

منبع فیض و عطا بود آنجناب — بود جاری فیض او چوں آفتاب
بود عابد متقی و پارسا — معدن جود و سخا کان عطا
صد ہزاراں اند شاگرداں او — بامروت بود و باخلق نکو
آئے کجا رفت آں مدار اہتدا — آں محمد قاسم[1] مولائے ما
آیتے بودہ ز آیات خدا — منبع جود و سخا کان عطا
بود در اخلاص نیکو بے سہیم — سابق الاقراں بالخلق العظیم
منبع علم لدنی بود آں — وقت تقریرش بدے گوہرفشاں
حامی اسلام و دین احمدی[2] — رد کن جملہ ہنود و پادری
مرشد موصل برائے طالباں — ہادی کامل برائے گمرہاں
داشت صرف علم دیں ہمت بلند — مدرسہ کردہ بنا در دیوبند[3]
مہتمم جملہ مدرس بے نظیر — فیض شاں لامع چوں خورشید منیر
آنکہ سازد مدرسہ را اہتمام — ہست مولانا رفیع الدین بنام
عقل کامل دارد و رائے صواب — عقل اول ہست شاگرد جناب
خلق چوں خلق عظیم انبیا — طالب راہ خدا را پیشوا
رہنمائے غادیاں و گمرہاں — ہادی راہ خدائے مستعاں
ہم شریک مشورہ اے نور عین — ہست حضرت حاجی عابد حسین
عامل کامل ولی مرد خدا — پائے او بر پائے فخر انبیاء
ہم جمالی ہم جلالی شان وے — کان علم و مخزن خلق نکو
نقش و تعویذش مثال نقش قدر[4] — فیض او بر خاص و عامی مثل بدر
شش مدرس ہست اندر مدرسہ — ہر یکے استاد کامل آمدہ
مولوی یعقوب[5] صاحب اولیں — عالم جملہ فن دنیا و دیں
ہم بہ علم باطنی دارد کمال — ہست مقبول خدائے ذوالجلال
مرشد کامل ولی بے بدل — عابد و زاہد نقی و بے خلل
اوست بحر کامل و استاد کل — اوست جز اکمل استاد اجل
دیگر آں سالک شرع نبی — مولوی رشید احمد دہلوی

---

[1] وطن حضرت قصبہ نانوتہ است بفتح ہر دو نون در ضلع سہارنپور قیام بہ دیوبند بودہ مزار شریف ہم دراں است مادہ تاریخ وفات "فرد فخر علما بآہ ائے شہ" ۱۲۹۷ھ ۱۲ منہ [2] سبقت بردہ بود بر معصراں خود در خلق بزرگ ۱۲ منہ [3] دیوبند قصبہ ایست در ضلع سہارنپور آنجا مدرسہ ایست عمدہ۔ تعمیر مدرسہ قابل دید است جناب مولانا استاذنا مولوی محمد یعقوب صاحب تاریخ تکمیل شریف عمارات یافتہ اند ۱۲ منہ [4] وقت نظم کتاب ہذا بقید حیات بودند ۱۲ منہ [5] بالفتح والتحریک اندازہ و حکم خدا ۱۲ منہ [6] عامی مداصل بہ تشدید میم است منسوب بہ عامہ فارسیان حرف مشدد را اکثر مخفف کنند ۱۲ منہ [7] وقت نظم ایں کتاب دریں طرف تشریف مے داشتند ۱۲ منہ [8] وقت تصنیف ایں کتاب زندہ بودند ۱۲ منہ

وصف ذہن او اگر سازم رقم — ختم بنود بشکند صدہا قلم

خاتم معقول و علم فلسفہ — ہم ریاضی[1] و علوم مشکلہ

پارسا و متقی ، کم گو ، حلیم — ہم سخی و ہم جواد و ہم کریم

(مولانا محمود صاحب)

سومی آں متقی نامور — مولوی محمود[2] صاحب خوش سیر

در حدیث و فقہ و تفسیر و اصول — شہرتے کامل بدارد نہ خمول

علمی و لوذعی دریائے علم — منبع خلق و تواضع کانِ حلم

بہر زبانش ہست مضمون کتاب — ہست تقریرش جو بارندہ سحاب

(مولانا محمود حسن صاحب دیوبندی)

چارمیں آں صاحب ذہن و ذکا — شیخ محمود حسن مولائے ما

ذہن کامل وارد و فکر سلیم — فطرت عالی و طبع مستقیم

عالم معقول و منقول ست آں — نزد اہلِ فضل مقبول ست آں

فہم ثاقب دارد و عقل رسا — متقی و صالح است و پارسا

پنجمیں استاد درس فارسی — مولوی منفعت صاحب تقی

آں ششم از بہر قرآں مجید — یعنی حافظ نام دارخاں سعید

ہست یک منشی ایماں را امام — مرد دیں منشی سراج الحق[3] بنام

یا خدا ایں مدرسہ قائم بدار — فیض اوجاری شود لیل و نہار

فیض عام مدرسہ تا دائم ست — وان ز مولانا محمد قاسم ست

چونکہ مولانا ازیں دارالفنا — کرد رحلت سوئے آں دارالبقا

مدرسہ را شد مربی سرپرست — آں کہ نور فیض او ہمچوں خور ست

یعنی مولانا رشید احمد ولی — آنکہ ہند ست از فیوضش ممتلی

متقی و حافظ و سیر الکلام — مرشد کامل ولی دیں را امام

ہم محدث ہم فقیہ و ہم وجیہ — صوفی و صافی مفسر ہم نبیہ

ہم خلیفہ خاص آں کامل ولی — حاجی امداد اللہ[4] سھتا نوی

آنکہ فیضش ہست مثلِ آفتاب — گر نہ بینی ہست برقلبت حجاب

سرگروہ اولیاء کاملیں — اعظم الاقطاب کہف العارفیں

چوں ہوس کردم کہ مدح و کنم — قول جامی کرد جان را روشنم

---

[1] اگرچہ ریاضی ہم از اقسام علم فلسفہ است لیکن وجہ تخصیص اینکہ جناب مولانا بالخصوص در فن ریاضیہ ید طولیٰ می داشتند و بکمال مہارت درین فنون مشہور و معروف ۱۲ [2] ہنگام تصنیف این کتاب زندہ بودند ۱۲ منہ مدظلہ [3] ہر دو وقت تصنیف کتاب زندہ بودند ۱۲ منہ مدظلہ [4] حضرت حاجی صاحب قدس سرہٗ اصل شان از قصبۂ تھانہ بھون ست بایام غدر بعزم ہجرت بمکہ معظمہ تشریف بردند و از فیض خویش ہمہ عالمیان را از ناف زمین بہ اقطار عالم سیراب مے نمودند تا اینکہ ہمیں سال در سیزدہم ماہ جمادی الثانی ۱۳۱۷ھ وقت اذان صبح بالحق کتی شدند رضی اللہ عنہ قدس سرہٗ۔ مزار شریف بہ جنت المعلی است بجنب جناب مولانا رحمت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ قریب نماز ظہر مدفون شدند انا للہ وانا الیہ راجعون ۱۲ منہ

آں کہ چوں در مدحش اندیشد خیال ۔۔۔ ناطقہ حیراں بماند نطق لال

کے میسر گردد ایں سر شگرف ۔۔۔ جلوہ دادن در لباس صوت و حرف

ہیچ بہ ازاں نیست کیں امر خطیر ۔۔۔ واگذارم ہم بآں صافی ضمیر

تا کند از فضل احسان و کرم ۔۔۔ مدح خود ہم در عرب ہم در عجم

مدح خورشید ار نہ گوید ہوشمند ۔۔۔ فیض نور او بود مدحش بسند

در بمدح مشک نکشاید نفس ۔۔۔ مشک را اوصاف بوئے مشک بس

چوں بمدح کس ندارد افتقار ۔۔۔ بر دعا اولی نمایم اختصار

باد دائم باغذائے مستعان

سایہ افگن بر رؤس طالبان

اب اس مضمون کو ایک عظیم اور مقدس بشارت و علامت مقبولیت مدرسہ پر ختم کرتا ہوں اور وہ بشارت حضرت سیدی و مرشدی الحاج الحافظ الشاہ محمد امداد اللہ صاحب قدس سرہ کا ایک ملفوظ ہے جو مجموعہ مکتوبات کے مکتوب ہیجدہم بنام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہما کا ایک جزو ہے جو ابتدار مدرسہ کے وقت صادر ہوا ہے، ملفوظ از اجرار مدرسہ علم دین بسعی آں عزیزاں و عزیزم حافظ عابد حسین صاحب چہ خوشی ہا دمود کہ بہ بیان نمے آید۔ خدا تعالیٰ ایں امر را مدام جاری دارد و ساعیان و باعثان ایں را جزائے خیر دہاد اھ

اس دعا کے بعد حسب ارشاد عارف رومی ؎

تو چنیں خواہی خدا خواہد چنیں ۔۔۔ مے دہد حق آرزوئے متقیں

اللہ تعالیٰ سے غالب امید ہے کہ مدرسہ دار العلوم انشاء اللہ تعالیٰ ہمیشہ ہمیشہ مہبط رجال و محط رحال اور ہر طالب مشتاق وہاں پہنچ کر سکرد سرمستی[1] سے مترنم بدیں حال و قال رہے گا ؎

آزمودم صد ہزاراں بار بیش ۔۔۔ بے تو شیریں می نہ بینم کار خویش

غنی لی یا منیتی لحن النشور ۔۔۔ ابرکی یا ناقتی تم السرور

ابلعی یا ارض دمعی قد کفی ۔۔۔ اشربی یا نفس وردا قد صفا

عدت یا عیدی الینا مرحبا ۔۔۔ نعم ما روحت یا ریح الصبا

مسکن یار ست و شہر شاہ من ۔۔۔ پیش عاشق ایں بود حب الوطن

جانش خنداں شد ازاں روضۂ جمال ۔۔۔ از نسیم یوسف مصر خیال

قلت یا حادی انخ لی ناقتی ۔۔۔ جاء اسعادی و طارت فاقتی

ابرکی یا ناقتی طاب الامور ۔۔۔ ان دیبن[2] ذا مناجات الصدور

اسرحی یا ناقتی حول الریاض ۔۔۔ ان دیبن ذا لنا نعم المغاض

ساربانان بار بکشا ز اشتراں ۔۔۔ شہر دیبن ہست و کوی گلستاں

اللّٰہم اجعل دار العلوم دائمۃ قائمۃ و فیوضہا و برکاتہا نامیۃ عامۃ۔ ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد و لنختم الکلام علی آمین و صلی اللہ تعالیٰ علی النبی الامین۔ ابد الابدین و دھر الداھرین ۔۔۔ کتبہ اشرف علی عفی عنہ قریبا من آخر سنۃ ۱۳۲۶

---

[1] انشاء اللہ عنقریب طبع ہونے والا ہے [2] ہذہ عشرۃ اشعار من المقامین و فی کل منہما لطیفۃ من کون الطرفین فارسیا و الثلثۃ المتوسطۃ عربیا ۱۲ [3] دیبن مخفف من دیوبند لضرورۃ الوزن و ہو جار علی الالسنۃ بکثرۃ و کان فی الاصل ان تبریز و تبریز ست فبدلۃ لخصوصیۃ المقام و حذفت کلمۃ ذا و حرف الہاء فی اول ست لاستقامۃ الوزن ۱۲ منہ

دارالعلوم اور اس کی حقیقت

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ سابق شیخ الحدیث دارالعلوم جانشین شیخ الہندؒ

ذیل میں ہم اس گرانقدر مضمون کو درج کرنے والے ہیں جو حضرت مولانا حسین احمد صاحب کی وسیع معلومات کے سمندر کا ایک قطرہ ہے۔ ہمیں سخت افسوس ہے کہ ہم اس مضمون کو پورا شائع نہیں کر رہے ہیں کیونکہ یہ ہم کو ان ایام میں حاصل ہوا ہے جبکہ دارالعلوم نمبر کی تیاری میں بہت کم وقت و صفحات باقی رہ گئے تھے۔ انشاء اللہ اس کی تلافی اس طرح کرنے کا خیال ہے کہ آئندہ اشاعت میں کل مضمون کو یک بارگی شائع کیا جائے گا۔　　　(نائب المدیر)

تاریخ اسلام کی ورق گردانی کرنے والے حضرات بخوبی جانتے ہیں کہ آفتاب اسلام کی شعاعیں ظلمت کدہ ہندوستان پر پہلی ہی صدی ہجری سے پرتو افگن تدریجاً اس طرح ترقی پذیر ہوتی رہیں کہ تھوڑے ہی عرصہ میں ہر قسم کی مادی اور معنوی شوکت نے ہندوستان کو اپنا گھر بنا لیا۔ اور ظاہری باطنی دونوں قسم کے فیوض سے باشندگان کو مالا مال بنانے میں روز افزوں قدم بڑھاتی رہیں یہاں تک کہ زمانہ سلاطین مغلیہ میں یہ آفتاب اپنی چمک اور دمک کے ساتھ انتہائی عروج پر پہنچا اور نہ صرف سیاسی حیثیت سے بلکہ علمی اور عملی اقتصادی اور مذہبی تجارتی اور صنعتی مالی اور اخلاقی روحانی اور جسمانی وغیرہ وغیرہ حیثیات سے بھی ربع مسکون میں عدیم النظیر بن گیا اسی زمانہ میں اگر ہمایوں اور اکبر، شاہجہاں اور عالمگیر جیسے اولوالعزم بادشاہ نظر آتے ہیں، تو خواجہ باقی باللہؒ، حضرت مجدد

الف ثانی، خواجہ محمد معصوم، سید احمد بنوری، حضرت خواجہ نظام الدین
بلخی، شاہ ابوسعید گنگوہی، شیخ محب اللہ الہ آبادی وغیرہ جیسے اصفیا اور اہل
باطن اور حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی، شیخ علی متقی صاحب کنزالعمال
مولانا محمد طاہر نہروالی صاحب مجمع البحار، علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی، علامہ
سید زاہد ہروی، علامہ محب اللہ بہاری، ملا محمود جونپوری وغیرہ جیسے
علما سینکڑوں کی تعداد میں ملتے ہیں رحمہم اللہ تعالیٰ۔ ان اکابر صوفیا
اور ان کے خلفا و مریدین نے جس طرح اس زمانہ میں اپنی باطنی
روشنی سے ہندوستان کے کوچہ کوچہ کو جگمگایا تھا اسی طرح ان علمائے
ظاہر اور ان کے اقران تلامذہ کے فیوض اور تعلیم نے علوم اسلامیہ کی
تیز اور تند شعاعیں کو بکو ہندوستان میں پھیلا دی تھیں۔

لاکھوں کی تعداد میں مدارس اور خانقاہیں بنی ہوئی
تھیں علم کا چاروں طرف چرچا تھا، روحانیت کا تسلط تھا۔ ہر
طرف امن وامان کا دور دورہ تھا۔ اسلامی حکومت کی قوت اور
سطوت اس قدر زور آور تھی کہ مورخین یورپ آج تک اقرار کر رہے
ہیں کہ اس زمانہ کی حکومت ہندیہ اگر چاہتی تو تمام یورپ کو
زیروزبر کر دیتی۔

کپتان الکزنڈر ہملٹن اپنے سفرنامہ میں کہتا ہے کہ فقط شہر
ٹھٹھہ میں جو کہ دارالسلطنت سے تقریباً ہزار میل سے زیادہ دوری
رکھتا تھا، چار سو کالج مختلف فنون اور علوم کے موجود تھے، حالانکہ
آج تمام ملک ہندوستان میں ڈھائی سو کی تعداد میں بھی کالج نہیں
ہیں۔ تجارت کی وہ ترقی تھی کہ باوجود سہولت نقل وحرکت اور
باوجود ہر قسم کے دخانی اور برقی آلات کے حسب اقرار اہل یورپ
آج تک ہندوستان اس درجہ تک نہیں پہنچ سکا۔ ہر صوبہ اور ہر
شہر میں تعلیم وتدریس کے مراکز کی بے انتہا کثرت تھی، دستکاری
کا بازار گرم تھا۔ رعایا نہایت خوشحال تھی۔ سونے اور چاندی
کے دریا بہتے تھے وغیرہ وغیرہ۔

فلک دوار کی آنکھ بدلی اور اہل ہند خصوصاً مسلمانوں کی
خوشحالی پر اس کی ترچھی نظر پڑی، ادبار کی آندھیوں اور بدبختی کی
گھٹاؤں کو مسلط کیا۔ یورپ کے سپید بھیڑیوں کو اسلام کی بھیڑیں
کے پھاڑنے کے لئے تجارت کے بہانے سے ہندوستان میں لا ڈالا
ان کی خود غرضیوں اور رقابت اور جوع المال اور جوع الارض کی
پالیسی نے وہ ادھم مچائی کہ اورنگ زیب مرحوم کے انتقال ہی سے
روز افزوں کسوف نے اسلامی آفتاب کی روشنیوں کو ماند کرنا شروع
کر دیا تھا۔

اپنی اغراض کے لئے سیاست کے ساتھ ساتھ مذہبیت
علم ظاہر اور باطن تجارت اور دستکاری خوشحالی اور تمول شرقی
اخلاقی اور غیرت امن اور رفاہیت ومنصب کے سب رخصت
کر دیئے گئے۔ آہستہ آہستہ ۱۸۵۷ء میں وہ نوبت آپہونچی کہ
ہندوستان ہر حیثیت سے نہ صرف چٹیل میدان تھا بلکہ ایک
خار دار جنگل دکھائی دینے لگا۔

اغیار کے تسلط اور ان کی مردم کش پالیسی کا جال تو ہر
طرف بچھ ہی گیا تھا مگر مغربی الحاد اور یورپین دہریت کی تیز و
تند باد صرصر بھی ہر طرف چلتی دکھائی دینے لگی تھی۔ مذہبی تقیدات
سے تنفر اور روحانی معارج سے اجنبیت نے ہر طرف اپنا پنجہ
آزاد خیالی کے جادو اور مادیت پرستی کے عشق نے دلوں اور
دماغوں کو مسخر کر لیا، کم وبیش چاروں طرف بے دینی کی آندھی چلنے
لگی، طوائف الملوکی اور ڈیڑھ صدی کی بے امنی نے جس جہالت
کی تاریکی کو پھیلایا تھا اس نے کریلا اور نیم چڑھا کا کام دیا، کہیں سے
الحاد اور زندقہ کے بگولے اٹھے تو کہیں سے نیچریت اور عیسائیت
کی زہریلی گیس نمودار ہوئی، کہیں سے عدم تقلید کی وبائیں پھیلیں
تو کہیں سے بدعت وشرک کی پلیگ رونما ہوئی، کہیں سے
مذہب کے خلاف علم کیا گیا تو کہیں سے اختراعات مذہبیہ
کی نئی نئی رنگین جھنڈیاں دکھائی گئیں، کہیں سے علم باطن کے
خلاف آوازے کسے گئے، تو کہیں سے شریعت اور علم ظاہری
پر گولہ اندازی کی گئی، کہیں سے اندرونی فتنے اسلامی قلعوں کو
کھودنے لگے تو کہیں سے بیرونی دشمنوں نے دھواں دھار
آتشبازی کی، غرض کہ مغربی تسلط نے نہ صرف اسلامی سیاست
ہند کو زیروبالا کیا بلکہ اس کی زہریلی روحانی گیس نے اس سے بھی
زیادہ قتل وقتال کا بازار گرم کیا۔

اس روز افزوں فتنہ نے اہل اللہ کے چھکے چھڑا دیئے ہوش
وحواس باختہ کر دیئے۔ ان کو صاف دکھائی دینے لگا کہ اگر اس وقت
تھوڑی سی بھی غفلت برتی گئی تو حکومت اسلامیہ کی طرح مذہب اسلام

اور صحیح عقیدہ اور عمل بھی بہت جلد ہندوستان سے رخصت ہو جائیگا اس لئے اپنی کوششوں سے اور صرف اپنی کوششوں سے ایک ایسی آزاد درسگاہ قائم کرنی چاہیئے جو کہ مسلمانوں کی مذہبی صحیح اور واقعی رہنمائی کرتی ہوئی لوگوں کے لئے نمونہ بنے ملک ہندوستان میں مذہب اہل سنت الجماعۃ کی حسب طریقہ اسلاف کرام حمایۃ ہو اس کا تعلق علوم والسنۃ مغربیہ اور فنون اجنبیہ سے نہ ہو وہ مسلمانوں میں اخلاص اور تواضع کی اسپرٹ اور اخلاق نبویہ کی شراب طہور پیدا کرے۔ وہ باطنی اخلاص اور روحانی تزکیہ کی اسی طرح ممد و معاون ہو جس طرح وہ علم شریعت اور دینی فنون کی علم بردار رہے۔ وہ نہ صرف ظاہری الفاظ اور ظاہری معانی پر ورک کر قشر بلا لب کا جامہ پہنائے اور زاہد خشک بنائے بلکہ حقائق اور حکم تفقہ اور تدقیق کی طرف بھی رہنمائی کرے۔ وہ فلسفہ قدیمہ یونان اور منطق قدیم کی بے معنی دلدل میں بھی نہ پھنسائے۔ اور نہ اہل ظاہر کے میدان تیہ میں سرگرداں کرے۔ وہ اگر ایک طرف بخاری اور ترمذی کی روحانیت پیدا کرے تو دوسری طرف ابوحنیفہ اور شافعی کی بھی نورانیت کی ذمہ دار ہو۔ وہ اگر ایک طرف اشعری اور ماتریدی کی تحقیقات کا ہمسکا نمونہ کرے تو دوسری طرف جنید بغدادی اور سری سقطی کی گھٹی پلا دے۔ وہ نہ صرف اتباع شریعت کا ذوق و شوق پیدا کرے بلکہ سنت نبویہ اور طریقت باطنیہ کا بھی دالہ اور فریفتہ بنادے۔ وہ اگر ایک طرف اسلام کی اندرونی محافظت کا ملکہ پیدا کرے تو دوسری طرف مخالفین اسلام کے بیرونی حملوں سے بچانے کی قوت کی بھی کفیل ہو۔ وہ ایک طرف اگر مخالفین اسلام کے حملوں کی مدافعت تقریری قوت کی ذمہ دار ہو تو دوسری طرف تحریری سحر بیانی بھی اس کی ساحرانہ طاقت کی بھی تدریس دے۔ اس میں اگر ایک طرف قال ابوحنیفہ اور قال سیبویہ اور قال ابن سینا کی آواز آئے تو دوسری طرف قال اللہ وقال الرسول علیہ السلام کی صدا بلند ہو۔

حضرت قطب عالم مولانا الحاج امداد اللہ صاحب کی قدس اللہ سرہ العزیز فرماتے ہیں کہ ۱۸۵۷ء کے بعد خیال تھا کہ ایک مذہبی کا مرکز ہند اسلامی دارالعلوم قائم ہوگا۔ مگر یہ نہیں معلوم تھا کہ یہ نعمت بے بہا اہل دیوبند کی قسمت میں تھی الغرض تقادیر الٰہیہ کے تصرفات اور اہل اللہ کی ہمتوں اور دعاؤں نے چند ایسے باہمت اور پاکیزہ حضرات کو کھڑا کیا جو کہ علم اور عمل کے جامع اور زہد و ریاضت کے معدن تھے وہ اگر ایک طرف معقولات کے امام تھے تو دوسری طرف منقولات میں مجدد وقت بھی تھے، وہ اگر ایک جانب نسبت مجددیہ اور سکینہ و وقار کے پہاڑ تھے تو دوسری طرف نسبت چشتیہ و قادریہ عشق و جذب کے بحر ذخار بھی تھے۔ وہ جس طرح اتباع سنت پر جان دیتے تھے اسی طرح سلوک اور تمکین کے بھی قلب تھے، انہوں نے ایسے معجون مرکب نصاب اور طرز تعلیم وغیرہ کو مرتب کیا جو کہ ولی اللہی حدیث و تفسیر اور نظامی معقول کا جامع تھا۔ اسی طرح حنفی تفقہ کا حامی اور مجددی اتباع سنت کا محافظ اور اہل سنت والجماعۃ کا آرگن تھا اور فرق مبتدعہ اور ان کے عقائد و اعمال سے بچانیوالا یہی وہ امر تقدیری تھا جس کو حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے دو سو برس پیشتر اپنی روحانی قوت سے ادراک کیا تھا اور بوقت نظر بندی دیوبند سے گذرتے وقت فرمایا تھا کہ یہاں سے احادیث نبویہ کی بو آتی ہے۔

الغرض دارالعلوم دیوبند کی ایک خاص جماعت کا تعلیمی اور قومی انسٹی ٹیوشن ہے جو کہ خاص اغراض کے لئے قائم کیا گیا تھا اور انہیں خاص اغراض کو ایک خاص جماعت نے مسلمانان ہند بلکہ مسلمانان عالم کے زمانہ موجودہ میں حقیقی خدمت سمجھی تھی۔ جو کہ واقعیت پر مبنی تھی اور ہے اور اس خدمت کو اس مدرسہ نے بحمد اللہ بڑے پیمانے تک انجام دیا۔

اسی خصوصیت کو احساس کرتے ہوئے غیر مقلدوں قادیانیوں، شیعہ آغاخانیوں، بوہروں، رضاخانیوں نیچریوں وغیرہ نے کبھی اس کی اعانت میں حصہ نہیں لیا۔ الا ماشاء اللہ ہاں اہل سنت الجماعۃ مقلدین احناف اور عام مسلمانوں نے برابر دلچسپی لی، اور آج تک لے رہے ہیں۔ فجزاھم اللہ فی الدارین خیراً۔

اس جماعت کی مذکورہ بالا غرض کو فرقہ ناجیہ اہل سنت والجماعۃ نے مذہب اسلام کی حقیقی خدمت سمجھا اور احیائے ملت اسلامیہ

کا مفید اور کارآمد وسیلہ خیال کرتے ہیں کہ اس کی اعانت و امداد کی طرف قدم بڑھایا، منتظمین مدرسہ کی ہر طرح ہمت افزائی کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ۔۔۔ دارالعلوم نے اسلامی مذہبیت کی اس اعلیٰ پیمانہ پر خدمت انجام دی کہ نہ صرف ملک ہندوستان میں تمام قدیم وجدید مدارس دینیہ پر فوقیت لے گیا بلکہ ممالک اجنبیہ افغانستان، بلوچستان، تبت، وسط ایشیا، چین، مشرقی یمن، حجاز، مصر، شام، ایشیائے کوچک، روم، روس، مغرب، جاوا، وغیرہ دیار اسلامیہ میں بھی عدیم النظیر ثابت ہوا۔ جامع ازہر قاہرہ اور جامع زیتونیہ تونس اور مدارس دینیہ ترکیہ اگر اس کے سامنے اپنی آمدنیوں، طلبہ کی کثرت، عمارت کی بلندی اور وسعت سے فخر کرنے کے لئے کھڑے ہوں تو یہ اپنے تربیت دیئے ہوئے فارغ التحصیل فضلا کی اعلیٰ قابلیتوں سے ان کو نیچا دکھانے کے لئے تیار ہوگا۔

اس نے تھوڑی سی عمر میں اعلیٰ سے اعلیٰ کمالات رکھنے والے علماء ہزاروں کی تعداد میں پیدا کئے جو کہ علمی اور عملی روحانی اور اخلاقی کمالات میں اپنے زمانہ کے یگانہ اور اپنے اپنے اقطار میں مذہبی رہنما اور امام ثابت ہوئے۔ ایسے ایسے کمل فضلا سے اس دارالعلوم نے صرف خطۂ ہندوستان ہی کو منور نہیں کیا بلکہ۔۔۔ ہندوستان کے باہر یاغستان، افغانستان، تبت، مشرقی چین، عراق، شام، حجاز، خیوہ، بخارا، قازان، روس وغیرہ کو بھی اپنے فارغ شدہ طلباء کی شعاعوں سے جگمگا دیا۔ ان مختلف دیار کے رہنے والے افاضل کی فہرستیں عموماً روئدادوں میں ہمیشہ شائع ہوتی رہی ہیں۔ جنکی تفصیل سے یہ مختصر اوراق قاصر ہیں۔

ان فارغ شدہ علماء نے اسلام کی داخلی رہنمائی کی۔ مدارس قائم کئے علوم دینیہ کو مسلمانوں میں پھیلایا۔ وعظ و نصیحت افتاء و تدریس، تربیت و تسلیک وغیرہ کی خدمتیں انجام دیں۔۔۔ آزادی اور دہریت کی وباؤں سے مسلمانوں کی حفاظت کی۔ بیرونی دشمنوں کے حملوں سے بچایا۔ عیسائیت کے روز افزوں طوفان کو روکا سناتنیوں، آریوں، شیعوں، غیر مقلدوں، بدعتیوں وغیرہ کی زبانوں کو گنگ اور ان کے قلموں کو شکستہ کیا مناظرے کئے، رسائل شائع کئے۔ تقریریں کیں۔ غرضکہ اس پر آشاب زمانہ میں ہر قسم کی مذہبی خدمتوں کو بجا لاکر فرقہ ناجیہ اہل سنت والجماعۃ کی محافظت صحیح طریقہ پر کرتے رہے۔ اگر خدانخواستہ یہ دارالعلوم اس زمانہ میں ہندوستان میں قائم نہ ہوتا تو مسلمانوں کی آپس کی مذہبی خانہ جنگیاں اور اغیار کے بیرونی حملے خدا جانے اسلام کو کہاں سے کہاں تک برباد کردیتے اور نہ معلوم ان دیار میں مذہبی حیثیت سے مسلمانوں کا کیا حال ہوتا۔

اگرچہ دور کے ڈھول سہانے ہوتے ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ اس دارالعلوم کے فارغ التحصیل علماء، جامع ازہر اور جامع زیتونیہ سے ترکستان روم و روس حجاز و شام وغیرہ کے علماء و فضلاء سے علوم و فنون اخلاق اور عمل میں بدرجہا سبقت لے گئے۔ اور ہر طرح ان سے اعلیٰ اور احسن ثابت ہوئے۔ جامعیت اور للہیت میں انہوں نے اپنے آپ کو عدیم النظیر ثابت کیا ــــ ولله الحمد والمنة

اس کی وجہ بجز اس کے کہ بانیین و منتظمین کی حسن نیت وسعی دارالعلوم اور اس کے کارکنوں کی بارگاہ خداوندی میں قبولیت، تعلیم و تدریس کا حسن طریق اساتذہ کی صداقت اور ان کا کمال۔ اعانت کرنے والوں کا اخلاص وغیرہ اعلیٰ پیمانہ پر قرار دیئے جائیں اور کیا کہا جا سکتا ہے۔

دارالعلوم کی پرورش ہمیشہ سے محض ظاہری علوم ہی سے آراستہ ہونے والے نفوس کے ہاتھ میں نہیں رہی بلکہ اس کی باگ ہر زمانہ میں ان اہل اللہ کے ہاتھوں بھی رہا کی جو کہ طریقت اور حقیقت کے قطب اور امام اور روحانی کمالات اور معنوی علوم کے آفتاب بھی تھے۔ ان کے نفوس قبولیت خداوندی کے مظہر اتم اور مقبولان بارگاہ نبوت کے سر گروہ رہا کئے تھے۔ ریاضت اور تقویٰ سے انہوں نے اپنے آپ کو پاکیزہ بنا لیا تھا۔

حضرت نانوتوی قدس اللہ سرہ العزیز کا وہ خواب کہ خانہ کعبہ کی چھت پر کھڑے ہوئے ہیں۔ اور ان کے پیروں کے نیچے سے چاروں طرف نہریں جاری ہیں، اور مولانا رفیع الدین صاحب کی یہ رؤیا کہ علوم دینیہ کی کنجیاں ان کو دی گئی ہیں وغیرہ وغیرہ اہل اللہ کے مبشرات کا مظہر یہ مدرسہ ہی ہوا۔

یہی وجہ ہے کہ معنوی برکات اور مقدس و پاکیزہ ارواح

مقبولہ کے سایہ سے آج تک دارالعلوم خالی نہیں اور اسی بنا پر یہاں
کے طلباء اور علماء میں مجموعی حیثیت سے جو کمالات ظاہر ہوتے ہیں
دوسری جگہ نہیں ہو سکے اور نہ ہوتے ہیں۔ وللہ الحمد والمنۃ۔

تہید ستو نہ گھبراؤ نہ شرماؤ ادھر آؤ
وہ نیساں کرم اب بھی ہیں سرگرم درافشانی

ابتداء ابتداء میں اہتمام کی باگ حضرت حاجی عابد حسین صاحب
مرحوم کے ہاتھ میں رہی اور پھر تھوڑے عرصہ کے بعد مولانا رفیع الدین
صاحب مرحوم کے ہاتھ میں آئی حضرت حاجی صاحب موصوف
تو طریقہ چشتیہ صابریہ کے اعلیٰ درجہ کے بزرگ اور ریاضت و
زہد کے مجسمہ تھے ہی، مولانا رفیع الدین صاحب مرحوم بھی میدانِ
طریقت وحقیقت کے اعلیٰ شہسوار اور نہایت مکمل شخص تھے۔
حضرت شاہ عبدالغنی صاحب دہلوی مجددی مہاجر قدس اللہ
سرہٗ العزیز کے خلفاء میں وہ اعلیٰ درجہ رکھتے تھے کہ حضرت شاہ
صاحب مرحوم ان پر فخر کیا کرتے تھے۔ مولانا مرحوم کے روحانی
فیوضات کو بھی دارالعلوم کی کامیابی اور فارغ التحصیل طلباء
کی تربیت وپرورش میں اسی طرح نمایاں حصہ ہے جس طرح حضرت
قطب العالم عارف باللہ مولانا نانوتوی اور حضرت قطب رشاد
عارف باللہ مولانا گنگوہی اور مولانا العارف باللہ مولانا محمد یعقوب
صاحب وغیرہ اکابر کا عظیم الشان تصرف اور حصہ رہا ہے۔

حضرت مولانا رفیع الدین صاحب مرحوم کی ہجرت
مدینہ منورہ کے بعد پھر جناب حاجی عابد حسین صاحب نے اہتمام
کی باگ ڈور اپنے ہاتھوں میں لی، مگر ان کی قبولیت عامہ اور
کثرت مشاغل خلق اللہ کی خدمت نے بہت جلد ان کو اس پر
مجبور کردیا کہ وہ محض مجلس شوریٰ کے ممبر رہیں، اور کارندہ بار اہتمام
کو کسی دوسرے کے سپرد کردیں، چنانچہ منشی فضل حق صاحب
مرحوم اور ان کے بعد مولانا محمد منیر صاحب مرحوم تھوڑے
ہی عرصہ میں مسند اہتمام کے زیب و زینت بنائے گئے تاہم
ان بزرگواروں کے زمانہ اہتمام میں ان کی بیرونی وجاہت و
شہرت نہ ہونے کی بنا پر یا دیگر اسباب کی وجہ سے دارالعلوم
کو زیادہ ترقی نہ ہوئی ۱۳۱۳ھ میں، اس زمانہ کی ضرورتوں اور
احوال مدرسہ نے حضرت قطب العالم مولانا گنگوہی قدس اللہ
سرہٗ العزیز سرپرست دارالعلوم کو مجبور کیا کہ وہ خود دیوبند
تشریف لائیں اور دائرہ اہتمام کی ذمہ داری کسی مناسب اور
لائق ہستی کے سپرد کردیں۔

آخر کار حضرت اعلیٰ قدس اللہ سرہٗ العزیز گنگوہ سے
بدولت افروز ہوئے جناب نواب محمود علی خاں صاحب آف چھتاری
مولانا محمد اسماعیل صاحب کاندھلوی، جناب حکیم ضیاء الدین
صاحب رامپوری اور بہت سے مقدس حضرات اہل باطن اور
اہل ظاہر رحمہم اللہ تعالیٰ بھی اس وقت جمع ہوئے۔ نشیب و
فراز پر غور کیا گیا مختلف مجالس قائم کی گئیں۔ پورے غور وخوض
کے بعد حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے اکابر نے
یہی مستحسن قرار دیا کہ جناب مولانا حافظ احمد صاحب دام مجدہم
کے ہاتھ میں کاروبار اہتمام کی باگ ڈور دی جائے۔

نامور مؤرخ وصحافی مولانا غلام رسول مہرؒ

بزرگان دیوبند میں سے جن مقدس ہستیوں کو اولین درجہ کا احترام و
اعزاز حاصل ہے وہ حضرت حاجی امداداللہ۔ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی
اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین ہیں۔ انکے اسماء گرامی
اس سرزمین کے آسمان پر درخشاں ستاروں کی طرح روشن ہیں جو تاریکی کے
وقت صحراؤں میں مسافروں کو راستہ بتاتے ہیں۔ وہ اپنی زندگیوں
میں علم وہدایت کے مشعل بردار تھے۔ جب اس دنیا سے رخصت ہوئے
تو اپنے پیچھے پاکیزہ عملی نمونے چھوڑ گئے۔ جو دلوں اور روحوں
میں برابر دین حق کے ولولے پیدا کرتے رہیں گے۔ خصوصاً حضرت
حضرت مولانا محمد قاسمؒ اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی تو ایک
یادگار ایسی ہے جو ایک صدی سے اس وسیع سرزمین پر دینی علوم
کے قیام وبقا کا ایک بہت بڑا سرچشمہ رہی ہے۔ اس کی آغوش میں
سینکڑوں ایسی مقدس ہستیوں نے تربیت پائی جن کے کارنامے
دین وسیاست دونوں کے دائرہ میں قابل فخر ہیں۔

(مضمون سے اقتباس)

دارالعلوم دیوبند کی ارواح مقدسہ

(از حضرت مولانا سید اصغر حسین رح سابق استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند)

خداوند جل وعلی شانہٗ ایجاد و اعدام خلق اور احیاء و اماتہ اقوام میں کسی واسطہ اور ذریعہ کے محتاج نہیں لیکن عادۃ اللہ اس طرح جاری ہے کہ وسائط و ذرائع سے کام لیا جائے تاکہ ان ذرائع و اسباب کو بھی سعادت تعمیل ارشاد خداوندی کی اور اجر و ثواب مفتاح خیر ہونے کا حاصل ہو جائے۔ چنانچہ علمائے محققین نے اپنے کشف و شہود اور ملاحظۂ معاملۃ الرب مع العباد کے بعد ارشاد فرمایا کہ خداوند تعالیٰ کو جب کسی قوم کی ہدایت اور احیا منظور ہوتی ہے۔ تو ایک نظر خاص اور تجلی مخصوص سے بعض عباد صالحین کو نواز دیا جاتا ہے۔ اور انہیں اولیاء مقربین کے قلب سے ایک خاص رابطہ اس جماعت کے قلوب کے لئے پیدا فرما دیا جاتا ہے۔ جن کی حیات حقیقی یعنی ہدایت مقصود و منظور حق ہوتی ہے (جس طرح کہ ان مخصوص و مقبول مقربین کو ایک رابطۂ خاصہ مع اللہ تعالیٰ حضور نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے حاصل ہوا ہے)

اب یہ مقبول و مخصوص اولیاء اللہ اس جماعت عظیمہ کے مجموعی جسم کے لئے بمنزلہ ایک روح لطیف ہو جاتے ہیں۔

دارالعلوم دیوبند اور اس کے منتسبین کی جماعت عظیمہ منتشرہ فی الآفاق اور اس کے بزرگان قدیم کے حالات پر نظر کی جائے تو بلا اشتباہ یہی ذہن میں آتا ہے کہ سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رح اور حجۃ اللہ فی الارض حضرت مولانا محمد قاسم صاحب اور مخدوم العلماء حضرت مولانا رشید احمد صاحب قدس اللہ اسرار ہمارے ایسے منتخب بزرگ اولیاء مقربین

ہیں کہ حق تعالیٰ نے ان کے قلوب کو نظرِ خاص اور انوار مخصوصہ سے منور و مزین کر کے دارالعلوم دیوبند اور اس کے متوسلین کے مجموعی جسم کی تربیت ان کے سپرد فرمائی اور اس جسم کی روح معنوی ان کو بنایا ہے اور اس تربیتِ معنوی میں اِن ارواح مقدسہ کا خلافِ صالح مثل حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب و حضرت مولانا شیخ الہند و حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہم اور حضرت مولانا اشرف علی صاحب ادام اللہ برکاتہم ان بزرگوں کے معین یا نائب ہوتے رہے ہیں اور ثمرہ اس رابطۂ معنویہ اور تعلق باطنیہ کا یہ ہے کہ تمام جماعت منتسبین باوجود تعدد مساکن و اختلاف اماکن کے اتحاد عقائد صحیحہ اور موافقت اعمال صالحہ میں مشہور رہے۔

حضرات ممدوحین کی تربیت روحانی اصحابِ حال و اہلِ نظر کے نزدیک محتاج دلیل نہیں ہے۔ ان حضرات کا عظیم تعلق و تربیت کافی ہے۔ خاص شرف اس امر کا یہ سبب فیوض اس مخصوص نظر رحمت پروردگار اور حضور نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے برکات کے بحرِ ذخار سے حاصل ہوتے ہیں

اور باوجود بعد زمانی و مکانی اور کثرتِ وسائل و وسائط کیفیت و کیف ان برکات کا بدستور و بجنسہٖ باقی ہے حضرت مولانا محب الدین صاحب، مہاجر خلیفہ حضرت مولانا حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہما کے کلام معتبر و قابلِ وثوق سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ نے تشریف آوری ہندوستان کے وقت متعدد مرتبہ فرمایا اور بعد واپسی کے بھی حرم محترم میں بھی ذکر فرمایا کہ حالتِ صلوٰۃ میں جو کیف و لذت مجھکو حرمین شریفین میں حاصل ہوتی ہے وہی مدرسہ دیوبند کی مسجد کی جماعت میں حاصل ہوتی تھی۔"

اس وقت اتنے ہی مضمون پر بس کر کے آئندہ کے لئے توفیق و ہمت پر اپنے مضمون کو محول کرتا ہوں۔

(رقمہ فقیر سید اصغر حسین عفا اللہ عنہ)

مقبولیت عالم اور دارالعلوم دیوبند

......مولانا محمد مظہر الدین مرحوم۔ ایڈیٹر "الامان" دلی

دارالعلوم دیوبند کی مقبولیت کا اندازہ ہندوستان میں بیٹھ کر نہیں بلکہ ہندوستان کے باہر رہنے سے ہو سکتا ہے۔ بہت کم اسلامی ممالک یا روئے زمین پر ایسے ہیں جہاں سے طلبہ اپنی علمی پیاس بجھانے کے لئے ہندوستان کے اس چھوٹے سے قصبہ میں نہیں آئے۔ جس کا نام دیوبند ہے، لنکا، جاوا، سماٹرا، سنگاپور، جزائر شرق الہند کے علاوہ چین، منگولیا، تاتار، بخارا، افغانستان، ترکستان، عراق، شام، یمن، حجاز، حتیٰ کہ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ سے طلبا یہاں پڑھنے کے لئے آئے۔ ہندوستان بت پرستوں کا ملک تھا لیکن کیا یہ کچھ کم اعجاز ہے کہ اسے دارالعلوم دیوبند نے تمام عالم کے توحید پرستوں کی مذہبی تعلیم کا ماویٰ و ملجا بنا دیا۔

دوسرا اعجاز

ایک عرصہ ہوا کہ اسلامی سلطنت کا چراغ گل ہو گیا، لیکن چند درویشوں کا چراغ خدا کے فضل سے یہ آج تک روشن ہے اور اس کی ضو اور روشنی کی وسعت روز بروز زیادہ ہو رہی ہے۔ جب دہلی کی سلطنت کے ساتھ دہلی کی درسگاہیں مٹ رہی تھیں، اور علمی خانوادوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر تباہ و برباد کیا جا رہا تھا تو قدرت نے دارالعلوم دیوبند کے محترم بانی (علیہ الرحمۃ) کے ہاتھ پر یہ اعجاز ظاہر کیا کہ انہوں نے ایک ایسے گمنام قصبہ میں جس کو اس سے قبل کوئی علمی لگاؤ نہ تھا اس درسگاہ کو قائم کیا۔ قیام کی ابتدائی حالت آپ کو

اس نمبر کے دیگر مضامین سے معلوم ہوں گی۔ اس ابتدا کو دیکھو اور موجودہ حالات سے مقابلہ کرو تو کیا اعجاز نہیں کہ جو درسگاہ چند غرباء کے چندہ سے قائم ہوئی، وہ آج مذہبی تعلیمات میں مصر کے جامعہ ازہر اور دیگر شاہی درسگاہوں کہیں زیادہ فائق ہے۔

تیسرا اعجاز

افغانستان، ایران اور ٹرکی آزاد اسلامی سلطنتیں ہیں۔ اور ان پر مسلمان جس قدر فخر کریں کم ہے، لیکن اس بارے میں وہ غلام ہندوستان کے تابع ہیں کہ وہاں کوئی ایسی مذہبی درسگاہ نہیں جو دارالعلوم دیوبند کی مذہبی خصوصیات کی حامل ہو، یہی سبب ہے کہ ان ممالک کے طلباء دور دراز کا سفر کرکے ہندوستان آتے ہیں، اور اس مذہبی سرچشمہ سے اپنی پیاس بجھاتے ہیں۔ ایک زمانہ تھا کہ آزاد افغانستان کا شیخ الاسلام دارالعلوم دیوبند کا طالب علم تھا۔

چوتھا اعجاز

میری ناقص معلومات میں یہ سعادت کسی کی اور درسگاہ کے حصہ میں نہیں آئی کہ اس کے کسی طالب علم نے مسجد نبوی میں بیٹھ کر حدیث کا درس دیا ہو اور جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے سجادۂ درسگاہ کو آباد کرنے کا شرف اس کو حاصل ہوا ہو۔ لیکن ہم سب خدام و فرزندان دارالعلوم کے لئے یہ کس قدر تحدیث نعمت و فضل ربانی کے اظہار کا مقام ہے کہ حضرت مولانا حسین احمد صاحب اسیر مالٹا جانشین حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ اس درسگاہ کے فارغ التحصیل ہیں جو تقریباً دس سال تک مسجد نبوی میں حدیث نبوی کا درس دیتے رہے۔ اور جن کے درس کی شہرت یمن و حجاز کے علاوہ عراق و مصر و شام تک پہنچ گئی۔ حتیٰ کہ ایک موقع پر عباس حلمی پاشا سابق خدیو مصر مولانائے ممدوح کے درس میں شریک ہوئے، اور رخصت ہوتے وقت جو الفاظ فرمائے وہ دارالعلوم کے ہر ہمدرد اور ہر چندہ دینے والے کے لئے مسرت و انبساط کی ایک بہتر سند ہے۔

دارالعلوم دیوبند کی مقبولیت عامہ کے یہ چند آثار و علائم ہیں، باقی حقائق و واقعات کی تفصیل کا یہ موقع نہیں، لیکن اگر بعض آثار و علائم ہی خصائص لازمہ ہوتے ہیں تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ ایسے مذہبی سرچشمہ کو بند کرانا جو پردۂ زمین پر بعض مخصوصیات کے لحاظ سے اپنی نظیر آپ ہو کتنا بڑا مذہبی گناہ ہے لیکن افسوس کہ بعض ناعاقبت اندیشوں نے کچھ خیال نہ کیا اور ذاتی انتقام کے نشہ میں چور ہو کر وہ سب کچھ کیا جو کوئی کافر حربی بھی نہ کرتا۔

موجودہ ادارۂ اہتمام

موجودہ ادارۂ اہتمام کو میں معصوم نہیں سمجھتا اور نہ کوئی صحیح العقیدہ اہل سنت جو عصمت کو صرف انبیاء میں منحصر سمجھتا ہے، اس امر کا دعویٰ کر سکتا ہے۔ لیکن میں ادارۂ اہتمام کو ان اتہامات و الزامات اور اس ناقابلیت کا مرتکب بھی خیال نہیں کرتا جو اس سے منسوب کی گئی ہیں، اور جن کو شائع کرکے دارالعلوم کی ترقی و مقبولیت پر کاری ضرب لگانے کی سعی کی گئی ہے۔

اس وقت میں فرداً فرداً الزامات کی تردید کرنا نہیں چاہتا، ورنہ یہ میرا منصب ہے بلکہ میں ایک اصول پیش کرنے کے بعد دارالعلوم دیوبند کو اس نقصان سے بچانا اپنی سعادت خیال کرتا ہوں جو گمراہ کن پروپیگنڈا سے پہنچ چکا ہے۔

ایک ناقابل تردید اصول

کسی جماعت کی قابلیت و استعداد اور دیانت کا فیصلہ کرنے کے لئے یہ اصول یقیناً ہر شخص کو تسلیم ہوگا کہ اس کی ابتدا و انتہا کا موازنہ کیا جائے۔ یعنی یہ دیکھا جائے کہ جب اس نے دارالعلوم کی عنان اہتمام و انتظام اپنے ہاتھ میں لی تو اس کی کیا حالت تھی، اور اب کیا کیفیت ہے۔ اگر اس میں کوئی نمایاں ترقی ہوئی تو کوئی شخص ایسی جماعت کو ناقابل و نااہل کہنے کے لئے تیار نہ ہوگا، پس آؤ آج ہم اس معیار پر ادارۂ اہتمام کی جانچ کریں۔

دارالعلوم کی آمدنی

دارالعلوم کے چار شعبوں میں سے ایک آمدنی کا شعبہ ہے جس پر تمام ترقیوں کا دارومدار ہے۔ جب ۱۳۱۲ھ میں موجودہ ادارۂ اہتمام نے عنان اہتمام ہاتھ میں لی تو سالانہ مطبوعہ رپورٹیں مظہر ہیں کہ سالانہ آمدنی پانچ ہزار پانسو گیارہ روپے نو آنے تھی، لیکن ۱۳۴۳ھ میں جیسا کہ آخری شائع شدہ سالانہ رپورٹ سے ظاہر ہوتا ہے یہ آمدنی بیاسی ہزار آٹھ سو نواسی روپے تیرہ آنے گیارہ پائی تک ترقی کر گئی، کیا ناقابل دید دیانت جماعت کے کاموں میں خدا اسی قدر حیرالعقول ترقی عطا کرتا ہے؟

دارالعلوم کی عمارت

دارالعلوم کا دوسرا شعبہ دارالعلوم کی تعمیرات ہیں ۱۳۱۲ھ میں دارالعلوم کی کل عمارتیں چھتیس ہزار دو سو تیراسی روپے آنے کی تھیں لیکن ۱۳۴۳ھ میں تین لاکھ ساٹھ ہزار ایک سو چھیاسٹھ روپے بارہ آنے پانچ پائی ہو گئیں۔ ان اعداد کو بار بار پڑھو اور اعدا کو حاضر و ناظر جان کر اپنے ضمیر سے دریافت کرو کہ جو لوگ مذہبی امانت اور بزرگوں کی بنیادوں میں خیانت کریں انہیں ایسی ہی ترقی عطا کی جاتی ہے۔

طلبا کی تعداد

تیسرا شعبہ طلبا کی تعداد ہے کیونکہ بعض نکتہ چیں یہ بھی کہتے ہیں کہ قوم کا روپیہ عمارات اور ظاہری شان و شکوہ پر زیادہ صرف کیا ہے لیکن طلبا کا کچھ خیال نہیں رکھا گیا۔ آؤ، ہم اس شعبہ کا بھی ذرا موازنہ کریں۔ ۱۳۱۲ھ میں جب موجودہ ادارۂ اہتمام نے اپنا کام شروع کیا تو طلبا کی تعداد ۱۹۳ تھی جن میں صرف ۱۶ طالب علم وظیفہ پانے والے تھے۔ مگر ۱۳۴۳ھ میں یہ تعداد ترقی کر کے ۸۳۰ تک پہنچ گئی جن میں وظیفہ پانے والے طلبا ۴۴۴ ہیں۔ اس لحاظ سے اگر عمارت میں ترقی ۱۳۱۲ھ کی بہ نسبت ۱۳۴۳ھ میں تقریباً دس گنی ہوئی تو وظیفہ پانے والے طلبا میں تقریباً پچیس گنی ہوئی۔ اب نکتہ چیں فیصلہ کریں کہ روپیہ عمارات پر نسبتاً زیادہ صرف ہوا یا طلبا پر؟

کتب خانہ

دارالعلوم کا ایک شعبہ کتب خانہ دارالعلوم ہے ۱۳۱۲ھ میں جملہ کتابوں کی تعداد پانچ ہزار دو سو اکسٹھ تھی لیکن ۱۳۴۳ھ میں یہ تعداد اکتالیس ہزار ایک سو چھیاسی تک ترقی کر گئی۔ اس کے علاوہ اور کوئی قابل ذکر شعبہ میری سمجھ میں نہیں آتا۔ کیونکہ دارالعلوم درحقیقت انہی چار شعبوں کے مجموعہ کا نام ہے۔ باقی مدرسین و ملازمین کی تعداد وہ سب ضمناً ان میں داخل ہے پس ذرا انصاف کرو کہ جس ادارۂ اہتمام و مجلس شوریٰ کے سایہ میں دارالعلوم نے اس قدر ترقی کی ہو کیا وہ اسی سلوک کا مستحق ہے جو دارالعلوم کے بعض نادان دوستوں اور بعض انتقام پسند دشمنوں نے اس کے ساتھ روا رکھا؟

جناب ابراہیم الجبالی

رئیس وفد جامعہ ازہر مصر

ہمیں جامعہ دارالعلوم دیوبند کی زیارت کی سعادت حاصل ہوئی۔ ہم نے مختلف درجات میں پھر کر درس و تدریس کا معائنہ کیا اور اس مدرسہ کے مدیر جناب شیخ شبیر احمد عثمانی اور حضرات اساتذہ کرام سے ملاقات کی۔ ہم نے ایسا منظر دیکھا جس نے ہمارے قلوب کو مسرت سے پر کر دیا اور ان کے چہروں پر علوم کا نور دیکھا۔ ہم نے ایک ایسی جماعت دیکھی جس نے علوم دین یعنی تفسیر قرآن حدیث فقہ اور اصول فقہ کی خدمت کیلئے اپنی زندگی وقف کر رکھی ہے۔ اس کے علاوہ دوسرے علوم بھی پڑھائے جاتے ہیں مثلاً عربی ادب منطق، فلسفہ اور الٰہیات وغیرہ۔ ہم دعا کرتے ہیں کہ ان علوم سے امت اسلامیہ کو یہ حضرات نفع پہنچائیں۔

۱۹۴۰ء اس وقت جب یہ معائنہ لکھا گیا مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی دارالعلوم کے مدیر تھے۔

دارالعلوم قاسمی

مولانا سید محی الدین قاسمی

مرکزِ عرفانِ دیں دارالعلوم قاسمی　　چشمۂ علم الیقیں دارالعلوم قاسمی

منبعِ نورِ رسالت مرکزِ دینِ خدا　　ہے شریعت کا امیں دارالعلوم قاسمی

مسکنِ قطبِ زماں گہوارۂ رشد و ہدا　　ہے ہدایت کی جبیں دارالعلوم قاسمی

قاسمؒ و محمودؒ و انورؒ جس پہ تھے جلوہ فگن　　وہ سلف کی ہے زمیں دارالعلوم قاسمی

حضرتِ مدنیؒ کی ذات باصفا سے تھا کبھی　　مخزنِ فیضانِ دیں دارالعلوم قاسمی

سارے عالم پر تجھا ور کر رہا ہے رات دن　　فیضِ ختم المرسلیں دارالعلوم قاسمی

مسندِ تجدیدِ دینِ حق پہ ہے جلوہ فگن　　خادمِ دینِ متیں دارالعلوم قاسمی

مدتوں سے نصرتوں میں دین کی مصروف ہے　　ناصرِ دینِ مبیں دارالعلوم قاسمی

نیرِ چرخِ ہدایت شمعِ بزمِ دینِ حق　　نورِ ربّ العٰلمیں دارالعلوم قاسمی

فیضِ طیبہ سے ہوا پُرنور اور تابندہ تر　　نورِ حق سے ہے حسیں دارالعلوم قاسمی

تیری الفت میں سبھی سرشار ہیں پیر و جواں　　تو دلوں میں جاگزیں دارالعلوم قاسمی

اہلِ عالم کے سروں پہ ہے بفیضِ مصطفےٰ　　سایۂ عرشِ بریں دارالعلوم قاسمی

سرزمینِ علم پہ اجلاسِ صد سالہ کا جشن
مرحبا صد آفریں دارالعلوم قاسمی

Scanned by CamScanner

محمد اسعد قاسمی بستوی
مدرسہ عربیہ امدادیہ مرادآباد

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور ان کے خاندان کے کارنامے اور حالات سے ان کا مقابلہ

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے اپنے ماحول میں آنکھیں کھولیں جس وقت کہ سلطنت مغلیہ رو بہ زوال تھی اور اس کا پیمانۂ حیات گردش میں آچکا تھا۔ دربار پر شیعوں کا قبضہ تھا۔ ادھر مسلمانوں کی اخلاقی اور روحانی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ بدعات و جاہلانہ رسوم اور باطل عقائد ان میں گھر کر چکے تھے ادھر سستی شہرت حاصل کرنے والے پیشہ ور واعظین حکم قرآنی واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا کی صریح مخالفت کرتے ہوئے ٹکڑے اور ٹولیوں میں بٹ کر اپنے اپنے راگ اپنی اپنی جگہ الاپ رہے تھے اور جاہل عوام کو بیوقوف بنا کر ان سے اپنی جیبوں کو بھر رہے تھے۔ دینی عقائد کا جنازہ نکل رہا تھا۔ شعائر اسلام ایک ایک کر کے مٹ رہے تھے۔ ناعاقبت اندیش اور خود غرض علماء کی عقلوں پر پردے پڑ چکے تھے۔ ان میں اچھے برے کی تمیز کا مادہ ختم ہو چکا تھا انھوں نے یونانی علوم ہی کو اصل مقصد زندگی سمجھ کر اپنا لیا تھا۔ علوم قرآن و حدیث کو وہ قصۂ پارینہ سمجھ کر یکسر فراموش کر چکے تھے اور ان کی غفلت ان کے مردہ دلوں سے مٹ چکی تھی غرضیکہ اسلام کی عظمت رفتہ خطرے کی زد میں آچکی تھی اور وہ خود موت و حیات کی کشمکش سے دوچار تھا۔ ایسے نازک ترین حالات میں شاہ ولی اللہ نے نعرۂ حق بلند کر کے جس جوانمردی و بلند ہمتی اور جرأت عمل کا ثبوت دیا اور مسلمانوں کے بکھرے ہوئے شیرازے کو یکجا کیا اور ان سب کو راہ راست پر لا کر ایک متحدہ پلیٹ فارم پر جمع کر دیا جس کی نظیر پیش کرنے سے تاریخ قاصر ہے۔ اس کی مکمل تفصیل مولانا سعید احمد اکبرآبادی کے قلم سے پڑھتے چلئے

"حضرت شاہ ولی اللہ نے ان تمام احوال گردوپیش کا جائزہ لیکر اپنا عمل تجدید جاری کیا تو اس طرح کہ ایک طرف آپ نے شیعیت کی تردید میں ازالۃ الخفا اور قرۃ العینین تصنیف فرمائی۔ مدرسہ رحیمیہ دہلی (جو حضرت شاہ صاحب کے والد ماجد کے نام پر تھا) میں قرآن و حدیث کا درس دیا جس میں دور دور کے طلبہ شریک ہو کر کسب سعادت کرتے تھے۔ آپ نے پچاس سال کے قریب مدت تک اس مدرسہ میں درس جاری رکھا۔ اسی سلسلہ میں آپ نے قرآن مجید کا ترجمہ فارسی زبان میں کیا تاکہ اس کا افادہ عام ہو سکے۔ کوئی شبہ نہیں کہ یہ اقدام بھی آپ کا غیر معمولی عمل تجدید تھا جس نے عام علماء میں ان کی خود غرضی کی بناء پر بے چینی پیدا کر دی تھی اسی کے ساتھ ساتھ آپ نے حجۃ اللہ البالغہ اور تقلید و اجتہاد پر زریں تصنیفات کر کے اس بات کی سعی بلیغ کی کہ ان میں جو ذہنی تسفل اور دماغی جمود پیدا ہو گیا ہے اور جو فی الحقیقت ان کے اجتماعی سیاسی اور مذہبی انحطاط کا باعث ہے وہ دور ہو اور اس کے بجائے اجتہاد فکر کی روشنی آزاد غور و خوض کی عادت اور صحیح اسلامی طریقہ پر سوچنے اور سمجھنے کی صلاحیت پیدا ہو۔"

(الفرقان شاہ ولی اللہ نمبر ص ۳۵)

مزید تفصیل سے پڑھیئے۔ عام نگاہیں تو شاید صرف سیاسی مفاد اور اقتدار کی جنگ پر تھیں لیکن شاہ ولی اللہ رح کی عمیق و دور بین نظریں مسلمانوں کے ذہنی، فکری، اخلاقی انحطاط پر اشک ریز اور زبان مسلمانوں کے انتشار ملی پر ماتم کناں تھی۔ شاہ صاحب رح نے حالات کو سنبھالنے کی اپنی سی کوشش کی لیکن انھیں اندازہ ہوگیا تھا کہ سر رشتہ فکر و عمل مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل چکا ہے۔ اور خود ان میں نہ تو حالات کی سنگینی اور اپنے زوال و انحطاط کا احساس ہے نہ ان میں اصلاح کی کوئی تحریک موجود ہے ان حالات میں شاہ ولی اللہ رح نے اپنی جو ذمہ داری محسوس کی وہ یہ تھی کہ وہ مسلمانوں کیلئے ایک ایسی فکر مرتب کردیں کہ جب مسلمانوں کو اپنی کھوئی ہوئی عظمت اور وقار کی بحالی کا خیال پیدا ہو اور جب ان میں احیائے اسلام اور تجدید ملت کا احساس بیدار ہوجائے تو وہ اس فکر کی بنیاد پر اپنے مستقبل کی عظمت کی عمارت تعمیر کرسکیں

(الرشید دارالعلوم دیوبند نمبر ص۲۱۲)

پاکستان کے مولانا مفتی محمود صاحب لکھتے ہیں کہ "اس ساری جد و جہد کا اصل مقصد یہ تھا کہ دنیا میں تمام نظامہائے باطلہ کو مٹا کر اسلام کے نظام' عدل و مساوات کے اجراء و نفاذ کی کوششیں کی جائیں۔ شاہ صاحب رح اپنے اس دینی پروگرام کو پایۂ تکمیل تک پہونچانے کے لئے انقلابی جماعت بنانے کا ارادہ رکھتے تھے اور مقصد سے والہانہ لگاؤ رکھنے والے رضاکاروں کے واسطہ سے یہ کام لینا چاہتے تھے کیوں کہ ان کا خیال تھا اور بالکل صحیح کہ تنخواہ دار اور ملازم پیشہ لوگ وہ کام نہیں کرسکتے جو مخلص رضاکار کرسکتے ہیں۔ انقلابی جماعت بنانے اور قوت کے ساتھ حالات کا نقشہ پلٹنے کی تجویز ذہن میں اس لئے آئی کہ آپ کی نظر حالات پر تھی۔ آپ دیکھ رہے ہیں کہ حکومت بچوں کا کھیل بن چکی ہے۔ شیعہ اور دوسرے عناصر کے ہاتھوں میں حکمراں کٹھ پتلی ہیں۔ آئے دن انقلاب آتے ہیں اور پوری قوم افراتفری کی شکار ہے۔ انتظامیہ بدکردار ہے۔ فوجی پیشہ ور بے راہ رو ہوچکے ہیں اور ظلم و ناانصافی اپنے جوبن پر ہے لیکن آپ رح کو مہلت نہ ملی اور آپ رح پروگرام وضع کرنے کے بعد عملی جامہ پہنانے سے قبل دنیا سے رخصت ہوگئے تو آپ کے فرزند رشید سراج الہند حضرت شاہ عبدالعزیز رح نے سب سے پہلا کام تو یہ کیا کہ ہندوستان کی ایک حیثیت متعین کردی۔ اب تک لوگوں کے ذہن حالات کے مطابق اطمینان سے خالی تھے۔ ان کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اس ملک کو دارالاسلام کہا جائے یا دارالحرب یا دارالامن ؟

شاہ صاحب رح نے کمال جرأت و دیانت سے حالات کا جائزہ لیا اور ایک مفصل فتویٰ جاری فرمایا۔ جس میں ہندوستان کے دارالحرب ہونے کا اعلان فرمایا۔ آپ نے ہندوستان کے حالات کے ضمن میں انگریز نصاریٰ کی دھاندلیوں اور مکر و فریب کا بالخصوص اپنے فتویٰ میں ذکر فرمایا۔

(الرشید دارالعلوم دیوبند نمبر ص۲۴۶)

شاہ عبدالعزیز رح نے فتویٰ جاری فرمانے کے ساتھ ساتھ مجاہدین کی تیاری کیلئے اپنی مہم جاری رکھی۔ چنانچہ انھیں حسن اتفاق سے رائے بریلی کے قدیم بزرگوں کی اولاد کا ایک ہونہار فرزند سید احمد شہید رح ہاتھ آگیا۔ پروفیسر نسیم عثمانی لکھتے ہیں کہ اسی سلسلۂ تجدید و احیائے اسلام میں حضرت شاہ عبدالعزیز رح اور شاہ عبدالقادر رح کے ایماء اور مشورہ سے سید احمد شہید رح نے عملی بنیادوں پر ایک جماعت تشکیل دی جس کے رکن رکین مولانا عبدالحئی رح (داماد شاہ عبدالعزیز رح) اور مولانا شاہ اسماعیل شہید رح (برادر زادہ شاہ عبدالعزیز رح) تھے۔ ان حضرات نے مسلمانوں میں اصلاح احوال و رسوم کی ایک زبردست تحریک شروع کی جس کے نتائج نہایت شاندار نکلے لیکن شاہ ولی اللہ رح کے انتقال کے بعد ۳۵-۴۰ سال کی مدت میں مسلمانوں کا سیاسی زوال اپنی آخری حدوں کو پہونچ چکا تھا اور مسلمانوں کی دشمن قوتوں نے پورے اسلامی ہند کو تہ و بالا کر دیا تھا۔ برٹش استعمار کے پنجے ہندوستان کے سیاسی نظام میں پوری طرح گڑ چکے تھے اور استعمار کے اس عفریت سے ملک و ملت کو نجات دلانے کے لئے ایک زبردست انقلابی اقدام کی ضرورت تھی۔ حضرت سید احمد شہید رح اور ان کے رفقاء نے حالات و وقت کا نہایت

سنجیدگی کے ساتھ جائزہ لیا اور غور و فکر کے بعد اپنی دعوت
تجدید و احیائے اسلام کا رخ تحریک جہاد کی طرف موڑ دیا۔
اور رفتہ رفتہ مجاہدین کی ایک جمعیت فراہم کر کے صوبہ سرحد
کو اپنی تحریک کا مرکز بنا کر احیائے ملت کی سعی شروع کر دی
لیکن مسلمانوں کی بدقسمتی کے دن ابھی پورے نہیں ہوئے
تھے۔ یہ تحریک بیگانوں کی ریشہ دوانیوں اور اپنوں کی
ناعاقبت اندیشیوں کی بدولت مئی ۱۸۳۱ء میں بالاکوٹ
کے مقام پر ناکام ہو گئی۔ سید احمد بریلویؒ اور شاہ اسماعیلؒ
اس معرکہ میں شہید ہو گئے۔ اور مجاہدین کی جمعیت و قوت
منتشر ہو گئی (مجلہ علم و آگہی کراچی ص ۶۷)

جہاں سیاسی میدان میں شاہ ولی اللہؒ اور آپ
کے ہونہار جانشینوں نے مسلمانوں کو ایک لائحہ عمل دیا
تھا وہیں علمی میدان میں بھی انھوں نے بے پناہ خدمات
انجام دی ہیں۔ چنانچہ مولانا سید محبوب رضوی مرحوم لکھتے
ہیں کہ "شاہ صاحبؒ نے دانشمندانہ دیدہ دری اور ژرف
نگاہی کے ساتھ حالات کا حکیمانہ جائزہ لے کر مسلمانوں کو
متنبہ کیا۔ ان کی مساعی جمیلہ نے فیض کے دریا بہائے اور
ایک مخلوق کو علم حدیث سے سیراب کیا۔ آج برصغیر میں دینی
علوم کا چرچا۔ دینی بیداری اور شرک و بدعت سے جتنا کچھ
اجتناب نظر آتا ہے یہ سب حضرت شاہ ولی اللہؒ ہی کے
مجددانہ کارناموں کا اثر مابعد ہے۔
(تاریخ دارالعلوم دیوبند ص ۸۷)

حضرت شاہ صاحبؒ کو ایسے لائق اور ہونہار جانشین
ملے جنھوں نے ان کے قیمتی اثاثہ علوم و فنون کی حفاظت میں
کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ اور کمال دیانتداری کے ساتھ
ان کی نشر و اشاعت میں حضرت شاہ صاحبؒ کی جانشینی
کا پورا حق ادا کیا۔ نواب صدیق حسن خاںؒ نے اس خاندان
کی نسبت کیا خوب لکھا ہے کہ اس خاندان کا ہر ہر فرد علم و عمل
اور عقل و فہم اور فنون تقریر و فصاحت تحریر اور تقویٰ و
دیانت و امانت اور مراتب ولایت میں وحید عصر و یگانۂ
روزگار اور بے نظیر وقت تھا اور اسی طرح ان کی اولاد میں بھی
"ایں خانہ تمام آفتاب است" کی مکمل مصداق تھیں اور
یہ سلسلہ بالکل خالص سونے جیسا تھا (ترجمہ از اتحاف النبلاء
المتقین باحیاء مآثر الفقہاء المحدثین) چنانچہ خاندان ولی اللہؒ
ہی کے ایک دوسرے نیر تاباں حضرت مولانا شاہ محمد اسحاق صاحب
دہلویؒ (م ۱۲۶۲ھ) اپنے نانا جان حضرت شاہ عبدالعزیز
محدث دہلویؒ کی اس مسند درس و تدریس اور تعلیم و تعلم
کو آباد کئے ہوئے تھے جو شاہ ولی اللہؒ (م ۱۱۷۶ھ) کے
والد بزرگوار حضرت شاہ عبدالرحیمؒ (م ۱۱۳۱ھ) نے
دہلی میں بہت پہلے بچھائی تھی مگر ۱۲۵۸ھ میں حالات سے
مایوس و مجبور ہو کر ان کو بھی ہجرت کی راہ اختیار کرنا پڑی۔
آپ کے بعد درس حدیث کا چرچا مجددی خاندان کے ایک
بزرگ حضرت مولانا شاہ عبدالغنی مجددیؒ (م ۱۲۹۶ھ)
سے قائم تھا جو اسی خاندان ولی اللہؒ ہی کے شاگرد رشید
تھے۔ علم و عمل کے چشمے اب یہیں سے پھوٹ کر پورے
ملک کو سیراب کر رہے تھے مگر حالات زمانہ اور انقلاب وقت
نے اس محدث وقت کے جمے ہوئے قدم کو بھی ہلا ڈالا۔ اور ۱۲۷۲ھ
میں آپ بھی برصغیر کی زمین چھوڑ دینے پر مجبور ہو گئے۔
(دارالعلوم دیوبند قیام کا پس منظر مقاصد ص ۷)

غرضیکہ اس خاندان ولی اللّٰہی نے علمی، سیاسی اور تعلیمی
میدانوں میں حالات کا مقابلہ کرتے ہوئے گرانقدر خدمات انجام
دی ہیں تاریخ دارالعلوم دیوبند میں ہے کہ شاہ ولی اللہؒ
کے خاندان اور ان کے تلامذہ کی ولولہ انگیز سعی سے برصغیر
ایک ایسا دارالحدیث بن گیا جس کی مثال اس عہد کے دوسرے
اسلامی ملکوں میں مشکل سے ملے گی۔ (تاریخ دارالعلوم دیوبند ص ۸۷)

یہ وہ زمانہ تھا جس میں علم حدیث پوری دنیائے اسلام میں
ضعف و انحطاط کی آخری منزلوں سے گزر رہا تھا۔ ایسی حالت
میں علم حدیث کی اشاعت و ترویج شاہ صاحبؒ کا ایک ایسا
زبردست کارنامہ ہے جس کا مصر کے ایک جلیل القدر عالم
سید رشید رضا کو ان الفاظ میں اعتراف کرنا پڑا "اگر ہمارے
ہندوستانی علماء کی توجہ اس زمانہ میں علم حدیث کی طرف
مبذول نہ ہوتی تو مشرقی ممالک سے یہ علم ختم ہو چکا ہوتا کیوں کہ

مصر، شام، عراق اور حجاز میں دسویں صدی ہجری سے چودھویں صدی ہجری کے اوائل تک یہ علم ضعف کی آخری منزل پر پہونچ گیا تھا" (مقدمہ مفتاح کنوز السنہ صـ۱ مطبوعہ مصر)

اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہوئے مولانا مسعود عالم ندوی رح لکھتے ہیں کہ "آج ہندوستان میں ایمان اور علم دین کی جو کچھ بری بھلی متاع ہمارے پاس موجود ہے وہ سب شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رح اور ان کے جانشینوں کا صدقہ ہے اور اس دیس میں آج جہاں کہیں بھی علم اور معرفت کی سبیل جاری ہے سب کا منبع وہی ذات گرامی ہے (الفرقان شاہ ولی اللہ نمبر صـ۵۵)

(۱۸۵۷ء میں علمائے دیوبند کے کارنامے)

جب گردش زمانہ سے سلطنت مغلیہ کا ٹمٹماتا ہوا چراغ گل ہو گیا اور مسلمانوں کی بد اعمالیوں کی وجہ سے ظالم اور جابر برطانیہ قہر الٰہی کی صورت میں افق ہندوستان پر نمودار ہوا تو اس کے مقابلہ کے لئے جہاں ہندوستان کی دیگر اقوام عموماً اور مسلمان خصوصاً میدان میں نکلے وہیں علمائے دیوبند بھی کفن بر دوش ہو کر میدان کارزار میں کود پڑے۔ اس کی تھوڑی سی تفصیل مفتی ظفیر الدین مفتاحی کے قلم سے پڑھتے چلئے: "تاریخ بتاتی ہے کہ اس سراسیمگی اور حیرانی و پریشانی کے پُر آشوب زمانہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے کچھ دلدار بندوں میں جرأت و ہمت پیدا کر دی چنانچہ وہ جان و مال سے بے پرواہ ہو کر دین محمدی کی حمایت کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے اور اسلامی تعلیمات کے تحفظ اور اس کی اشاعت کے لئے سینہ سپر ہو گئے۔ دار السلطنت دہلی سے قریب تھانہ بھون ضلع مظفر نگر میں حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رح (م ۱۳۱۷ھ) کی قیادت میں علماء وقت سر جوڑ کر بیٹھے

(دار العلوم دیوبند تاریخی پس منظر مقاصد صـ۱۴)

مولانا عاشق الٰہی تذکرۃ الرشید صـ۷۴ جلد اول میں لکھتے ہیں: یہ بزرگ حاجی امداد اللہ رح کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ بلا کسی حاکم کے گذران دشوار ہے اس لئے آپ چوں کہ دینی سربراہ ہیں اس لئے دنیاوی نظام حکومت کا بار بھی اپنے سر رکھیں اور امیر المومنین بن کر ہمارے باہمی فیصلے چکایا کریں۔ اس میں شک نہیں کہ اعلیٰ حضرت (حاجی امداد اللہ رح) کو ان کی درخواست کے موافق ان کے سروں پر ہاتھ رکھنا پڑا اور آپ دیوانی و فوجداری اور جملہ مقدمات شرعی فیصلہ کے مطابق چند روز تک قاضی شریعت بن کر فیصل بھی فرماتے رہے۔ ادھر اعلیٰ حضرت کو حکومت کے فیصلے اور شرعی قضایا میں مولوی کی ضرورت تھی کہ حق بات میں اعانت کرتا رہے اس لئے آپ یعنی مولانا رشید احمد اور مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی مع خدام یہیں (تھانہ بھون میں) رہ پڑے۔

شیخ الاسلام حضرت مدنی رح تحریر فرماتے ہیں کہ "مولانا محمد قاسم صاحب کو سپہ سالار اور مولانا گنگوہی رح کو قاضی بنایا گیا" (نقش حیات صـ۴۳)

ان حضرات نے ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں کھل کر حصہ لیا اور ایک اسلامی فوجی یونٹ قائم کر کے شاملی کے میدان میں انگریزی فوج کا باقاعدہ مقابلہ کیا اور انگریزی پلٹن کو شکست دیکر توپ خانہ بھی چھین لائے اس لئے ان کا مورد عتاب ہونا یقینی تھا۔ اسی جنگ میں حافظ محمد ضامن شہید ہوئے مگر جب دہلی کے ہاتھ سے نکل جانے اور بہادر شاہ ظفر کے گرفتار کر لئے جانے کی اطلاع ملی تو حالات سے مجبور ہو کر ان حضرات کو بھی ہتھیار ڈال دینے کا فیصلہ کرنا پڑا۔ جہاد شاملی کے بعد انگریزوں نے تھانہ بھون پر حملہ کر کے قصبہ کو تباہ و برباد کر ڈالا اور گھروں کو آگ لگا کر خاکستر کر دیا۔

(نفیس الدین دار العلوم نمبر کراچی صـ۲۸۱)

غور کیجئے کہ ان نہتے اور بے سروسامان سرفروش علماء نے کس قدر بلند ہمتی سے ایک منظم طاقت برطانیہ

سے ٹکرلی۔ اب ان علماء پر انگریزوں کے مظالم کی روح فرسا داستان بھی پڑھئے۔

(۱۸۵۷ء کے بعد علماء اور شاہی خاندان اور عام مسلمانوں سے انگریزوں کا انتقام)

جہادِ آزادی میں حصہ لینے والوں کو تختۂ دار پر لٹکایا جا رہا تھا اور سخت سے سخت سزائیں دی جا رہی تھیں۔ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رح مولانا گنگوہی رح مولانا نانوتوی رح کے نام وارنٹ گرفتاری جاری ہو چکے تھے۔ اور گرفتار کنندہ کیلئے صلہ تجویز ہو چکا تھا اس لئے لوگ تلاش میں ساعی اور حراست کی تگ و دو میں پھرتے تھے۔ (تذکرۃ الرشید ج ۱۔ صفحہ ۷۷)

حضرت حاجی امداد اللہ رحمۃ نے چند مہینے انبالہ نگری پنج لاسہ وغیرہ مواضعات وقصبات میں چھپکر گذارے پھر سندھ اور کراچی کے راستہ عرب تشریف لے گئے۔ (نئی دنیا عظیم مدنی نمبر صفحہ ۳۹)

مولانا گنگوہی رح کو رامپور سے گرفتار کرکے سہارنپور جیل میں تین یوم کال کوٹھری اور پندرہ دن جیل خانہ کی حوالات میں رکھا گیا اس کے بعد ننگی تلواروں کے سایہ میں براہ دیوبند پیادہ مظفرنگر لایا گیا۔ جہاں آپ چھ ماہ (اور مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند کے مطابق نو ماہ) قید رہے

(سوانح قاسمی ج ۲ صفحہ ۲۰)

(ایسٹ انڈیا کمپنی اور باغی علماء صفحہ ۱۲۸)

آپ کا مقدمہ چلتا رہا اور خطرہ یہ تھا کہ کہیں آپ کو پھانسی کا حکم نہ ہو جائے۔ جب آپ کے خلاف کوئی (کافی) ثبوت نہ مل سکا تو جنوری ۱۸۶۰ء ۱۲۷۶ھ میں آپ کو رہا کر دیا گیا

(نفیس الدین دارالعلوم نمبر کراچی صفحہ ۲۸)

حضرت نانوتوی کو چوں کہ اللہ تعالیٰ نے کمال شجاعت استقلال اور ہمت قلب عطا فرمائی تھی اس لئے وہ ہر قسم کے نتیجہ سے بے نیاز ہو کر کھلے بندوں پھرتے تھے مگر اعزاء و اقارب اور ہمدردوں کی طرف سے جب شدید اور بلیغ اصرار ہوا کہ حضرت وقت کی نزاکت کے پیش نظر ضرور روپوش ہو جائیں تو ان کے اصرار کی وجہ سے تین دن روپوش رہے۔

(بانی دارالعلوم دیوبند صفحہ ۴۸)

مولانا مناظر احسن گیلانی لکھتے ہیں "تین دن پورے ہوتے ہی ایک دم باہر نکل آئے اور کھلے بندوں پھرنے چلنے لگے۔ لوگوں نے پھر بہ منت روپوشی کے لئے عرض کیا تو فرمایا کہ تین دن سے زیادہ روپوش ہونا سنت سے ثابت نہیں کیوں کہ حضور ص ہجرت کے وقت غارِ ثور میں تین ہی دن روپوش رہے تھے"۔

(سوانح قاسمی ج ۲ صفحہ ۱۶۲)

انگریزوں نے چوں کہ اپنا اصل حریف اور دشمن مسلمانوں کو تصور کیا اور ہندوؤں کو اپنا دوست خیال کیا جس کا کھلم کھلا اظہار کرتے ہوئے گورنر ہند لارڈ ایلن برا نے ۱۸۴۳ء میں ڈیوک آف ولنگٹن کو لکھا ہے کہ میں اس عقیدہ سے چشم پوشی نہیں کر سکتا کہ مسلمانوں کی قوم اصولاً ہماری دشمن ہے اس لئے ہماری حقیقی پالیسی یہ ہے کہ ہم ہندوؤں کی رضا جوئی کرتے رہیں (ان ہیپی انڈیا صفحہ ۳۹۹)

چنانچہ انگریزوں نے مسلمانوں ہی سے دل کھول کر انتقام لیا اور اپنے دلوں کی بھڑاس نکالی۔ تھوڑی سی تفصیل ملاحظہ ہو۔

مورخ اسلام مولانا سید میاں صاحب کا محتاط قلم لکھتا ہے کہ استخلاص وطن کی آخری جدوجہد میں ناکامی کے بعد ایک ایک کرکے ہر اس شخص کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا یا جلا وطن کر دیا گیا جس نے تحریک حریت میں کوئی بھی جدوجہد کی تھی۔ سینکڑوں علماء ہیں جنھوں نے دار و رسن کی مظلومانہ موت کو لبیک کہا اور جام شہادت پی کر ہمیشہ کے لئے خاموش ہو گئے

ہزاروں خاندان ایسے جو جاہ و جلال کی سربلندیوں پر تھے، تباہی اور خانہ بربادی کی پستیوں میں گر گئے۔ اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً اَفْسَدُوْهَا وَجَعَلُوْا اَعِزَّةَ اَهْلِهَا اَذِلَّةً کے اصول کا نقشہ منقش بن کے آیا۔ نتیجہ یہ کہ انقلاب کی تباہ کاریوں نے مسلمانوں کو اس درجہ پست ڈالا کہ عمل تو درکنار سیاست کے نام سے بھی وہ لرزنے لگے۔

(علمائے حق اور ان کے مجاہدانہ کارنامے حصہ اول ص۴۹)

شاہی خاندان سے انتقام

غرضیکہ تحریک آزادی میں حصہ لینے والے سربرآوردہ اور چیدہ چیدہ لوگوں کو چن چن کر قتل کیا گیا۔ سلطنت مغلیہ کے آخری چشم و چراغ اور حسرتوں کے مزار بہادر شاہ ظفر بھی حکومت سے محروم کر دیے جانے کے بعد رنگون جلا وطن کئے جا چکے ہیں اور ان کے جگر گوشوں اور اہل خاندان کو بھی ان سفاک ظالموں نے نہیں بخشا بلکہ انھیں بھی وہ گولیوں سے بھون کر ابدی نیند سلا چکے ہیں۔ سر ولیم میور اپنی کتاب "بغاوت ہند" میں بعض خفیہ دستاویزوں کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتا ہے کہ "۱۸ نومبر ۱۸۵۷ء کی صبح کو چوبیس شاہزادوں کو دہلی میں تختۂ دار پر لٹکایا گیا جس میں بادشاہ کے داماد، برادران نسبتی بھانجے اور بھتیجے شامل تھے۔ جھجر، بلب گڑھ، فرخ نگر، فرخ آباد کے رئیسانے جنگ آزادی میں بہت نمایاں حصہ لیا تھا چنانچہ ان میں سے بعض کو سولی پر لٹکایا گیا اور بعض کو عبور دریائے شور کی سزا ملی۔

(۱۸۵۷ء کوائف و صحائف ص۱۳۰)

علماء اور مسلمانوں کا قتل عام

مؤرخ کا قلم جس طرح یورش بغداد کے واقعہ ہائلہ کا ذکر کرتے ہوئے خون کے چھینٹے برساتا ہے اسی طرح ۱۸۵۷ء کے جہاد حریت کا ذکر کرتے ہوئے وہ خون کے آنسو صفحۂ قرطاس پر چھوڑتا ہے

(الرشید دارالعلوم ص۹۵ ۳)

اس میں دو لاکھ مسلمان شہید ہوئے جن میں ساڑھے گیارہ ہزار علمائے کرام تھے۔ جنگ کے بعد انگریز لمبے کرتے اور داڑھی والوں کے اس درجہ خلاف تھے کہ جہاں اس قسم کے لوگوں کو دیکھتے پھانسیاں دیدیتے (ہفت روزہ الجمعیۃ ۱۸ ستمبر ۱۹۷۰ء) ایڈورڈ ٹائمس نے شہادت دی کہ صرف دہلی میں پانچ سو علماء کو پھانسی دی گئی (ریشمی رومال مطبوعہ لاہور صفحہ ۲۵)

جامع مسجد دہلی کا خونیں ڈرامہ

۲۰ ستمبر ۱۸۵۷ء کو پوری دہلی پر انگریزوں کا قبضہ ہو گیا تھا اس دن جامع مسجد بھی انگریزوں کے قبضہ میں آئی۔ مسجد کے صحن میں مسلمانوں کو قتل کیا گیا۔ انگریز شہر کی گلیوں اور کوچوں میں پھیل گئے جہاں عورتوں، بچوں، مردوں کو پایا قتل کر دیا۔ ہر طرف لاشوں سے گلیاں بھر گئیں خون برسات کے پانی کی طرح بہنے لگا۔ ستائیس ہزار عام مسلمان شہید ہوئے۔

(قیصر التواریخ ج ۲۔ صفحہ ۲۵۵)

سات دن تک نہیں مہینوں تک دہلی میں مسلمانوں کا قتل عام ہوا۔ دہلی کی معزز ہستیاں گرفتار ہوئیں۔ پھانسی پر چڑھائی گئیں۔ (۱۸۵۷ء کے مجاہد شعراء صفحہ ۱۶۹)

بانی دارالعلوم دیوبند کے مصنف لکھتے ہیں کہ ظالم انگریز ان دنوں اہل ہند پر عموماً اور مسلمانوں پر خصوصاً سفاکانہ اور قاتلانہ حربے استعمال کر رہا تھا اور نہایت بے دردی کے ساتھ مظلوم مسلمانوں کے ناحق خون سے ہولی کھیلتا تھا وہ کون سی حیا سوز اور دل آزار حرکت تھی جو اس ظالم نے مجاہدوں کے خلاف روا نہ رکھی تھی؟ اور وہ کون سی غیر انسانی کارروائی تھی جو اس نے چھوڑ دی تھی؟ اس وقت انگریزوں کا ظلم و جور اور تعدی و ستم اپنے نقطۂ عروج پر تھا۔

(بانی دارالعلوم دیوبند صفحہ ۸۴)

اس ہنگامہ میں انگریز نے مسلمانوں کے ساتھ کیسی گھناؤنی حرکت کی اس کا بھی تھوڑا سا نمونہ دیکھتے چلئے۔ مسٹر رسل کا یہ مقولہ ہے کہ مسلمانوں کو خنزیر کی کھالوں میں سی دیا گیا اور قتل کرنے سے قبل خنزیر کی چربی ان کے بدن پر ملی گئی اور پھر

انھیں جلایا گیا۔ (تمغہ کا دوسرا رُخ مصنفہ ایڈورڈ ٹامس سنہ ۱۸۵۹ء ملاحظہ کیجئے کہ ظالم برطانیہ نے کس قدر سفاکانہ اور حیا سوز حرکتیں مسلمانوں پر روا رکھیں اور کس قدر ان کے بے گناہ خون سے ہولی کھیلی گئی۔ (بانی دار العلوم دیوبند صفحہ ۱۸)

غرضیکہ انگریزوں نے مسلمانوں سے بری طرح انتقام لیا اور ان کے حیا سوز کارنامے اخلاقی قدروں کو پامال کرکے انسانیت کی حدود پار کر چکے تھے بلکہ انسانیت خود بھی اپنا دم توڑ چکی تھی۔

۱۸۵۷ء کے بعد ملک میں عیسائی مشینری (اور اس کی سرگرمیاں)

ہندوستان میں مسلمانوں کے ہاتھوں سے سلطنت اور اقتدار جانے کی دیر تھی کہ مختلف قسم کے مذہبی فتنے عذاب الٰہی کی صورت میں نمودار ہوئے اور ساون کے مینڈکوں کی طرح بازاروں اور کوچوں گلیوں اور محفلوں میں پادری صاحبان جوق در جوق اور جماعت در جماعت گردش کرتے ہوئے اور مسلمانوں کے دین ایمان پر ڈاکے ڈالتے ہوئے نظر آنے لگے اور ہندوستان میں شاید ہی کوئی قابلِ ذکر شہر اور خوش نصیب قصبہ ایسا ہوگا جس کو پادری صاحبان نے اس دور میں اپنے منحوس پاؤں سے نہ روندا ہو اور اسلام کے خلاف خوب زہر اُگل کر مسلمانوں کی دل آزاری نہ کی ہو اور جارحانہ رنگ میں عیسائیت کی تبلیغ میں کوئی کمی چھوڑی ہو اور مسلمانوں کو چیلنج نہ دیا ہو۔ (بانی دار العلوم دیوبند صفحہ ۲۴-۲۵)

چنانچہ ۱۸۵۵ء میں پادری اے۔ ایڈمنڈ نے دار الامارت کلکتہ سے عموماً لوگوں کے پاس اور خصوصاً سرکاری ملازمین کے پاس خطوط بھیجے جن کا مطلب یہ تھا کہ اب تمام ہندوستان میں ایک عملداری ہوگئی ہے تار برقی سے سب جگہ کی خبر ایک ہوگئی۔ ریلوے سے سب جگہ کی آمد و رفت ایک ہوگئی۔ اس لئے آپ کو بھی صرف ایک مذہب عیسائی میں داخل ہونا چاہئیے۔ (اسباب بغاوت ہند صفحہ [illegible]-۲۲)

انڈیا کی سپریم کونسل کے باوقار رکن سر چارلس ٹریلیون جو حکومت کی طرف سے گورنری کے بلند عہدے پر فائز تھا پورے وثوق سے یہ کہتے ہوئے کہ بدرجہ الیقین یہ امید رکھتے ہوئے تھا کہ جس طرح ہمارے بزرگ کل کے کل یک ساتھ عیسائی ہوگئے تھے اسی طرح یہاں ہندوستان میں بھی ایک ساتھ عیسائی ہو جائیں گے۔ ملک میں مذہب عیسوی کی تعلیم، مذہبی کتابوں، اخباروں اور پورپینوں سے بات چیت وغیرہ کے ذریعہ نفوذ کرے گی۔ حتیٰ کہ عیسوی مذہب سوسائٹی میں اثر کر جائے گا تب ہزاروں کی تعداد میں عیسائی ہوا کریں گے۔

(بحوالہ سیرت مولانا محمد علی مونگیری صفحہ [illegible])

(بحوالہ مسلمانوں کا روشن مستقبل صفحہ [illegible])

اور برطانوی دار العوام کے رکن مسٹر سینگلیس نے ۱۸۵۷ء کے آغاز میں پارلیمان میں تقریر کرتے ہوئے کہا تھا "خداوند تعالیٰ نے ہمیں یہ دن دکھایا ہے کہ ہندوستان کی سلطنت انگلستان کے زیر نگیں ہے تاکہ عیسیٰ مسیح کی فتح کا جھنڈا ہندوستان کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک لہرائے۔ ہر شخص کو اپنی تمام تر قوت تمام ہندوستان کو عیسائی بنانے کے عظیم الشان کام کی تکمیل میں صرف کرنی چاہئیے۔ اور اس میں کسی طرح تساہل نہ کرنا چاہئیے۔ (حکومت خود اختیاری صفحہ ۳۶) (علمائے حق اور ان کے مجاہدانہ کارنامے) حصہ اول صفحہ ۳۶)

۱۸۵۸ء میں انگلستان میں ایک انجمن اس غرض سے قائم کی گئی کہ ہندوستان میں تبلیغ عیسائیت کیلئے لٹریچر فراہم کیا جائے اس انجمن (کرسچین لٹریری سوسائٹی) نے ۱۸۶۳ء میں اپنی کوششوں کو پُر اثر بنانے اور مساعی کو منظم کرنے کے لئے "لیورپول میں مبلغوں کی کانفرنس طلب کی اور بڑے پیمانے پر ہندوستانیوں کو بپتسمہ دینے کا پروگرام بنایا ۱۸۹۲ء میں انگلستان کے وزیر اعظم لارڈ پامرسٹن اور وزیر ہند چارلس وڈ سے ایک وفد نے ملاقات کی۔ وفد کا سربراہ بشپ آف کنٹربری تھا۔ وفد نے ہندوستان میں مشینری سرگرمیوں کی طرف توجہ دلائی تو چارلس وڈ نے کہا "میرا ایمان ہے کہ وہ نیا عیسائی جو ہندوستان میں عیسائیت قبول کرتا ہے وہ انگلستان سے نئے رابطہ کا باعث بنتا ہے اور حکومت کے استحکام کا ذریعہ ہے" وزیر اعظم لارڈ پامرسٹن نے اس

موقع پر کہا "میں سمجھتا ہوں کہ ہم سب اپنے مقصد میں متحد ہیں، یہ ہمارا فرض ہی نہیں بلکہ خود ہمارا مفاد بھی اس امر سے وابستہ ہے کہ ہم عیسائیت کو ہندوستان کے کونہ کونہ تک پھیلا دیں"
(دی مشن صفحہ ۲۳۴)

لارڈ لارنس (وائسرائے ہند ۱۸۶۴ء سے ۱۸۶۹ء) نے ایک موقع پر کہا تھا "کوئی چیز بھی ہماری سلطنت کے استحکام کا اس سے بڑھ کر سبب نہیں ہو سکتی کہ ہم عیسائیت کو ہندوستان میں پھیلا دیں" (لارڈ لارنس کی زندگی صفحہ ۳۱۳)

۱۸۶۴ء میں کشمیر میں مشن قائم ہوا تو لیفٹننٹ گورنر سر آر منٹگمری نے ایک ہزار روپے چندہ دیا چرچ تعمیر ہوتے رہے اور مشنریوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا رہا۔
(الرشید دارالعلوم نمبر صفحہ ۴۷۲)

خود انگریز افسروں کا طرزِ عمل یہ تھا کہ ان میں سے بعض اپنے ملازموں کو حکم دیتے تھے کہ ہماری کوٹھی پر آکر پادری کا وعظ سنو اور ایسا ہی ہوتا تھا۔ (اسباب بغاوت ہند صفحہ ۱۲۲)

مختصر یہ کہ لوگوں کی مجبوری و بیکسی اور ان کی غربت و افلاس کو بہانہ بنا کر ان سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے انھیں عیسائی مذہب اختیار کرنے پر مجبور کیا جا رہا تھا اس لئے کہ انگریزوں کی پالیسی یہی تھی کہ جس طرح بھی ممکن ہو پورا برصغیر عیسائی مذہب قبول کرلے اور اس کے دامن سے منسلک ہو جائے تاکہ حکومت کو کسی قسم کا کوئی خطرہ باقی نہ رہے۔

(انگریزوں کے عزائم)

اس وقت انگریز کے اہل ہند اور خصوصاً مسلمانوں کے خلاف کیا عزائم تھے؟ اور وہ ہندوستان میں کیا دیکھنا اور کیا کرنا چاہتا تھا؟ اور کس حد تک وہ کر چکا ہے جب ہم تاریخ کے اس موڑ پر آتے ہیں اور تاریخ کے اوراق میں وہ دل گداز واقعات پڑھتے اور دیکھتے ہیں تو ہماری آنکھیں پُرنم ہو جاتی ہیں، ہاتھ میں قلم لرزتا ہے۔ دل سیماب کی طرح بے قرار ہو جاتا ہے۔ سانس رکنے لگتا ہے اور آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا جاتا ہے (بانی دارالعلوم دیوبند صفحہ ۱۵)

انگریزوں کا منصوبہ اور مقصد صرف یہی نہیں تھا کہ ہندوستان سے مسلمانوں کا مکمل استیصال اور خاتمہ کر دیا جائے بلکہ انھوں نے ان کے ایمان و یقین کی بنیاد یعنی احکامِ قرآنی اور اس کی تعلیمات اور علوم نبوی کو بھی متزلزل کرنے اور ان کو یکسر مٹانے کی ناپاک کوشش کی تھی اور ان کے دین و ایمان پر ڈاکہ ڈالنے کی سعی نامام تھی۔ چنانچہ بانی دارالعلوم کے مصنف لکھتے ہیں کہ "سب سے زیادہ خطرناک اور مہلک طریقہ جو انگریز نے تجویز اور اختیار کیا تھا وہ یہ تھا کہ قرآن کریم اور اس کی تعلیم اور علوم اسلامیہ کو یکسر مٹا دیا جائے تاکہ ایمان و ایقان کی وہ پختگی جو مسلمانوں کو حاصل ہے بالکل ختم ہو جائے اور عیسائیت کا راستہ ان کیلئے سہل اور ہموار ہو جائے اور اس کے مقابلہ میں انگریزی تعلیم کو اس قدر عام اور رائج کر دیا جائے کہ کوئی شخص اپنے لئے اس کے سوا چارہ کار نہ پائے آگے لکھتے ہیں کہ "قرآن کریم جیسی جامع و مکمل بے نظیر اور انقلاب انگیز کتاب کی بے پناہ قوت اور طاقت سے خائف اور بدحواس ہو کر برطانیہ کے مشہور ذمہ دار وزیر اعظم گلیڈ اسٹون نے بھرے مجمع میں قرآن کریم کو اٹھاتے ہوئے بلند آواز سے یہ کہا تھا "جب تک یہ کتاب دنیا میں باقی ہے دنیا متمدن اور مہذب نہیں ہو سکتی (بحوالہ خطبۂ صدارت صفحہ ۱۵ اجلاس پنجاہ سالہ آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس علی گڑھ از حضرت مدنی رح)

اور ہنری ہرینگٹن طامس نے کہا "مسلمان کسی ایسی گورنمنٹ کے جس کا مذہب دوسرا ہو اچھی رعایا نہیں ہو سکتے اس لئے کہ احکام قرآنی کی موجودگی میں یہ ممکن نہیں ہے۔
(بحوالہ حکومت خود اختیاری صفحہ ۵۵)

اور اسی لئے قرآن کریم کو مٹانے اور مسلمانوں کے اسلامی جذبات کو ہندوستان سے نیست و نابود کرنے کے لئے ایسے ایسے حربے استعمال کئے گئے کہ شیطان بھی دم بخود رہ گیا۔ (بانی دارالعلوم دیوبند صفحہ ۲۳)

اور اسلام کیلئے ان ناسازگار حالات میں رائے قائم کرنیوالوں نے یہاں تک رائے قائم کی کہ "اب اسلام صرف چند سالوں کا مہمان ہے (موجِ کوثر صفحہ ۱۰۸)

اور انگریزوں کے ایک بڑے ماہرِ تعلیم لارڈ میکالے نے تو صاف اور کھلے لفظوں میں کہا کہ "ہماری تعلیم کا مقصد ایسے نوجوان پیدا کرنا ہے جو اگر رنگ و نسل کے اعتبار سے ہندوستانی ہوں تو دل اور دماغ کے اعتبار سے فرنگی۔"

(بحوالہ مدینہ بجنور ۲۸ فروری ۱۹۳۶ء)

مسلمانوں کی اپنے دین سے غفلت و جہالت (اور بدعت وغیرہ کا عروج)

بے دینی کا سیلاب یہیں نہیں رکتا۔ مغربی قوم حکمراں بنی تو یورپ کی مغربی تہذیب اپنے تمام آثار و عواقب ہمراہ لائی۔ عریانی، فحاشی، شراب نوشی اور تمام وہ غلاظتیں (جو یورپ کی گندی تہذیب کے اجزاء لازمہ ہیں) پھیلنے لگیں اس نازک ترین دور میں مسلمانوں کی دین سے غفلت و جہالت اور لاپرواہی و بے راہ روی کی تفصیل بانی دارالعلوم دیوبند کے مصنف کے قلم سے پڑھتے چلئے۔ "دین سے غفلت اور بے خبری اکثر مسلمانوں کے دلوں پر اس طرح چھائی ہوئی تھی جس طرح موسم برسات میں سیاہ اور گھنے بادل آفتاب کو ڈھانپ لیتے اور دن کو رات بنا دیتے ہیں۔ غرضیکہ دلوں کی دنیا کچھ ایسے رنگ میں پلٹی ہوئی تھی کہ بربادی کا نام شادی جہل کا نام علم مشرکانہ رسوم کا نام دین اور خرافات و شعبدہ بازی کا نام کشف و کرامات تجویز کر رکھا تھا۔ ضلالت و گمراہی کا طوفان ہدایت اور رشد کی مضبوط دیواروں سے ٹکراتا اور شور مچاتا ہوا چلا جاتا تھا۔ علم شریعت کی تحقیر اور سنت نبویہ کی تذلیل و توہین بڑھتی جاتی تھی۔ عوام علمائے حق سے اپنے آپ کو مستغنی اور بے نیاز سمجھتے تھے۔ محدثات اور بدعات کو جزو اسلام بنا لیا گیا تھا۔ کہیں نیچریت سر اٹھاتی تھی تو کہیں اہل باطن بدعات میں منہمک تھے۔ کہیں رفض و تشیع کا غلبہ تھا تو کہیں عدم تقلید جنم لے رہی تھی۔ کہیں ڈھول و سارنگی کھڑکتی اور قوالیاں ہوتی تھیں تو کہیں بازاری عورتوں کے گانے پر وجد و حال کی محفلیں گرم دکھائی دیتی تھیں۔ کہیں گور پرستی اور تعزیہ پرستی کا عروج تھا تو کہیں حب جاہ و مال اور طمع نفسانی کی امنگیں پورے جوبن پر تھیں۔" (بانی دارالعلوم دیوبند۔ صفحہ ۳۹-۴۰)

مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند لکھتے ہیں کہ "عوام و خواص کے دل و دماغ سے دینی شعور رفتہ رفتہ ختم ہوتا چلا جا رہا تھا۔ جہل و گمراہی کا دلوں پر راج تھا اور یہ جہالت کا راج ہر نئے دن کچھ زیادہ ہی مستحکم ہو رہا تھا۔ وہ زمانہ اب کہاں رہ گیا تھا کہ سنت پیغمبر یا حکم الٰہی کا اجرا ہو اب تو ان کے بجائے جاہلانہ رسوم و رواج شرک و بدعت اور ہوا و ہوس کا راج تھا۔ وہ روشنی جو مشرق کی خصوصیت تھی ختم ہو رہی تھی اس کی جگہ وہ آفتاب طلوع ہو رہا تھا جو مغربی تہذیب و تمدن سے متعلق تھا جس کی کرنیں اپنی جلو میں دہریت، الحاد، فطرت پرستی، نفس پروری اور آزادیٔ فکر لئے ہوئے تھیں۔ ان خواہشات نے نگاہوں کو خیرہ کر دیا تھا۔ دلوں کو بے ذوق بنا دیا تھا اب وہ انسان خال ہی خال نظر آتے تھے جو اسلامی خد و خال کو پہچان سکیں۔ (الرشید دارالعلوم نمبر صفحہ ۴۲۹) (دارالعلوم دیوبند کی صد سالہ زندگی صفحہ ۱۳) آگے چل کر لکھتے ہیں" ان حالات سے یقین ہو چلا تھا کہ سرزمین ہند سے اسلام کا چمن کسی لمحہ بھی اجڑ سکتا ہے۔ یہاں بھی اب وہی تاریخ دہرائی جانے والی ہے جس کا ایک مظاہرہ سرزمینِ اسپین میں ہو چکا ہے۔

(دارالعلوم دیوبند کی صد سالہ زندگی صفحہ ۱۴)

علماء حق کا اجتماع اور باہمی مشورے

یہ تھے وہ مختصر اور روح فرسا و بھیانک اسباب جن کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہو گئی کہ "اس نازک دور میں سیاست اور مذہب کا سب سے بڑا مطالبہ یہی تھا کہ ملت اسلامیہ کو ڈاکوؤں اور رہزنوں اور ایسے افراد سے بچایا جائے جو مارِ آستین ہوں۔ اور ایک ایسا نظام قائم کر دیا جائے جس کے ذریعہ مسلمان مسلمان رہ سکے۔ یہی وقت کا اہم ترین فریضہ تھا۔ اگر

مسلمان مسلمان ہوگا، اسلام اسلام ہوگا تو سیاست
کے انقلابات میں کبھی وہ بازی لیجائے گا۔ "تلک الایام
نداولہا بین الناس" (القرآن)

(علماء حق اور ان کے مجاہدانہ کارنامے حصہ اول ص۵)

اس لئے ان بدترین حالات میں چند نفوس قدسیہ
کے دلوں میں خلش اور کسک کا پیدا ہونا قدرتی امر
تھا۔ ان حضرات نے الہامی طور پر یہ ضرورت محسوس کی
کہ دین کے تحفظ کی قدرتی کوئی نہ کوئی صورت پیدا کی جائے
کوئی نہ کوئی سبیل ایسی نکالی جائے کہ ستم رسیدہ
مسلمان محفوظ ہو سکیں۔ وقت کے یہ اولیاء اللہ
ایک جگہ جمع ہوئے اور اپنے اپنے واردات قلبی کو بیان
کیا۔ اس سب کا خلاصہ صرف یہ تھا کہ اس وقت بقائے دین
کی صورت اس کے علاوہ اور کوئی نہیں کہ دینی تعلیم کے
ذریعے مسلمانوں کی حفاظت کی جائے۔ ایک ایسی درسگاہ
قائم کی جائے جس میں علوم نبویہؐ کی تعلیم کا انتظام ہو اور
اس کی مدد سے مسلمانوں کی دینی معاشرتی اور تمدنی زندگی
اسلام کے سانچے میں ڈھلنے لگے۔ ایسا مدرسہ ہی مسلمانوں
کی داخلی رہنمائی کر سکتا ہے اور ایسے مدرسے کے ذریعہ
ہی مسلمانوں کی خارجی مدافعت ہو سکتی ہے۔

(الرشید دار العلوم نمبر ص۳۲۹-۳۳۰)

دار العلوم دیوبند کا قیام اور اس کے مقاصد

حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور آپ کے
رفقائے کار نے فراست ایمانی اور بصیرت سے
اندازہ کر لیا کہ اگر ان نازک حالات میں مذہبی اور دینی
طور پر مسلمانوں کی حفاظت و تربیت کا کوئی معقول اور
خاطر خواہ انتظام نہ کیا گیا اور قرآن و حدیث، فقہ و
تاریخ اسلامی اور سلف صالحین کے اعلیٰ کارناموں
ابتداء سے ان کو باخبر نہ رکھا گیا تو سخت خطرہ ہے کہ
(العیاذ باللہ) مسلمان کہیں نصرانیت اور دیگر فتنوں
کے دام ہمرنگ زمین ہی میں نہ الجھ جائیں۔ جس جال کو
پھیلانے میں شاطران فرنگ اور پنڈتوں اور دیگر باطل
پرستوں کے عزائم و مساعی کوئی راز پنہاں نہ تھے۔
مسلمانوں کی اجتماعی شیرازہ بندی کو پراگندہ کرنے اور
آئندہ ان کو دینی ماحول اور دینی علوم و فنون سے
بے بہرہ رکھنے کی جو کوشش و کاوش اس ملک میں
ہو رہی تھی اُن تمام پریشانیوں کو سوچنے اور سمجھنے
کے لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت نانوتویؒ اور آپ کے رفقائے
کار کو نتیجہ رس دماغ اور سیماب کی طرح بیقرار دل
مرحمت فرمایا تھا جو مستقبل بعید کو اپنے تدبّر و تفکّر
کے آئینہ میں حال کی طرح دیکھ رہے تھے اور متلاشیانِ
حق کے ایک ایک فرد کو زبانِ حال سے پکار پکار کر یہ
کہہ رہے تھے

"کھول کر آنکھیں مرے آئینۂ گفتار میں
آنے والے دور کی دھندلی سی اک تصویر دیکھ"

(بانی دار العلوم دیوبند ص۳۷)

مولانا محمد یوسف بنوریؒ لکھتے ہیں کہ "جو حقائق میری
آنکھوں کے سامنے ہیں وہ مجھے مجبور کر رہے ہیں کہ میں
علی رؤوس الاشہاد یہ دعویٰ کروں کہ اگر سرزمین دیوبند
سے علم و معرفت کا یہ چشمۂ صافیہ نہ بہہ نکلا ہوتا تو تیرھویں
صدی ہجری کے اواخر میں ہندوستان سے قرآن و سنت
کے علوم کا خاتمہ ہو گیا ہوتا۔

(الرشید دار العلوم دیوبند نمبر ص۱۵۰)

چنانچہ دیوبند کی ایک چھوٹی سی مسجد میں جو مسجد چھتہ
کہلاتی ہے ایک انار کا درخت تھا، اس درخت کے
نیچے ۱۵ محرم الحرام ۱۲۸۳ھ مطابق ۳۰ مئی ۱۸۶۶ء کے
روز سعید آب حیات کا یہ چشمہ پھوٹا اور اس چشمہ نے
ایک طرف تو دین کے چمن کی آبیاری شروع کی۔ دوسری
طرف شرک و بدعت فطرت پرستی، الحاد و دہریت کے
ان خس و خاشاک کو بہانا شروع کیا جو مسلمانوں کے

قلوب میں جڑیں پکڑ چکے تھے اور جن کی وجہ سے مسلمانوں کو یہ پستی اور روز بد دیکھنا پڑ رہا تھا (الرشید دارالعلوم نمبر ص۲۱۲)
اس صاف اور شفاف چشمہ سے نہریں اور ندیاں پھوٹ پھوٹ کر نکلیں اور ایشیا بھر کے مردہ دلوں کو زندہ اور اُجڑے ہوئے قلوب کو لہلہاتا ہوا چمن بنا دیا۔

(بانی دارالعلوم دیوبند ص۴۲)

اس مدرسہ کے آغاز کی خبر جب بنانے والوں نے مکہ مکرمہ میں حضرت حاجی امداد اللہؒ کو بتائی اور یہ کہا کہ حضرت ہم نے دیوبند میں ایک مدرسہ قائم کیا ہے اس کیلئے دعا فرمائی جائے تو حضرت حاجی صاحبؒ نے فرمایا "سبحان اللہ" آپ فرماتے ہیں ہم نے مدرسہ قائم کیا ہے یہ خبر نہیں کہ کتنی پیشانیاں اوقاتِ سحر میں سربسجود ہو کر گڑگڑاتی رہیں کہ خداوندا: ہندوستان میں بقائے اسلام اور تحفظ علم کا کوئی ذریعہ پیدا کر۔ یہ مدرسہ اُن ہی سحرگاہی دعاؤں کا ثمرہ ہے۔ یہ دیوبند کی قسمت ہے کہ اس دولت گرانقدر کو یہ سرزمین لے اُڑی۔ (علماء حق اور ان کے مجاہدانہ کارنامے حصہ اول ص۱۷ (سوانح قاسمی ج ۲ - ص۲۲۳)

دارالعلوم دیوبند کا قیام جہاں شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی علمی و فکری تحریک اور سید احمد شہیدؒ اور شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کی دعوت اصلاح و جہاد اور احیائے اسلام و علوم دینی کی تحریک کے سلسلہ کی کڑی تھا وہیں اس درسگاہ کے قیام کا بنیادی مقصد یہ بھی تھا کہ اسلام اور اسلامی علوم کو مٹانے کی جو کوششیں لارڈ میکالے کے اس نظام تعلیم کے ذریعہ کی جارہی ہیں کہ "ہمیں اس وقت بس ایک ایسا طبقہ پیدا کرنے کی سعی کرنی چاہیئے جو ہمارے اور ان کروڑوں انسانوں کے درمیان ترجمانی کے فرائض انجام دے سکے جن پر ہم اس وقت حکمراں ہیں۔ ایک ایسا طبقہ جو خون اور رنگ کے اعتبار سے ہندوستانی مگر ذوق، طرز فکر اور فہم و فراست کے نقطہ نظر سے انگریز"۔ اسے ناکام بنا کر اسلامی علوم کی ٹھیک ٹھیک حفاظت کی جائے۔ اور ایسے جاں نثار علماء کی ایک کھیپ تیار کر دی جائے جو سخت سے سخت حالات میں دین کو نہ صرف محفوظ رکھ سکیں بلکہ اس کو دوسروں تک پھیلا اور پہونچا سکیں اور اس طرح عام مسلمان الحاد اور بے دینی کے اُن فتنوں سے باخبر ہو سکیں جو مغربی طرز فکر اپنے ساتھ لائیگا تاکہ جب کبھی مسلمانوں کو مغرب کے سیاسی اقتدار سے آزادی نصیب ہو تو انہیں اسلامی نظام زندگی قائم کرنے کے اسلام کی ہدایات جوں کی توں محفوظ مل جائیں اور وہ ان کی بنیاد پر اپنے مستقبل کی تعمیر کر سکیں۔

(الرشید دارالعلوم نمبر ص۱۴۲)

مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند "سوانح قاسمی" کے مقدمہ میں لکھتے ہیں۔ کہ "اگر لارڈ میکالے نے یہ کہہ کر اپنا نظام تعلیم ہندوستان میں پھیلایا کہ ہماری تعلیم کا مقصد ایسے نوجوان پیدا کرنا ہے جو رنگ و نسل کے لحاظ سے ہندوستانی ہوں اور روح و فکر کے لحاظ سے انگریز" تو بانی دارالعلوم مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے دارالعلوم دیوبند کی بنیاد ڈالتے ہوئے لسان حال سے یہ عملی صدا بلند کی کہ ہماری تعلیم کا مقصد ایسے نوجوان تیار کرنا ہے جو رنگ و نسل کے لحاظ سے ہندی و سندھی ایرانی و افغانی، خراسانی و ترکستانی ہوں لیکن روح و فکر کے لحاظ سے عربیت و اسلامیت کی روح سے معمور اور بھرپور ہوں" (سوانح قاسمی ج ۱ ص۵)

مولانا فاضل حبیب اللہ رشیدی مدیر "الرشید" ساہیوال (پاکستان) لکھتے ہیں کہ "دارالعلوم کا اساسی کام تعلیم کتاب اللہ تدریس سنت حدیث رسول اللہؐ اور تفقہ فی دین اللہ کی روشنی میں ایسے علماء مجاہدین، محدثین، فقہاء امت، رجال کار پیدا کرنا تھا جو دل و دماغ کے اعتبار سے صحیح مسلمان اور قلب و فکر کی گہرائیوں سے نمونہ کے مسلمان ہوں"۔

(الرشید دارالعلوم نمبر ص۲۵۱)

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی دارالعلوم دیوبند کے قیام کا اصل محرک حمیت دینی کو قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ جس امتیاز پر دارالعلوم کی بنیاد پڑی اور جو اس کا حقیقی سنگ بنیاد ہے وہ دین کی حمیت اور اسلام کی حفاظت کا جذبہ تھا" یہ ہے

اس دارالعلوم کا سب سے بڑا طرۂ امتیاز۔ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رح اور ان کے عالی مقام رفقاء حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رح وغیرہ کے اندر جذبہ کار فرما تھا وہ حمیّت اسلامی کا جذبہ تھا۔ اسی نے ان سے اس دارالعلوم کی بنیاد رکھوائی۔ آگے چل کر مولانا سید ابوالحسن علی ندوی لکھتے ہیں "میں سمجھتا ہوں کہ دارالعلوم دیوبند کے حق میں "ازالۂ حیثیت عرفی" کا جرم ہوگا اگر کہا جائے کہ دارالعلوم چند مخصوص کتابوں کے پڑھنے پڑھانے اور درس تدریس کے ایک مرکز کی حیثیت سے قائم ہوا تھا۔ اس سے بڑھ کر اس کے بانیوں کے ساتھ کوئی ناانصافی نہیں ہو سکتی۔ ایسا کہنے والوں کو ان بزرگوں کی روحوں کے سامنے شرمندہ ہونا پڑے گا۔ جس وقت یہ کہا جاتا تھا کہ یہ محض ایک مدرسہ ہے تو حضرت شیخ الہند رح تڑپ اُٹھتے تھے۔ ان کے نزدیک یہ اسلام کا ایک قلعہ اس کے داعیوں اور مجاہدوں کی تربیت کی ایک چھاؤنی اور سلطنت مغلیہ کے گل ہونے والے چراغ کا بدل بلکہ نعم البدل تھا

(پاجا سراغ زندگی صـ۱۲۷ – ۱۳۱)

مولانا مناظر احسن گیلانی رح نے "سوانح قاسمی" میں لکھا ہے کہ "میں حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب عثمانی رح (جو اس وقت دارالعلوم دیوبند کے نائب مہتمم تھے) کے فرستادہ کی حیثیت سے حضرت الاستاذ شیخ الہند رح کی خدمت میں حاضر ہوا اور بطور پیغام رساں حضرت سے دریافت کیا کہ آپ کا صحیح سیاسی مسلک کیا ہے؟ یہ پیغام سناتے ہی میں نے دیکھا کہ حضرت پر ایک خاص حال طاری ہے اور ارشاد فرمایا "حضرت الاستاذ (مولانا نانوتوی رح) نے اس مدرسہ کو کیا درس و تدریس تعلیم و تعلم کے لئے قائم کیا تھا؟ مدرسہ میرے سامنے قائم ہوا جہاں تک میں جانتا ہوں ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ کی ناکامی کے بعد یہ ادارہ قائم کیا گیا کہ کوئی ایسا مرکز قائم کیا جائے جس کے زیر اثر لوگوں کو تیار کیا جائے تاکہ ۱۸۵۷ء کی ناکامی کی تلافی کی جائے (سوانح قاسمی ج ۲ صـ۲۲۶)

(احاطۂ دارالعلوم میں بیتے ہوئے دن" ماہنامہ دارالعلوم")
(ماہ جمادی الثانی ۱۳۷۶ھ)

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی لکھتے ہیں "بانی دارالعلوم دیوبند مولانا محمد قاسم نانوتوی رح کا ہرگز یہ مقصد نہیں تھا کہ وہ صرف و نحو کی تعلیم اور علوم عالیہ و آلیہ کی مجرّد تدریس کے لئے مرکز قائم کریں اس کے لئے مصر کا جامعہ ازہر، تیونس کا جامعہ زیتونہ، مراکش کا جامعہ القرویین اور ہندوستان کے کئی بڑے بڑے مدارس موجود تھے۔ ان کی ٹکر کا کوئی مدرسہ قائم اور اس بے سروسامانی کی حالت میں محض تعلیم و تعلم کے لئے کوئی دانشمندانہ فعل اور کوئی جرأت مندانہ اقدام نہ تھا۔ یہی دینی حمیّت تھی جس نے مولانا محمد قاسم صاحب رح کو بے چین بنا رکھا تھا اور انہوں نے مدرسہ قائم کیا۔ اس مدرسہ نے ایک بہت محدود اور غیر محسوس طریقہ پر کام کا آغاز کیا جس کا احساس اس زمانہ کے اچھے اچھے صاحب نظر لوگوں کو بھی شاید نہ ہوا ہو لیکن اس کا مقصد بہت عظیم تھا۔ وہ مقصد یہ تھا کہ ہندوستان میں اسلامی تہذیب، اسلامی معاشرت، علوم دینیہ اور شریعت اسلامیہ کے لئے ایک قلعہ تعمیر کریں۔ اور اس دعوت کو متعدّی بنائیں — وَجَعَلَهَا كَلِمَةً بَاقِيَةً فِي عَقِبِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ۝ اور یہی بات اپنی اولاد میں پیچھے چھوڑ گئے تاکہ خدا کی طرف) رجوع کریں۔

سورۂ زخرف آیۃ ۲۸ —

ان کی ان تمام کوششوں کا ماحصل اور مطمح نظر صرف یہ تھا کہ اس ملک کے مسلمان جب تک زندہ رہیں ان کا رشتہ ملّتِ ابراہیمی اور شریعتِ محمدی سے استوار رہے۔ وہ اسی دین و آئین کے پابند ہوں جو خاتم النبیین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے ان کو ملتا ہے اور جب وہ دنیا سے رخصت ہوں تو وہ اسی دین کے وفادار اور حلقہ بگوش ہوں۔ گویا اسی وصیت اور عہد نامہ کی تعمیل تھی جس کا قرآن کریم میں تذکرہ ہے

وَوَصّٰى بِهَا إِبْرٰهِيمُ بَنِيهِ وَيَعْقُوبُ يٰبَنِيَّ إِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّينَ فَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ

مُسْلِمُوْنَ ۵ (سورۂ بقرہ آیۃ ۱۳۲)

اور ابراہیمؑ نے اپنے بیٹوں کو اسی بات کی وصیت کی اور یعقوبؑ نے بھی (اپنے فرزندوں سے یہی کہا) کہ بیٹو! خدا نے تمہارے لئے اسی دین کو پسند فرمایا ہے۔ تم مرنا تو مسلمان ہی مرنا۔ (پاجا سراغ زندگی صـ ۱۳۳)

ایک صاحب فکر و نظر لکھتے ہیں) "دارالعلوم دیوبند کے قیام کا سب سے اہم مقصد یہ تھا کہ ایک طرف وہ نئی نسل کیلئے قرآن و حدیث، اصول دین اور دیگر اسلامی علوم و فنون کی تعلیم کا ایسا مناسب اور معیاری انتظام کرے کہ وہ صحیح معنوں میں "ورثۃ الانبیاء" کے منصب کو حاصل کر سکیں اور اس طرح اس مقدس علمی، تعلیمی اور روحانی سلسلہ کو جاری رکھ سکیں جس کی بدولت ہمارے اسلاف نے وہ عظمت حاصل کی تھی اور اسی کے ساتھ اسلامی تہذیب و تمدن کا ایسا جیتا جاگتا نمونہ بھی بن سکیں جسے دیکھ کر لوگ اسلام اور اس کی تعلیمات کے گرویدہ ہو جائیں۔ دوسری طرف وہ انھیں اپنی عظمت رفتہ اپنے مقام و منصب کا احساس دلا کر حالات کو بدلنے زبردستی چھینی گئی عزت و سطوت کو واپس لینے کا جذبہ پیدا کر سکے۔ اور اس طرح آزادی وطن کی جنگ میں شرکت کرنے اور سامراج کی غلامی سے گلو خلاصی کرنے کے عزم اور ارادہ پر وہ پروان چڑھے تاکہ مسلمان اسلامی تعلیمات و عقائد کے مطابق باعزت بامعنی اور عزم و حوصلہ سے بھرپور زندگی گذار سکیں

ہندوستان کے اہم اسلامی مدارس "مجلہ" مونگیر - بہار -

(دیوبند کا انتخاب)

دارالعلوم کے قیام کے فیصلہ کے بعد اس کے لئے جگہ وہ تجویز کی گئی جو شہری ہنگاموں سے بالکل الگ تھلگ تھی یعنی قصبہ دیوبند۔ اس قصبہ کی تجویز کی وجوہات میں ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ برصغیر میں اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے پہلے علم بردار حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اور بعد میں تحریک مجاہدین کے سربراہ حضرت سید احمد شہید رحؒ جن کا مع اپنے رفقاء مولانا اسماعیل شہید رحؒ اور مولانا عبدالحی صاحب رحؒ وغیرہم کئی روز اس قصبہ میں قیام رہا) نے یہاں سے روانہ ہوتے وقت ارشاد فرمایا تھا کہ اس جگہ سے علم کی خوشبو آرہی ہے۔ چنانچہ مولانا سید محمد میاں صاحب رحؒ لکھتے ہیں کہ "حضرت سید احمد شہید بریلوی رحؒ جب سرزمین دیوبند سے گزرے تو اس زمانہ میں اس جگہ جہاں دارالعلوم قائم ہے کوڑیاں پڑا کرتی تھیں۔ سید صاحب رحؒ نے فرمایا کہ "یہاں سے علم کی بو آتی ہے۔" اور حضرت مجدد الف ثانی رحؒ پر بھی ڈھائی تین سو سال پہلے کچھ اسی قسم کی بات کھولی گئی تھی۔

(مسلمانوں کا شاندار ماضی حصہ پنجم صـ ۶۵)

علوم نقلیہ کیلئے مدرسہ کھولنے (کے اسباب)

۱۸۵۷ء میں انگریزوں نے سارے مدارس و دینی مراکز کو ایک ایک کر کے تباہ و برباد کر کے علوم جدیدہ انگریزی وغیرہ کو بام عروج پر پہونچا دیا تھا اور انھوں نے جس نظام تعلیم کا اجراء کیا اس میں مذہبی تعلیم کی سرے سے کوئی گنجائش ہی نہیں تھی ایک انگریز مصنف ہنٹر خود لکھتا ہے "ہمارے طریقۂ تعلیم میں نوجوان مسلمانوں کے لئے مذہبی تعلیم

کا کوئی انتظام نہیں" تو علمائے دیوبند کی دور رس
نگاہوں نے تاڑ لیا کہ اگر ہمیں اس وقت ہوش
نہ آیا اور ہم نے علوم نقلیہ کے لئے کوئی مدرسہ نہ
قائم کیا تو ہماری نئی نسل مغربی تہذیب و تعلیم کے
سایہ میں پروان چڑھ کر ہم سے مکمل طور پر نا آشنا
اور بیگانہ ہو کر نکلے گی۔ چنانچہ قاسم العلوم والخیرات
حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رح فرماتے ہیں
"آج کل تعلیم علوم جدیدہ تو بوجہ کثرتِ مدارس سرکاری
اس ترقی پر ہے کہ علوم قدیمہ کو سلاطین زمانہ سابق
میں بھی یہ ترقی نہ ہوئی ہو گی ہاں علوم نقلیہ کا یہ تنزل
ہے کہ ایسا تنزل بھی کسی کارخانہ میں نہ ہوا ہو گا۔
ایسے وقت میں رعایا کو مدارس علوم جدیدہ کا بنانا
تحصیل لاحاصل نظر آتا ہے۔ اور صرف بجانب علوم
نقلی اور نیز ان علوم کی طرف جن سے استعداد
علوم مروجہ اور استعداد علوم جدیدہ یقیناً حاصل
ہوتی ہے۔ ضروری سمجھا گیا۔
(نظر بر حضرت نانوتوی رح روداد مدرسہ اسلامی عربی ۱۲۹۰ھ)

غرضیکہ دارالعلوم دیوبند کا قیام اور اس کا بنیادی
تخیل شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رح کی انقلابی فکر کے سلسلہ
ہی کا ایک تاریخ ساز اقدام تھا جس کے پیش نظر
اگر ایک طرف ۱۸۵۷ء کی ناکامی کی تلافی تھی تو دوسری
طرف خود اسے برصغیر میں بقائے اسلام اور تحفظ
علم کا ذریعہ بننا تھا۔ اگر ایک طرف نئی پود کو مغربی
تہذیب کی ہلاکت خیزیوں سے بچانا تھا تو دوسری
طرف اسلامی تعلیمات سے روشناس کرانا بھی تھا
اگر ایک طرف مسلم خاندانوں کے نونہالوں کو عیسائی
مشنریوں کے فتنوں سے بچانا تھا تو دوسری طرف
ان کو اسلام کا جیتا جاگتا نمونہ بنا کر پیش کرنا تھا۔
طالبان علوم نبوت کو اگر ایک طرف حمیت اسلامی
کے جذبہ سے مالا مال کرنا اور ان کو ایک بے چین روح
اور مضطرب دل بنانا تھا تو دوسری طرف ان میں اولوالعزمی
اور حوصلہ مندی کی چاشنی اور ان میں حرارت ایمانی
پیدا کر کے اسلام دشمن عناصر کے خلاف جہاد کی روح
پھونکنی تھی۔ اگر ایک طرف انہیں بدعات اور مشرکانہ
رسوم اور عقائد باطلہ کی مکمل طور پر بیخ کنی کرنی تھی تو
دوسری طرف انہیں دینی تعلیم و تبلیغ اور اسلامی تہذیب
و تمدن کی نشر و اشاعت کے لئے بے پناہ جدوجہد کر کے
اسلام کا داعی اور مسلمانوں کا خادم بن کر رہنا تھا غرضیکہ
قیام دارالعلوم کے جہاں اور مقاصد تھے وہیں ایک اہم مقصد
یہ بھی رہا کہ "افضل الجہاد کلمۃ حق عند سلطانٍ
جائرٍ" کے حامل بے باک علماء پیدا کئے جائیں جو ہر موقع
پر آزادی ضمیر کے ساتھ کلمۂ حق کا نعرہ بلند کریں اور
ملت بیضا کے نازک ترین موقع پر ان کے
کام آئیں اور ان کے شیرازہ کو منتشر اور پراگندہ ہونے
سے بچائیں۔ چنانچہ دارالعلوم دیوبند نے ان اوصاف
و کمالات کے حامل حضرات علماء کی ایک کھیپ تیار کر دی
جن میں سرفہرست حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن
دیوبندی رح۔ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رح۔
محدث عصر علامہ انور شاہ کشمیری رح۔ شیخ الاسلام
مولانا سید حسین احمد مدنی رح۔ مفتی اعظم مولانا کفایت اللہ رح
علامہ شبیر احمد عثمانی رح۔ مبلغ اعظم مولانا محمد الیاس
کاندھلوی رح۔ مجاہد جلیل مولانا عبید اللہ سندھی رح۔
محقق اعظم مولانا سید مناظر احسن گیلانی رح۔ مجاہد ملت
مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی رح۔ فقیہ ملت مولانا
مفتی محمد شفیع صاحب رح۔ محدث جلیل مولانا محمد یوسف
بنوری رح۔ فخر المحدثین مولانا سید فخر الدین احمد مرادآبادی رح
مولانا مفتی مہدی حسن صاحب شاہجہانپوری رح حکیم الاسلام
مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند
محدث مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی۔ شیخ التفسیر مولانا
محمد ادریس کاندھلوی رح۔ مولانا سید حمید الدین صاحب
سابق شیخ الحدیث مدرسہ عالیہ کلکتہ۔ مورخ اسلام
سید محمد میاں صاحب رح۔ مولانا محمد منظور نعمانی۔ مولانا

(باقی صفحہ ۱۰۲ پر)

مدینۃ العلم دیوبند

کرمی الاحسانی

یہ شہر علم و فضیلت کا شہر ہے یارو
یہ شہر حق و صداقت پہ اب بھی نازاں ہے

یہ شہر حق و صداقت کا شہر ہے یارو
یہ فرقِ ہندو۔ مسلمان سے گریزاں ہے

یہ معرفت یہ طریقت کا شہر ہے یارو
ہر ایک لب پہ تبسم ہے نور رقصاں ہے

خلوص و مہر و محبت کا شہر ہے یارو
دل و نظر میں مسرت سے اک چراغاں ہے

یہاں پہ بغض و عداوت کبھی پنپ نہ سکے
یہ شہر درس مساوات کا ہے گہوارہ

یہاں پہ جرم و شرارت کبھی پنپ نہ سکے
یہ شہر حسن روایات کا ہے گہوارہ

یہاں سے چار سو حق کا کلام پہنچا ہے
یہ شہر اہل نظر کو گلے لگاتا ہے

ہر ایک سمت نبی کا پیام پہنچا ہے
یہ شہر حلم و تدبر کے گل کھلاتا ہے

ملایا، چین، عرب، روس، شام پہنچا ہے
دلوں سے تیرگیِ جہل کو مٹاتا ہے

کہاں کہاں مے قاسم کا جام پہنچا ہے
خزانے علم کے انسان پر لٹاتا ہے

یہاں سے حق و صداقت کی روشنی پھیلی
اس انجمن میں فراست کے جام چلتے ہیں

نظامِ حق کی شریعت کی روشنی پھیلی
یہاں چراغوں کے بدلے دماغ جلتے ہیں

یہ شہر گونگوں کو دیتا ہے طاقتِ گفتار
یہاں پہ اہلِ محبت کو باریابی ہے

یہ تیرہ قلبوں میں بھرتا ہے زندگی کے شرار
یہاں پہ اہلِ سیاست کو باریابی ہے

یہاں سے حریت قوم کی اٹھی تلوار
یہاں پہ اہلِ اخوت کو باریابی ہے

فرنگیوں پہ اسی شہر سے ہوئی یلغار
یہاں پہ اہلِ فراست کو باریابی ہے

یہ شہر حریت و انقلاب کا مرکز
اس انجمن میں ہر اک صاحب شعور آیا

یہ شہر تیغ و قلم کا کتاب کا مرکز
جسے خدا نے نوازا یہاں ضرور آیا

اکابر ملت کی عظیم علمی و روحانی یادگار

دارالعلوم دیوبند کے

اجلاس صد سالہ پر

ہم اپنے جذبات عقیدت اور نیک تمنائیں

نذر کرتے ہیں

حافظ عبدالمعید برادران

ایم عبدالجبار اینڈ کو　　ایم جے پرنٹس

سلک آرگنجہ زری اور ریشم کی بنارسی ساڑیوں کے

ہول سیل تاجران

مدن پورہ روڈ — وارانسی — ۲۲۱۰۰۱

فون 63124 — 66333 — 54227

فیضانِ دارالعلوم

یوپی کے دینی مدارس

از: عزیز الحسن صدیقی

یوپی ہندوستان کی سب سے بڑی ریاست ہے اس کی آبادی اتنی بڑھ گئی ہے کہ اس کو ایک ملک کہا جاتا ہے۔ یورپ کے کئی ملک ایسے ہیں جن کی آبادی ہندوستان کی اس ریاست سے کم ہے جب کہ اس ریاست میں جہاں دوسری [illegible] یہاں دو کروڑ مسلمانوں کی بھی ایک کثیر آبادی ہے [illegible] ہے کہ ان مسلمانوں کے جہاں اقتصادی و سماجی مسائل ہیں وہیں تعلیمی مسائل بھی ہوں گے۔ تعلیم کے معاملہ میں [illegible] ان میں ایک دنیاوی تو دوسرا دینی ۔۔۔۔ دنیاوی تعلیم جس کا تمام تر مقصد حصول معاش ہے ریاست میں بھی اس کے لئے ہزاروں اسکول و کالج قائم ہیں جس پر بے پناہ سرمایہ صرف ہوتا ہے [illegible] بھی دو طرح کے ادارے ہیں، ایک تمام تر سرکاری، اور دوسرے وہ جنکو یوں تو آزاد کہا جاتا ہے مگر ان پر بھی سرکاری کنٹرول ہوتا ہے۔ حکومت محکمۂ تعلیم کا جو بجٹ بناتی ہے وہ اربوں روپیوں کا ہوتا ہے۔ دوسری طرف ہمارے وہ مدارس ہیں جن کا تمام تر سرمایہ توکل علی اللہ ہے اور عام مسلمان ان کے کفیل ہیں۔ ان میں کم مدارس ایسے ہیں جن کا بجٹ لاکھوں کی رقم بنتا ہے ورنہ عام طور سے ان کی آمدنی چند ہزار روپیوں سے زیادہ نہیں ہوتی۔ یقیناً ان میں بعض وہ مدارس بھی ہیں جن کو یونیورسٹی کا درجہ حاصل ہے۔

جب ہم یوپی کے ان مدارس کا جائزہ لیتے ہیں تو ہمیں حیرت ہوتی ہے کہ انتہائی بے سروسامانی کے عالم میں یہ جو کام

کر رہے ہیں وہ کالجوں کے بس کا نہیں ہے۔ عجیب بات یہ ہے کہ کالجوں میں جو ٹیچر پڑھاتے ہیں ان کی ٹریننگ کے لئے جا بجا کالج کھلے ہوئے ہیں لیکن دینی مدارس میں اساتذہ کی ٹریننگ کے لئے کسی مرکزی ادارے نے نہ کوئی نصاب بنایا ہے اور نہ کوئی ٹریننگ سینٹر ہی کہیں قائم ہے۔ ملک کے بعض بڑے مدارس نے اس مسئلہ پر سوچا ضرور ہے مگر اب تک کوئی مثبت قدم ان کی طرف نہیں اٹھایا گیا۔ مشرقی یوپی کے ایک مدرسہ "مدرسہ دینیہ غازی پور" نے ۱۹۷۵ء میں "دائرۃ التربیت" کے نام سے ایک تربیتی ادارہ ضرور قائم کیا تھا، جو لگ بھگ دو سال تک کام کرتا رہا۔ مگر مدارس اور فارغین مدارس دینیہ کی بے توجہی اور عدم اشتراک کی وجہ سے اس کا سلسلہ منتظمین مدرسہ نے عارضی طور پر موقوف کر رکھا ہے۔ مدرسہ مذکور نے اس شعبہ کی نگرانی کے لئے علیحدہ اسٹاف اور مشاورتی بورڈ مقرر کیا۔ پہلے سال پانچ فضلا کو اس شعبے میں داخل کیا گیا۔ جن کو مفت قیام و طعام کے علاوہ پچاس روپے (50/-) ماہانہ وظیفہ بھی دیا گیا۔ ان کو طریقہ تدریس اور تحریر و خطابت کا فن سکھایا گیا۔ تبلیغی دورے کرائے گئے، محنت کا عادی بنایا گیا اور ان کے اندر مطالعہ کا ذوق پیدا کیا گیا۔

شعبان ۱۳۹۶ھ میں "معلم دین تربیتی کورس" کے مطابق ان کا سالانہ امتحان لیا گیا (۳) امتحان کے پانچ پرچے مقرر کئے گئے جس کی تفصیل یہ ہے

تدریس، مضمون نویسی، تاریخ اسلام و جنرل معلومات فن تعلیم و تربیت، طریق تعلیم۔ (بحوالہ مدرسہ دینیہ غازی پور مقاصد اور خدمات کے آئینہ میں) مطبوعہ ۱۹۷۸ء، ص ۳۳ و ۳۷

اچھے معلمین اور کامیاب اساتذہ پیدا کرنے کے لئے تربیتی اداروں کی اہمیت سے فی زمانہ انکار نہیں کیا جا سکتا اور نہ پرانی لکیروں کو پیٹتے رہنا دانشمندی کی بات کہی جا سکتی ہے۔ مگر اس بات سے انکار بھی مناسب معلوم نہیں ہوتا کہ ہمارے قدیم طریق تعلیم میں یہ خوبی تھی کہ دوران تعلیم ہی میں ذی شعور طلبہ تدریس کی صلاحیت اور مطالعہ کی قوت اپنے اندر پیدا کر لیتے تھے۔ اور جب وہ فارغ ہو کر مدرسہ سے نکلتے تھے تو ان کے اساتذہ کسی نہ کسی درسگاہ میں ان کا تقرر کرا دیا کرتے تھے۔ ہندوستان کی جن یونیورسٹیوں میں دینیات کے شعبے قائم ہیں ان پر آپ ایک نظر ڈالیں تو معلوم ہوگا کہ ان میں جو اساتذہ کام کر رہے ہیں وہ کسی کالج یا یونیورسٹی کے فاضل نہیں ہیں بلکہ کسی عربی درسگاہ کے ہی فارغ التحصیل ملیں گے۔ اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ دینی مدارس میں تعلیم و تربیت کا اس دورِ انحطاط و زوال میں بھی جو معیار موجود ہے وہ بسا غنیمت ہے۔ بس بات اتنی سی ہے کہ:

ع　ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی

یوپی میں ایسے مدارس کی تعداد ہزاروں تک پہنچتی ہے، جنمیں لاکھوں طلبہ زیر تعلیم ہیں جن سے کسی قسم کی فیس نہیں لی جاتی ان مدارس میں پڑھانے والے اساتذہ کی ریاست کے پیمانے پر کوئی انجمن بھی نہیں ہے۔ نہ الٹے سیدھے مطالبات منوانے کے لئے ان کی طرف سے آئے دن ہڑتالیں اور ہنگامے ہوتے ہیں نہ دھرنے اور گھراؤ کی خبریں اور نعرے اور جلوس کی گرم بازاری دیکھنے میں آتی ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ یہ مدارس اور ان میں پڑھنے اور پڑھانے والے لوگ خاموشی کے ساتھ جو بنیادی کام کر رہے ہیں ان کی مثال اسلامی ملکوں میں بھی ملنا مشکل ہے عرب ملکوں سے جو علما ہندوستان آتے ہیں۔ ان کو جب یہ بات بتائی جاتی ہے کہ ہمارے ملک میں ہزاروں ایسے مدارس ہیں جنمیں بلا فیس تعلیم دی جاتی ہے اور حکومت سے کسی قسم کی امداد بھی نہیں لی جاتی تو انہیں یقین نہیں آتا اور وہ حیرت کے ساتھ یہ باتیں نوٹ کرتے ہیں۔

ان دینی مدارس نے ہندوستان کو کیا دیا۔ اس کا اندازہ اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ جو لوگ ان سے پڑھکر نکلتے ہیں وہ ملک کے لئے کوئی مسئلہ بننے کی بجائے سوسائٹی کا ایک نہایت مفید عنصر ثابت ہوتے ہیں۔ ان کی ذات سے نہ تو لا اینڈ آرڈر کا کوئی مسئلہ کھڑا ہوتا ہے اور نہ یہ حکومت سے الاؤنس اور اونچی اونچی کرسیاں طلب کرتے ہیں۔ کبھی آپ نے نہیں سنا ہوگا کہ کسی مدرسہ کے اساتذہ یا طلبہ نے کسی اسمبلی ہاؤس پر یلغار کی ہو۔ یہ بےچارے مدرسہ سے فارغ ہو کر نکلے اور کسی گاؤں یا شہر کے کسی دینی مدرسہ سے وابستہ ہو گئے اور

روکھی سوکھی روٹیاں کھاکر اور پھٹے بوریوں پر بیٹھ کر پڑھنے و پڑھانے میں لگ گئے۔

ان مدارس کو تین زمروں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ایک ابتدائی جنمیں قرآن پاک اور دینیات کی ابتدائی تعلیم دی جاتی ہے ان کی تعداد اتر پردیش میں چھ سات ہزار ہوگی۔ دوسرے ثانوی جہاں فارسی اور عربی کی متوسط تعلیم کا انتظام ہے اور ان میں طلبہ کو بڑے مدارس میں بھیجنے کیلئے تیار کیا جاتا ہے ایسے مدارس کی تعداد ڈیڑھ ہزار سے کم نہ ہوگی۔ تیسرے وہ مدارس ہیں جہاں درس نظامی کی تکمیل کرائی جاتی ہے ایسے مدارس کی تعداد بھی کم نہیں ہے۔ ان میں بعض تو وہ ہیں جن کو یونیورسٹی کا درجہ حاصل ہے مثلاً دارالعلوم دیوبند، مظاہر العلوم سہارنپور، مدرسہ شاہی مرادآباد ندوۃ العلماء لکھنؤ۔

یوپی کو بجا طور پر یہ فخر حاصل ہے کہ اس کے صرف ایک ضلع سہارنپور میں دو ممتاز دینی مدارس دارالعلوم دیوبند اور مظاہر العلوم سہارنپور قائم ہیں۔ اور اس ضلع کے متعدد پڑوسی اضلاع میرٹھ، مرادآباد، مظفر نگر میں بھی ممتاز دینی مدارس موجود ہیں جن کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ یہ وہ مدارس ہیں جنھوں نے ریاستی و علاقائی حدود کو پار کر کے ملک گیر پیمانے پر تعلیمی و اصلاحی منصوبے تیار کئے بلکہ یہ کہنا زیادہ صحیح ہوگا کہ ان کا فیض پوری دنیا میں جاری وساری ہے ایک دارالعلوم دیوبند ہی کو لے لیجئے جس کے فارغین کی تعداد ہزاروں تک پہونچی ہے پھر ان سے جن لوگوں کو تعلیمی استفادہ کا موقع ملا انکی تعداد لاکھوں میں گنی جا سکتی ہے اس طرح چراغ جلتے رہنے کا عمل برابر جاری ہے اور علم کی روشنی پھیلتی جاتی ہے۔

آئیے اب مشرقی یوپی پر ایک نظر ڈالیں جہاں ماضی میں بڑے بڑے دینی مدارس قائم تھے۔ اور آج بھی پائے جاتے ہیں جونپور، بنارس، غازی پور، اعظم گڑھ وغیرہ میں مسلم سلاطین کے عہد میں بڑی بڑی درسگاہوں کا پتہ چلتا ہے ماضی کی کیفیات کا اندازہ صرف ایک چھوٹے سے شہر غازی پور سے متعلق اعداد و شمار کی روشنی میں ہوتا ہے۔ ایک انگریز مورخ مسٹر ایچ۔ آر۔ نیول کا اعتراف ہے کہ غازی پور میں انگریزوں کی عملداری سے پہلے بائیس درسگاہیں عربی، فارسی کی اعلیٰ تعلیم کی تھیں اور ترپن ۵۳ مکاتب میں قرآن پاک کی تعلیم دی جاتی تھی۔
(بحوالہ مدرسہ مدنیہ مقاصد اور خدمات کے آئینہ میں ص ۲)

موجودہ دور میں مشرقی یوپی کے صرف دو اضلاع اعظم گڑھ اور بستی ایسے ہیں جہاں مدارس کی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ کسی ریاست میں ریاستی پیمانے پر نہ ہوں گے۔ صرف اعظم گڑھ کے ایک قصبہ مئوناتھ بھنجن میں کئی بڑے مدرسے ہیں جنکے بجٹ، اسٹاف، عمارات، اور لائبریریوں کا مقابلہ اچھے اچھے کالج بھی نہیں کر سکتے۔ اس ضلع کے تقریباً ہر قصبے میں بڑے بڑے مدرسے قائم ہیں اور یہاں کے سیکڑوں علماء ملک کی اہم درسگاہوں میں تعلیم دے رہے ہیں۔

جن مدارس کا تذکرہ کیا جا رہا ہے ان سے ایسے ایسے علماء فارغ ہوئے جنھوں نے ملک گیر شہرت حاصل کی۔ اتنے مورخ سیرت نگار، واعظ و خطیب، انشا پرداز، اور ماہرین تعلیم پیدا ہوئے کہ اگر ان کا مختصر تذکرہ بھی کیا جائے تو سیکڑوں صفحات درکار ہوں گے۔

ہم کو کھلے دل سے اعتراف کرنا چاہیئے کہ مدارس دینیہ چاہے یوپی کے ہوں یا بہار اور آسام کے یا ملک کی کسی اور ریاست کی اور مسلک و طریق ان کا جو بھی ہو وہ بہرحال براہ راست یا بالواسطہ دارالعلوم دیوبند کے خوشہ چیں ہیں۔ انہیں روشنی اگر ملی ہے تو اسی مرکز علوم سے ـــــ آزاد دینی مدارس (جنکی کفالت اور انتظام قوم کے ہاتھ میں ہو) کا تصور فی الحقیقت مولانا قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا دیا ہوا ہے مختصر یہ ہے کہ دارالعلوم دیوبند ایک ایسا مینارۂ نور ہے جس نے ہر چہار طرف روشنی ڈالی ملک کے دور دراز مقامات تک جب اس کی روشنی پھیلی تو یہ کیسے ممکن تھا کہ یوپی کی ریاست اسکی ضیا باریوں سے محروم رہ جاتی ۱۲۸۳ھ مطابق ۱۸۶۶ء میں دارالعلوم دیوبند قائم ہوا۔ اس کے بعد مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور اور مدرسہ شاہی مرادآباد کی بنیاد پڑی، پھر کیا تھا آزاد دینی مدارس کے قیام کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہوگیا آج یہاں تو کل وہاں، شہر شہر اور قریہ قریہ دینی مدرسہ کھلتے چلے گئے۔

انگریزوں کی عملداری سے پہلے اس ملک میں آزاد دینی مدارس کا رواج نہ تھا بلکہ طریقہ یہ تھا کہ صوفیا اپنی خانقاہوں میں اور علماً اپنے مواعظ میں دین کی باتیں لوگوں کو بتایا کرتے اور دیندار اہل ثروت اپنے بھی انتظام میں مدارس چلاتے تھے حتیٰ کہ اگر حکام بھی صاحب علم ہوئے تو فارغ اوقات میں طالبان علم کو درس دیا کرتے تھے۔ مولانا مناظر احسن گیلانی نے اپنی کتاب "ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت" میں ایک مسلمان حاکم کا تذکرہ کیا ہے جو ہمیشہ اپنے ساتھ طلبا کی ایک جماعت رکھا کرتے تھے۔ چنانچہ جب وہ تبادلہ پر غازی پور آئے تو طلباً کی ایک جماعت ان کے ساتھ تھی۔ اس کے کفیل وہ خود تھے۔ اور سرکاری کاموں سے فارغ ہو کر اس جماعت کو تعلیم دیا کرتے تھے۔

آزادیٔ ہند اور مدارس

دینی مدرسوں نے جہاں علم دین کی بے لوث خدمت کی اور دینی قدروں کو رواج دیا وہیں ان سے وابستہ علمائے ہندوستان کو انگریزی سامراج سے نجات دلانے کی بھی انتھک کوششیں کیں اگر ہم ان کی مجاہدانہ خدمات (جو انہوں نے آزادی ہند کے سلسلہ میں انجام دیں) کا تذکرہ کریں تو یہ مختصر سا مضمون خاصا طویل ہو جائے گا۔

انگریزوں نے جب ہندوستان پر قبضہ جما لیا اور خاص طور سے اسلامی قدروں کو مٹانا اور دینی مراکز کو پامال کرنا شروع کر دیا تو علماً بغاوت کا علم لیکر میدان میں آئے۔ اور زبردست جہاد کیا لیکن ان کے پاس وسائل محدود تھے۔ صحابہ کرام کی زندگیوں کا نمونہ دیکھنے میں آتا تھا مشیت الٰہی بھی کچھ اور تھی، علماً کو انگریزوں کے مقابلہ میں ناکامی ہوئی۔ اور انگریزوں کے قدم ہندوستان میں جمتے چلے گئے۔ اس کے بعد مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے جنگ حکمت عملی کو نیا رخ دیا۔ اور سب سے پہلے دیوبند میں مدرسہ کی بنیاد ڈالی۔ اس کے بعد ملک میں مدارس و مکاتب کا جال بچھتا چلا گیا کیونکہ بانی دارالعلوم کی تعلیمی تحریک کا مرکز یوپی تھا اس لئے قدرتی طور پر اس ریاست میں زیادہ مدارس قائم ہوئے اسلامی کوششوں کا اولین مرکز بھی یہی ریاست بنی دارالعلوم دیوبند کے طرز پر جتنے مدارس وجود میں آئے یا ملک میں قائم ہوئے۔ سب نے تعلیمی جدوجہد کے ساتھ ساتھ استخلاص وطن کو بھی اپنا فرض سمجھا اور بڑی سے بڑی قربانی پیش کی۔

آزاد دینی مدارس کے متوازی انگریز حکومت نے عربی امتحانات کے بورڈ تقریباً ہر ریاست میں قائم کئے جن کا مقصد علماً کی توجہ کو بنیادی کاموں سے ہٹا کر ان کو ڈگری اور ملازمتوں کے چکر میں پھنسانا اور وفاداروں کی ایک نئی فوج کو جنم دینا تھا تاریخ شاہد ہے کہ ۱۸۵۷ء کے انقلاب کے بعد جو ہمہ جہتی اصلاحی تحریک وجود میں آئی اس میں آزاد دینی مدارس سے وابستہ علماً ہی شریک ہوئے۔ اور سرکاری ڈگریوں کے رسیا دور کھڑے ساحل کے تماشائی کا پارٹ ادا کرتے رہے۔

آزاد دینی مدارس نے مسلمانوں کی جو ہمہ جہتی رہنمائی کی اس سے صرف نظر نہیں کیا جا سکتا، حکومت کے اثر و نفوذ سے بے نیازی ان کے تشخص اور وجود کی ضمانت بنی، نہ کہ بربادی کی علامت ـــــ یقیناً ایسے مدارس کے پاس سرمایہ کی کمی ہوتی ہے، بلڈنگیں بھی سر بفلک اور عالی شان نہیں ہوتیں، مگر ان کی قدر و قیمت ان چیزوں سے کم نہیں ہوتی، بلکہ بڑھتی ہے۔ ان تعلیم گاہوں اور دانش کدوں میں پیدا ان پڑھنے والے طلبا جو کہ معمولی لباس پہنتے اور معمولی غذائیں کھاتے ہیں، ان کا مقابلہ انگریزی کالجوں کے طلبہ سے کیجئے تو پتہ چلے گا کہ عربی درسگاہوں کے طلبہ خدا کا انعام ہیں۔

ایک انصاف پسند کی شہادت

عرصہ ہوا یوپی اسمبلی میں بجٹ سیشن کے موقع پر مسٹر پالیوال نے اپنی تقریر میں کہا تھا کہ "ہمارے اسکولوں میں تعلیم پانے والے طلباً جب اپنے مقصد میں ناکام ہوتے ہیں تو قطب مینار سے کود کر یا کسی پل سے چھلانگ لگا کر جان دیدیتے ہیں کیونکہ انہیں جینا نہیں سکھایا جاتا۔ ان کے سامنے زندگی کا کوئی آدرش نہیں۔ اس کے برخلاف میرے ہی حلقہ انتخاب میں دیوبند ایک قصبہ ہے جہاں ایک عربی یونیورسٹی دارالعلوم کے نام سے قائم ہے جہاں کا طالب علم معمولی خوراک کھا کر اور معمولی لباس

ہیں کر تعلیمی زندگی گزارتا ہے اور جب فارغ ہوتا ہے تو ملک کا اچھا شہری بنتا ہے، حکومت پر بوجھ نہیں بنتا بلکہ خود کفیل ہوتا ہے۔"

ایک انصاف پسند کی یہ شہادت مدارس کے کیس کو بہت مضبوط بناتی ہے۔ اور ہمیں بتاتی ہے کہ ان دینی مدارس کی جدید تعلیمی اداروں کے مقابلہ میں کیا اہمیت ہے۔

سرکاری امداد سے بے نیازی

۱۹۷۵ء کی بات ہے جب مسٹر بہوگنا یوپی کے چیف منسٹر تھے انہوں نے محکمہ تعلیم کے بجٹ میں غالباً ایک یا ڈیڑھ لاکھ کی امداد دارالعلوم دیوبند کے لئے مخصوص کی تھی مگر دارالعلوم کے مہتمم نے شکریہ کے ساتھ یہ رقم لینے سے انکار ہی نہیں کیا بلکہ کہا کہ "ہماری قومی حکومتوں کو دارالعلوم کے مسلک کا لحاظ رکھنا چاہیئے۔"

مدارس کا وفاق

حکومت ہند نے ۱۹۶۲ء میں کوٹھاری ایجوکیشن کمیشن مقرر کیا تھا جس نے کئی سال کے غور و فکر کے بعد اپنی رپورٹ حکومت کو پیش کی۔ اس کی سفارشات ابھی تک لاگو نہیں ہوئی ہیں، اور نہ بہت جلد ان کا نفاذ ممکن ہے لیکن وہ وقت بھی آسکتا ہے جب ان سفارشات پر عمل درآمد ہو۔ یقیناً اس وقت ہمارے دینی مدارس کا موجودہ تعلیمی ڈھانچہ باقی نہ رہ سکے گا۔ مسٹر جے پرکاش نرائن ایک مخصوص فکر و ذہن کے آدمی تھے۔ انہوں نے جنتا حکومت کی تشکیل کے بعد اپنی بیماری کے زمانہ میں جسلوک اسپتال سے ایک پیغام بھیجا تھا جس میں انہوں نے کوٹھاری کمیشن کی سفارشات کو روبہ عمل لانے کے لئے دستور ہند میں ترمیم بھی کرنی پڑے تو اس سے پہلو تہی نہیں کرنی چاہیئے۔ اسکا مطلب یہ نکلا کہ وہ آزاد ہندوستان میں مکمل یکسانیت اور تہذیبی وحدت لانے کے لئے اس کمیشن کی سفارشات کو بنیادی حیثیت دیتے تھے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ کمیشن مذکور نے فیلڈ تجاویز کو چھوڑ کر ساری کی ساری تجاویز آنکھ بند کر کے تیار کی ہیں۔ ایک پرائمری اسکول ہی کو لے لیجئے۔ اس کے قیام کے بعد ہمارے بچے غیر سرکاری مکتب میں داخل ہی نہ ہو سکیں گے اور کسی فرقہ، گروہ یا مذہب کے لوگ اپنے بچوں کی تعلیم کا انتظام نہ کر سکیں گے۔ یہ چیز دستور ہند میں دیئے گئے تحفظات کے بالکل خلاف ہے اور اقلیتی اداروں کے لئے سم قاتل ہے۔

کیرالا ایجوکیشن بل کے خلاف ایک مقدمہ سپریم کورٹ تک گیا تھا۔ اس میں ہندوستان کی آخری عدالت نے فیصلہ دیتے ہوئے صاف لفظوں میں کہا تھا کہ:-

"اقلیتوں کو اپنے تعلیمی ادارے قائم کرنے اور ان کو اپنی مرضی کے مطابق چلانے کا جو حق ہے وہ موثر ہونا چاہیئے، اور کسی ایسے قانون یا ضابطے کے ذریعہ جو اقلیتوں کے تعلیمی مفاد میں نہیں بلکہ عوام و ملک کے مفاد میں بنایا گیا ہو اسے ختم ہونا چاہیئے"
(اے آئی آر ۱۹۵۸ء سپریم کورٹ صفحہ ۹۵۹۔)

کوٹھاری کمیشن کی رپورٹ منظر عام پر آنے کے بعد احتجاج کا ایک سلسلہ ملک میں قائم ہو گیا۔ مگر ظاہر ہے کہ صرف احتجاج مسئلہ کا حل نہیں ہے۔ ضرورت مثبت اقدام کی ہوا کرتی ہے۔ برسات سے پہلے اپنے مکان کی چھت درست کر لینا اگر دانشمندی کی بات کہی جاسکتی ہے تو یہ بھی قرین عقل و ہوش ہے کہ ہمارے تعلیمی اداروں کے موجودہ ڈھانچے میں کوئی خرابی ہے تو اس کو دور کرنے کی کوشش کی جائے اگر ہمارے دینی مدارس باہم مربوط ہوں تو بڑی سے بڑی طاقت ان کو معمولی سا بھی نقصان نہیں پہونچا سکے گی۔

ہندوستان جیسے بڑے ملک میں پھیلے ہوئے ہزاروں مدارس دینیہ کی ملک گیر پیمانے پر کوئی تنظیم نہیں ہے۔ ان میں پڑھنے پڑھانے والوں کی تعداد لاکھوں میں ہے۔ ان کے مسائل میں مشکلات ہیں۔ لیکن افسوس کہ اجتماعی کوشش انکے حل کی نہیں کی گئی طلبہ ایک مدرسہ سے دوسرے مدرسہ میں منتقل ہوتے رہتے ہیں ان پر کوئی کنٹرول ہے نہ باز پرس۔ ... افسوس کا مقام ہے کہ ان باتوں کا احساس عام ہے مگر ہمارے مرکزی تعلیمی اداروں نے اصلاح حال کی کوشش نہیں کی۔ ۲۴ مارچ ۱۹۷۴ء کا دن مدارس دینیہ کی تاریخ میں یاد رکھا جائے گا کیونکہ اس دن غازی پور میں بنارس کمشنری کے مدارس کے منتظمین اور اساتذہ مدرسہ دینیہ کی دعوت پر جمع ہوئے اور سر جوڑ کر بیٹھے۔ ... کھلے دل سے مسائل پر غور کیا اور

چند مفید تجاویز منظور کیں۔ اس اجتماع میں عام روشن کے مطابق صرف کوٹھاری کمیشن پر احتجاج ہی نہیں کیا گیا بلکہ مدارس کے باہمی رشتہ کو مضبوط بنانے کے لئے "وفاق مدارس عربیہ" کے نام سے ایک تنظیم قائم کی گئی۔ بحمد اللہ یہ وفاق اب تک قائم ہے اور اب مشرقی اتر پردیش کے سبھی اضلاع کو اس تنظیم میں شامل کر لیا گیا ہے۔ مشرقی یوپی کے ستائیس مدرسے اس کے ممبر ہیں اس کا دستور اساسی اور ضابطۂ اخلاق شائع ہو چکا ہے وفاق کے جلسے مختلف اضلاع میں وہاں کے ممبر مدرسوں میں ہوتے رہتے ہیں۔ اس کی وجہ سے مدارس کے درمیان تعلق اور ربط پیدا ہوتا ہے

"وفاق مدارس عربیہ مشرقی اتر پردیش ایک زندہ اور فعال ادارہ ہے جس کو ملک کے ممتاز علماء کی سرپرستی حاصل ہے اس کی بنیاد دو چیزوں پر ہے ایک یہ کہ بلا سند تبادلہ (ٹی۔ سی) ایک مدرسہ سے دوسرے مدرسہ میں نہیں جا سکتے۔ دوسرے یہ کہ ممبر مدارس مقررہ ضابطۂ اخلاق کی پابندی کرتے ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ پورے ملک میں اس طرز کے ادارے قائم کئے جائیں تاکہ ایک طرف ہمارے مدارس کو اپنی اندرونی خامیاں دور کرنے کا موقع ملے اور دوسری طرف اگر حکومت کی جانب سے کوئی غلط اقدام ہوتا ہے تو مل کر اس کا دفاع کیا جا سکے"

بقیہ صد ۹۲ دارالعلوم کا بنیادی تخیل

مفتی عتیق الرحمن عثمانی - مولانا سعید احمد اکبر آبادی مولانا منت اللہ رحمانی - مولانا سید اسعد مدنی - مولانا مفتی محمود صاحب پاکستانی - مولانا شمس الحق افغانی (پاکستان) مولانا عبد الحق شیخ الحدیث اکوڑہ خٹک (پاکستان) جیسے اکابر علم و فضل کے اسمائے گرامی ہیں ان میں کا ہر ہر فرد اپنی اپنی جگہ ایک آفتاب و ماہتاب کی حیثیت رکھتا ہے۔

دارالعلوم دیوبند نمبر

۲۶ مارچ ۱۹۸۰ء

روزنامہ الجمعیۃ دہلی

میوات میں دارالعلوم کا علمی و روحانی فیض

مولانا عبدالرحیم بڈیڈوی، ناظم اعلیٰ جمعیۃ علماء ضلع گوڑگانوہ، ہریانہ)

دارالعلوم دیوبند ایشیا کا عظیم اور مشہور ترین اسلامی مرکز ہے جس نے ہندو بیرونِ ہند میں اسلام کی بقاء اور ترقی کے لئے زبردست خدمات انجام دی ہیں۔ دارالعلوم کے فضلاء نے جہاں درس و تدریس، وعظ و تقریر اور تبلیغ و اشاعت کے ذریعہ اسلام اور مسلمانوں کی دینی و ملی خدمات انجام دی ہیں، وہیں اس نے اور اس کے فرزندوں نے روحانی اعتبار سے بھی اس ملک کی بیش بہا خدمات کا فریضہ ادا کیا ہے۔ دارالعلوم کے فضلاء اور علماء نے مذہبی اور دینی فضاء کو کفر و الحاد کی آلودگی سے بچانے کے لئے تصنیف و تالیف کا سلسلہ بھی جاری رکھا اور بیعت و ارشاد تزکیہ قلب اور تصفیۂ باطن کی راہ سے لاکھوں انسانوں کو صراطِ مستقیم پر لانے کی سعی میں مصروف رہے جس سے عقائد درست ہوتے اور اعمال صالحہ کے عادی بنے اور ان کے قلوب کو ذکر و فکر کی روشنی ملی۔ اس حقیقت سے یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ دارالعلوم کے فضلاء اور علماء اپنی خداداد ہمت و جرأت سے کام نہ لیتے تو آج برصغیر کے حالات کچھ اور ہی ہوتے ملک کی آزادی کی خاطر دارالعلوم کے فرزندوں نے جو بے مثال قربانیاں دی ہیں وہ انصاف کی تاریخ میں کبھی فراموش نہیں کی جا سکتیں۔ اور یہ بھی ناقابل انکار حقیقت ہے کہ ہندوستان کی آزادی کے طفیل برصغیر کے دوسرے ممالک بھی آزادی کی دولتِ عظمیٰ سے بہرہ مند ہوئے۔ اس سلسلے میں حضرت شیخ الہندؒ اور آپ کے رفقائے کرام کی جدوجہد تاریخ کا اہم حصہ ہے جنہوں نے برسہا برس جیلوں کی صعوبتیں برداشت کیں جلاوطن ہوئے

اور بہت سے تختۂ دار پر بھی چڑھائے گئے، جب ملک آزاد ہوگیا تو دارالعلوم کے فضلا اور علماء بنیادی مقصد کی طرف متوجہ ہوئے۔ اور انہوں نے کتاب و سنت کی روشنی میں دین اسلام کو صحیح صورت میں گھر گھر پہنچانا شروع کیا اور ساتھ ہی نئے مذہبی اور سیاسی فتنوں سے ملت اسلامیہ کو آگاہ کرتے ہوئے ہر قسم کے فریبوں سے محفوظ رکھا۔ خدا کے فضل و کرم سے اس مقصد میں پوری کامیابی ملی اور کامیابیوں کے ساتھ دارالعلوم ترقی کی راہ پر گامزن ہے۔

اس مختصر تذکرے میں یہ بتانا مقصود ہے کہ علاقہ میوات جو اضلاع گوڑگانوہ، الور، اور بھرتپور پر مشتمل ہے اس میں دارالعلوم کے علمی و روحانی فیوض کے پہنچنے کی کیا صورت ہوئی۔ اور اب یہ علاقہ دارالعلوم سے کتنا متاثر ہے۔ اس علاقہ میں حضرت شیخ الہندؒ کے تلمیذ ارشد حضرت مولانا محمد حسن صاحب جو قافلہ شیخ الہند کے ایک فرد بھی تھے۔ کہیں باہر سے تشریف لائے اور انہوں نے میوات کے مشہور اور تاریخی مقام فیروز پور جھرکہ میں "مدرسہ حافظ الاسلام" کے نام سے ایک دینی درسگاہ قائم کی جس میں میوات کے گوشہ گوشہ سے سینکڑوں تشنگان علم دین جمع ہوئے اور حسب توفیق اس مدرسہ سے پڑھ کر علاقہ کے مختلف حصوں میں تعلیم دین کا کام شروع کیا۔ ان میں راقم الحروف کے والد محترم جناب میاں جی عبدالغفور صاحب زید مجدہم بطور خاص قابل ذکر ہیں جو حضرت مولانا کی ہدایت پر مدرسہ حافظ الاسلام سے تعلیم حاصل کرنے کے بعد مانکی گاؤں میں مدرس کی حیثیت سے بھیجے گئے۔ اور اب وہ مالونہ گاؤں میں تعلیمی خدمت انجام دے رہے ہیں، تقریباً چالیس برس سے وہ اس نیک مشغلہ اور بنیادی کام میں مصروف ہیں اسی طرح حضرت مولانا مرحوم کے بہت سے شاگرد علاقہ میں دینی و اصلاحی خدمات میں مشغول ہو گئے۔ دینی مسائل اور اسلامی احکام دریافت کرنے کے لئے دور و نزدیک سے سینکڑوں لوگ حضرت مولانا کی مجالس میں شریک ہو کر اکتساب فیض کرتے تھے اسی کے ساتھ مبلغ اعظم حضرت مولانا شاہ محمد الیاس صاحب نور اللہ مرقدہ نے علاقہ میوات سے تبلیغی کام کا آغاز فرمایا جو بذات خود دارالعلوم دیوبند میں حضرت شیخ الہندؒ سے دورۂ حدیث کی تکمیل کا شرف بھی حاصل کر چکے تھے اور آپ نے حضرت کے ہاتھ پر بیعت جہاد بھی کی تھی، گویا تبلیغی کام بھی حضرت مبلغ اعظم کی وساطت سے دارالعلوم کا ہی فیض ہے جو پورے میوات میں عمومیت کے ساتھ پھیلا اور یہاں سے بڑھ کر اب پوری دنیا میں اعلیٰ پیمانے پر جاری و ساری ہے۔ دارالعلوم کے جلیل القدر فضلائے کرام حضرت مفتی اعظم مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا ضیاء الحق صاحب دیوبندی کے شاگرد رشید حضرت مولانا عبدالسبحان صاحب میواتی نور اللہ مرقدہٗ نے دہلی میں ایک عربی مدرسہ المعروف بہ مدرسہ سبحانیہ قائم فرما کر ہزارہا میواتیوں کو علمی فیض پہنچایا، جس کا سلسلہ آپ کے بعد آج بھی برابر چل رہا ہے، آپ کے مشہور و قابل ترین شاگردوں میں حضرت مولانا محمد رحیم شاہ صاحب بانی و مہتمم مدرسہ رحمانیہ دہلی، حضرت مولانا عبدالستار صاحب مدظلہٗ مہتمم مدرسہ حافظ الاسلام فیروز پور جھرکہ، حضرت مولانا رسول خاں صاحب بانی مدرسہ رسولیہ قصبہ نگر، حضرت مولانا محمد ایوب صاحب صدر مدرس مدرسہ عربیہ ہتھل، حضرت مولانا محمد صدیق صاحب شیخ الحدیث و حضرت مولانا اسحاق صاحب صدر مدرس مدرسہ معین الاسلام نوح، حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب الوری جنہوں نے دینی اور قومی خدمات میں مثالی کردار ادا کیا تھا، حضرت مولانا محمد سلیمان صاحب باجھوٹوی، جو بہترین مناظر اسلام ہیں حضرت مولانا عبدالغفار صاحب کوسی کلاں، حضرت مولانا نور محمد صاحب اناوڑی مدرس و ناظم تعلیمات مدرسہ حسین بخش دہلی خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر شخصیتیں ہیں، دارالعلوم دیوبند سے براہ راست اکتساب فیض کرنے والوں میں حضرت مولانا محمد حبیب اللہ صاحب مہتمم مدرسہ معین الاسلام نوح و بانی مدرسہ اشرف الامداد کامینڈا، حضرت مولانا نیاز محمد صاحب بانی و مہتمم مدرسہ عربیہ قاسم العلوم نوح حضرت مولانا عبداللہ صاحب مالپوریؒ بانی مدرسہ عبدیہ تہنگین جنہوں نے احیائے سنت نبوی اور اصلاح قوم کے لئے بے پناہ جد و جہد فرمائی اور ہر طرح کی مشکلات کا سامنا کیا، مولانا مفتی رشید احمد صاحب مہتمم مدرسہ عبدیہ تہنگین، مولانا جمال الدین صاحب مہتمم

مدرسہ اشرف العلوم الور، مولانا محمد قاسم صاحب بانی و مہتمم مدرسہ محمدیہ میل، مولانا محمد عمر صاحب صدر مدرس مدرسہ مظاہر العلوم سام گڑھ مشاہیر علماء میں سے ہیں جو مراکز علوم میں بیٹھ کر علم دین کی ٹھوس خدمات انجام دے رہے ہیں۔ مولانا محمد حسن خان صاحب مہتمم مدرسہ اسلامیہ شاہ چوکھا بھی حضرت مولانا عبد السبحان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردوں میں سے ہیں جو کافی دن سے مدرسہ کی ذمہ داری سنبھالے ہوئے ہیں۔ مدرسہ رحیمیہ قصبہ پہاڑی حضرت مولانا محمد رحیم شاہ صاحب دہلوی کا قائم کردہ ہے جو بہترین طریقہ سے خدمت دین میں مصروف ہے۔ مدرسہ مصباح العلوم سنگار، مدرسہ اسلامیہ قصبہ کاما، مرکز تبلیغ نظام الدین کی سرپرستی میں چل رہے ہیں۔ مدرسہ انوار العلوم نوڑیہ میں مولانا نور محمد صاحب فاضل دار العلوم دیوبند بحیثیت صدر مدرس تعلیمی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ مدرسہ اسلامیہ قصبہ نگینہ حضرت مولانا نیاز محمد صاحب کی سرپرستی میں اپنا کام کر رہا ہے۔ اسی طرح علمی لائن سے دار العلوم کا فیض پورے میوات میں باران رحمت بن کر برس رہا ہے۔ مدرسہ امینیہ دہلی میں حضرت مفتی اعظمؒ کے بعد مفتی عبد الغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت مولانا محمد میاں صاحب نور اللہ مرقدہٗ اور اب حضرت مولانا عبد السمیع صاحب شیخ الحدیث نے میوات کے سینکڑوں علماء کو دورۂ حدیث کی تکمیل کرائی اسی طرح مدرسہ عالیہ فتحپوری دہلی میں حضرت مولانا قاری سجاد حسین صاحب شیخ الحدیث حضرت مولانا قاری محمد میاں صاحب دامت برکاتہم سے بے شمار میواتی علوم عربیہ کی تکمیل کر چکے ہیں۔ دار العلوم کے علمائے کبار سے حضرت مولانا محمد شفیع صاحب دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا محبوب الٰہی صاحب دیوبندی نور اللہ مرقدہٗ اساتذہ مدرسہ عبد الرب دہلی سے سینکڑوں علمائے میوات نے پڑھا اور سند فراغت حاصل کی۔ اس سے ظاہر ہے کہ علاقہ میوات دار العلوم کے علمی اثرات اور تبلیغی حرکات سے کتنا متاثر ہے۔ تقریباً تمام ترتعلیم میوات میں دار العلوم کا ہے۔ بیعت طریقت کے سلسلے بھی زیادہ تر تعلیم میوات میں دار العلوم کے مشائخ کا ہے۔ یہاں کی اکثریت حضرت مولانا شاہ محمد الیاس صاحب مرقدہٗ کے سلسلے سے وابستہ ہے ان کے علاوہ حضرت اقدس مدنی اور حضرت اقدس رائپوری قدس سرہما سے تعلق رکھنے والے بھی بڑی تعداد میں موجود ہیں۔ حضرت مولانا نیاز محمد صاحب مدظلہٗ اور حضرت مولانا جمیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت مدنیؒ کے اجل خلفاء میں سے ہیں جن کا تعلق میوات سے ہی ہے۔ مولانا نیاز محمد صاحب کے سینکڑوں مریدین و متوسلین علاقہ میں موجود ہیں۔ حضرت مولانا و مرشدنا سید اسعد مدنی دامت برکاتہم کے ارادتمندوں کا حلقہ بھی یہاں کافی وسیع ہے۔ یہ سارے اکابر علماء دار العلوم دیوبند سے وابستہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان حضرات کو اپنے افضال سے نوازے اور ان کی برکات سے میوات کو دینی و دنیوی ترقیات نصیب فرمائے۔ آمین!

عظمت محمود و قاسم

عظمتِ محمود و قاسم کا نشاں دار العلوم
ضوفشاں عالم میں اک مدت سے ہے مثلِ نجوم
جشنِ صد سالہ ہے کرتا ہے دعا دل سے رفیق
یا الٰہی تا ابد قائم رہے دار العلوم

★ محمد رفیق قاسمی

دارالعلوم دیوبند
درحقیقت احیاءِ دین کی ایک عظیم تحریک ہے۔ اس کا
جشنِ صدسالہ انشاءاللہ اس تحریک کو توانائیاں دے گا
★ حاجی قاسم حاجی محمد اسحٰق
سلک، ساٹن اور ہر قسم کی بنارسی ساڑیوں کے
مشہور تاجران
J 3/19 اودھوپورہ — وارانسی
فون — 63198

دارالعلوم اور سرزمین آسام

از مولانا محمد کفیل الدین قاسمی، جامعہ اسلامیہ جلالیہ ہوجائی، آسام

آسام ہندوستان کا وہ مشرقی صوبہ ہے جو منی پور، ناگالینڈ، میگھالیہ، ارونا چل اور تری پورہ، ان پانچ صوبوں سے گھرا ہوا ہے تقسیم ہند سے پہلے ضلع سلہٹ جو اب بنگلہ دیش میں شامل ہے آسام کا وہ اہم ضلع تھا جس کی دینی خدمات کی باگ ڈور پورے آسام میں اس ضلع کے رہنے والے حضرات کے ہاتھ میں تھی، قدیم آسام میں بڑے پیمانے پر کوئی بھی دینی عربی ادارہ نہیں تھا، حسن اتفاق سے ضلع کچھار جو سلہٹ کی سرحد سے ملا ہوا ہندوستان کا ایک ضلع ہے اور آسام کے جنوب مغربی حصہ میں واقع ہے چونکہ وہ اس وقت آسام کے ساتھ ہندوستان کا حصہ بن کر باقی رہ گیا تھا اس لئے سلہٹ کے بعد دین کی یہ خدمت کچھار ہی کی قسمت میں آئی۔ اس لئے آج بھی فضلائے دارالعلوم اور ان سے فیض یافتہ حضرات کی تعداد اور ان کے ذریعہ قائم کئے گئے دینی ادارے پورے آسام میں اس وقت اسی ضلع میں سب سے زیادہ ہیں اور اسی مناسبت سے اکابر دارالعلوم کا ورود ہمیشہ اسی اطراف میں کثرت سے ہوتا رہا ہے حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا خصوصیت کے ساتھ ہمیشہ یہاں دورہ رہا لہٰذا حضرت کے مجازین و مریدین کی کثیر تعداد یہاں پائی جاتی ہے۔ اور اسی ضلع کچھار سے تقریباً ملا ہوا دوسرا ضلع جس میں دوسرے درجے میں دینی ادارے اور فضلائے دارالعلوم دیوبند بکثرت پائے جاتے ہیں، وہ ضلع نوگانگ ہے۔ جو آسام کے بالکل درمیانی حصہ میں واقع ہے جس کی مشرقی جانب کو صوبہ کے اپر آسام (بالائی آسام) اور مغربی حصہ کو لوئر آسام

(پنجاب اسلام) کہلاتا ہے

ضلع کچھار میں ایسے دینی ادارے جو دارالعلوم دیوبند کے نصاب تعلیم اور طرزِ طریق پر قائم ہیں ان کی تعداد (ایک تخمینہ کے مطابق) چالیس سے زائد بتائی جاتی ہے۔ ان میں دو ادارے ایسے ہیں جن میں دورۂ حدیث تک کی تعلیم ہوتی ہے۔ بقیہ جو ادارے قائم ہیں ان میں نصاب تعلیم دارالعلوم دیوبند کا ہے مگر طرز و طریق میں علاقائی اعتبار سے قدرے فرق ہے ان میں نحو میر کافیہ سے لیکر مشکوٰۃ و جلالین تک کی تعلیم ہوتی ہے۔

ان میں دارالعلوم بانسکنڈی سب سے اعلیٰ درجہ کی بڑی درسگاہ ہے جس میں دورۂ حدیث تک کی تعلیم ہوتی ہے۔ دورۂ تفسیر و دارالافتا . . تک جاری ہے جو اپنے مخصوص طرز و طریق اور نصاب تعلیم و تربیت کے اعتبار سے گویا دارالعلوم کا نقشہ ثانیہ ہے اس میں چالیس کے قریب مدرسین کرام و عملہ ہمہ تن مصروف خدمت رہتے ہیں۔ جن میں حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنی علیہ الرحمۃ کے مجازین و مریدین کی ایک مخصوص جماعت بھی ہے۔ طلبا کی تعداد لو سات سو کے قریب ہے تمام طلبا کو ادارہ کی جانب سے قیام و طعام کا انتظام اور درس و تدریس و مطالعہ کے لئے بھی کتابیں مفت مہیا کی جاتی ہیں دیگر وظیفے بھی ادارہ کی جانب سے دیئے جاتے ہیں۔ یہ ادارہ ضلع کے صدر مقام سلچر سے بجانب مشرق ۱۸ میل کے فاصلہ پر بانسکنڈی نامی مقام پر لب سڑک واقع ہے۔ فی الحال سالانہ بجٹ ۶ لاکھ سے زائد ہے۔

یہ ادارہ سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ جنگ آزادی میں شریک ہونے والے ان کے ایک بزرگ ساتھی کے ہاتھوں قائم ہوا تھا۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے مشورہ اور آپ کی رہنمائی سے آپ کی آخری عمر . . . . . ت . . . . . زبان مسلسل مدہ سال رمضان المبارک . اعتکاف فرمایا۔ تو اسی زمانہ میں آپ ہی کے مجاز و خلیفہ دارالعلوم دیوبند کے ہونہار مایۂ ناز فاضل حضرت مولانا محمد احمد علی صاحب . . . . . . بخاری ترمذی شریف کی خدمت سپرد کر کے حضرت کے ہاتھوں دورۂ حدیث شریف کا درس شروع کیا گیا۔ فی الحال اس ادارہ کو صاحبزادۂ محترم فدائے ملت حضرت مولانا سید محمد اسعد مدنی مدظلہٗ کی سرپرستی کا فخر حاصل ہے۔ اس ادارہ کا گذارہ عوام کے چندہ ہی پر ہو رہا ہے۔

دوسرا ادارہ جس میں دورۂ حدیث تک کی تعلیم ہوتی ہے وہ اشرف العلوم رتن پور ہے جو ضلع کچھار کے ہیلاکنڈی کے علاقہ میں واقع ہے۔ یہ مدرسہ بھی اگرچہ ضلع کے قدیم اداروں میں شمار ہوتا ہے مگر دورۂ حدیث چند ہی سال قبل سے جاری ہوا ہے مدرسین کرام کی تعداد بیس کے قریب ہے اور طلبا تین سو کے لگ بھگ ہیں۔ بعض طلبا کے قیام و طعام کا بندوبست ادارہ کی جانب سے کیا جاتا ہے۔ اکثر طلبا اصحاب خیر کے مکانوں میں قیام کرتے ہیں۔ ان کے قیام و طعام کا آسام کی روایات کے مطابق ان حضرات کی طرف سے انتظام کیا جاتا ہے۔ مدرسہ کا گذر عوام کے چندہ ہی پر موقوف ہے۔

ان مذکورہ دونوں اداروں کے علاوہ جو دیگر ادارے ہیں ان میں سے اٹھارہ ادارے ایسے ہیں جن میں مشکوٰۃ و جلالین شریف تک کی تعلیم دی جاتی ہے بقیہ ادارے جو ہیں ان میں بھی نصاب تعلیم دیوبند کا جاری ہے مگر ان سے نیچے کے درجے کی تعلیم ہوتی ہے۔ ضلع کچھار کے بعد جو ضلع دینی اعتبار سے ترقی یافتہ ہے وہ ضلع نوگانگ ہے اس میں وہ ادارے جو دارالعلوم کے نصاب تعلیم پر جاری ہیں (۳۰) تیس تک شمار کئے جاتے ہیں۔ ان میں سے تین ادارے ایسے ہیں جن میں دورۂ حدیث تک کی تعلیم ہوتی ہے سب سے قدیم آسام دارالحدیث جے نگر ہے جو ضلع کے صدر مقام نوگانگ سے تیس میل کے فاصلے پر جے نگر کے مقام پر واقع ہے۔ ۲۶، ۲۷ سال قبل دارالعلوم بانسکنڈی سے چند سال پہلے دورۂ حدیث شریف جاری ہوا۔ مدرسین کرام کی تعداد بیس سے کچھ زائد ہے تین سو سے زائد طلبا زیر تعلیم ہیں۔ ایک سو کے قریب طلبا کے لئے ادارہ کی جانب سے قیام و طعام کا بندوبست ہے۔ سالانہ بجٹ ۳ لاکھ کے قریب ہے۔ مدرسین و طلبا کو ادارہ کی جانب سے درس و تدریس اور مطالعہ کے لئے کتابیں مفت عاریۃً دی جاتی ہیں۔ مستحق طلبا کو دیگر وظائف بھی دیئے جاتے ہیں اکثر

طلباء کے قیام وطعام کا انتظام اطراف کے اصحاب خیر کے ذریعہ انکے مکانوں میں کیا جاتا ہے۔

دوسرا ادارہ جامعہ اسلامیہ ہوجائی ہے جو ضلع کے صدر مقام نوگانگ کے جانب جنوب میں ۳۴ میل کے فاصلہ پر ہوجائی کے مقام پر واقع ہے جس کی بنیاد ۲۰، ۲۵ سال قبل پڑی ۵ سال سے دورۂ حدیث شریف بھی جاری ہے۔

چونکہ اس علاقہ کے اکثر لوگ ضلع سلہٹ (جو اس وقت بنگلہ دیش میں واقع ہے) وکچھاڑ کے رہنے والے تھے۔ وہاں سے ہجرت کرکے یہاں آکر آباد ہوئے تھے اور وہاں ایک یمنی بزرگ حضرت شاہ جلال مجرد یمنی رحمۃ اللہ علیہ کے ذریعہ اسلام پھیلا تھا۔ اس لئے انہی کی طرف نسبت کرتے ہوئے ادارہ کا نام جامعہ اسلامیہ جلالیہ منتخب کیا گیا۔ اس میں مدرسین وعملہ کی تعداد بیس سے زائد ہے طلباء تین سو کے قریب ہیں اور ادارہ کی کل آمدنی عوام کے چندہ کے ذریعہ ہوتی ہے۔ سالانہ بجٹ ۲ لاکھ سے زائد ہے۔ بعض مدرسین اور اکثر طلباء کو ادارہ کی جانب سے قیام وطعام کتابیں اور مستحق طلباء کو وظائف دیئے جاتے ہیں۔ اکثر اساتذہ کرام فضلائے دارالعلوم میں سے ہیں۔ دوسرے اساتذہ کرام اگرچہ فضلائے دارالعلوم میں سے نہیں مگر ان سے فیض یافتہ ہیں۔

اس ضلع نوگانگ کا تیسرا اہم دینی ادارہ دارالحدیث فربائی بھیٹی ہے یہ ادارہ ضلع کے صدر مقام نوگانوں سے ۱۸ میل کے فاصلے پر شمال کی جانب دوگانوں اسٹیشن کے قریب فربائی بھیٹی نامی مقام پر واقع ہے اس ادارہ کا سالانہ بجٹ ایک لاکھ سے زائد ہے۔ بیس کے قریب اساتذہ کرام خدمت تدریس میں مشغول ہیں طلباء کی تعداد تین سو کے لگ بھگ ہے۔

ان مذکورہ بالا اداروں کے اکثر شائخ حدیث فضلائے دارالعلوم دیوبند ہیں۔ ان تمام کے تمام دارالعلوم کے نقش قدم پر چلنے کو اپنے لئے باعث فخر سمجھتے ہیں۔ کچھ اساتذہ کرام اگرچہ فضلائے دارالعلوم میں سے نہیں ہیں مگر ان کے تلامذہ یا انکے [illegible] یافتہ مزید [illegible]۔

ضلع کچھاڑ اور ضلع نوگانگ کے علاوہ موجودہ سرے ضلعے ہیں ان میں مسلمانوں کی آبادی کافی نہیں اس لئے ادارہ دینیہ کثرت سے نہیں پائے جاتے۔

ضلع نوگانوں میں مذکورہ تینوں اداروں کے علاوہ جو ادارے دارالعلوم کے نصاب تعلیم پر چل رہے ہیں اور جلالین ومشکوٰۃ تک کی تعلیم ہوتی ہے ان کی مجموعی تعداد دس کے قریب ہے۔ ان کے علاوہ جتنے ادارے ہیں ان میں نصاب تعلیم دارالعلوم کا ہے مگر شرح جامی کافیہ یا اس سے نیچے تک کی تعلیم ہوتی ہے ان کی تعداد تیس تک بتائی جاتی ہے۔ نیز اس درجہ کے ادارے ان دونوں ضلعوں کے علاوہ ضلع درنگ میں ۱۳ ضلع گوالپارہ میں ۱۲، ضلع کمروپ میں دس، سبساگر میں ۲، لکھیم پور میں ۳، ڈبروگڑھ میں ۲ ہیں۔

ان میں سے بعض بہت ترقی یافتہ شمار کئے جاتے ہیں، (تعلیمی ومالی اعتبار سے) ان میں سے دارالعلوم گوہاٹی کو نمبر اول پر رکھا جاسکتا ہے جو آسام کی راجدھانی گوہاٹی کی مغرب جانب دریائے برہم پترکے ساحل پر واقع ہے جس کا سالانہ بجٹ تین لاکھ سے زائد ہے یہ علاقہ مسلم آبادی تقریباً خالی ہونے کی وجہ سے تمام مدرسین وطلباء کے لئے قیام وطعام کا مکمل انتظام ادارہ ہی کی طرف سے کیا جاتا ہے اس سال جلالین تک کی تعلیم ہورہی ہے حضرت شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی علیہ الرحمۃ کے مجاز وخلیفہ دارالعلوم کے لائق فاضل حضرت مولانا عبدالحق صاحب کے زیر اہتمام بہت ہی شاندار طریقہ پر دینی خدمات انجام دے رہا ہے۔ اسے فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنی مدظلہ کی سرپرستی کا بھی فخر حاصل ہے۔

دوسرا ادارہ ضلع کچھاڑ کے باغباڑی نامی جگہ پر — مدینۃ العلوم باغباڑی کے نام سے مشہور ہے جو ماشاء اللہ کافی توجہ کیساتھ دینی خدمات تقریباً سو سال سے انجام دے رہا ہے جو اپنی گوناگوں ترقی یافتہ خدمات کی وجہ سے آسام کے شہرۂ آفاق اداروں میں شمار ہوتا ہے مشکوٰۃ تک کی تعلیم ہوتی ہے۔

نیز مرکز العلوم بھنگہ جو ضلع کچھاڑ کے بھنگہ شریف نامی جگہ پر واقع ہے مشکوٰۃ تک کی تعلیم ہوتی ہے۔ یہ ادارہ بھی اپنی مخصوص

(آگے صفحہ ۱۱۵ پر)

محسن

بنارس کی قدیم صنعت اصلی زری ساڑیاں اور ہر قسم کے
فنکارانہ بنارسی پارچہ جات ہماری اہم تخلیقات ہیں

۲۲۲ — مدن پورہ — وارانسی ۲۲۱۰۰۱ —

فون — 52083 — 52201

دارالعلوم دیوبند کا

صد سالہ جلسۂ دستار بندی و اجلاس عام

ہماری نیک تمناؤں کا مرکز ہے

خدا کرے یہ اجلاس اسلامیان ہند کے مستقبل کی تعمیر میں ایک اہم سنگ میل ثابت ہو

ہم ہیں

اراکین جمعیۃ علماء بنارس

محمود منزل ـــ مدن پورہ روڈ ـــ وارانسی

دارالعلوم دیوبند کا بھوپال سے تعلق

حضرت مولانا مفتی عبدالرزاق صاحب

حضرت مولانا قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ بانئ دارالعلوم دیوبند کا تعلق نواب صدیق حسن خاں صاحب سے رہا ہے اور ان دونوں حضرات کی خط و کتابت رہی اور بعض مسائل پر تبادلۂ خیال ہوا ہے اور اس سے قبل حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد حضرت مولانا جمال الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو خسر ہیں نواب صدیق صاحب مرحوم کے مرام مور سیاراں کے رہنے والے تھے جنھوں نے سب سے پہلے حجۃ اللہ البالغہ چھپوائی ہے۔ اس نسبت سے بھوپال دارالعلوم سے بہت قبل علمی مرکز رہا ہے اور ولی اللہ خاندان بھوپال منتقل ہو گیا تھا شاہ عبدالقیوم صاحب رحمۃ اللہ علیہ شاہ اسحٰق صاحب کے داماد اور شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ کے شاگرد بھوپال میں قیام پذیر ہوئے اور اپنے علوم ظاہری اور باطنی سے مسلمانان بھوپال کو مستفیض فرمایا اور بھوپال کی مسجدوں میں قرآن و حدیث کا سلسلہ جاری فرمایا۔ اسی نسبت سے حدیث کی سند میں بھوپال کے محدثین دارالعلوم دیوبند کے اکابرین سے ایک سند میں مقدم ہو جاتے ہیں اور شاہ عبدالقیوم صاحب رحمۃ اللہ کے شاگرد حضرت مولانا محمد ایوب صاحب پھلتی اور حضرت مولانا قاضی محمد یحییٰ صاحب پھلتی کا خاندان آج تک بھوپال میں مقیم ہے شاہ عبدالقیوم صاحب کے پوتے حاجی احمد میاں صاحب بھوپال میں موجود ہیں۔ اس نسبت سے ولی اللّٰہی خاندان فقط آج بھوپال میں پایا جاتا ہے اور ولی اللہ خاندان سے ہندوستان میں دو جگہ علم حدیث کا سلسلہ ملتا ہے ایک دیوبند دوسرے بھوپال۔ اس لئے کہ ولی اللّٰہی خاندان علمی لحاظ سے بواسطہ مولانا قاسم صاحب نانوتوی دیوبند پہنچا اور خاندانی و علمی لحاظ سے بھوپال پہنچا ہے جو آج تک دونوں رشتوں کو زندہ کئے ہوئے ہے اور آج تک بھوپال کا تعلق دارالعلوم سے باقی اور ترقی پذیر ہے

مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ کے شاگرد رشید حضرت مولانا محمود حسن کے شاگرد اور خاندان کے فرد حضرت مولانا سید احمد صاحب دیوبندی بھوپال تشریف لائے اور مرحوم کی اولاد آج بھی بھوپال میں مقیم ہے اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ سے نواب سلطان جہاں بیگم صاحبہ والیہ ریاست بیعت ہوئیں۔ حضرت نے اس شرط پر بیعت کیا تھا کہ میرے پاس تشریف نہیں لائیں گی اور نہ میں آپ کی خدمت میں حاضری دوں گا اور نہ میری سفارش قبول کی جائے گی۔ والیہ ریاست نے ان شرائط کو قبول کیا اور بیعت ہوئیں اور حضرت کی بیعت کے یہ اثرات ہوئے کہ مرحومہ کی اولاد دیندار رہی اور ریاست میں قاضی اور مفتی اور حتی الامکان حدود شریعت کے جاری رہے۔ نواب شاہجہاں بیگم نے اپنی صاحبزادی سلطان جہاں بیگم کا نکاح احمد اللہ خاں صاحب سے کیا جو جلال آباد کے رہنے والے تھے۔ موصوف کے تین لڑکے ہوئے جن میں ایک عالم تھے اور ولی عہد ہوئے نواب نصر اللہ خاں۔ دوسرے حافظ اور قاری تھے نواب عبداللہ خاں جنھوں نے حافظوں اور قاریوں کو نوازا مرحوم کا حال یہ تھا کہ جب سونے لگتے تو حافظ قرآن پاک سناتا تھا اور جب کھانا لگایا جاتا تھا تو پہلے قرآن پاک سنایا جاتا تھا۔ تیسرے نواب حمید اللہ خاں جو علوم عربیہ اور عصریہ سے بخوبی واقف تھے ابتداءً مذہبی تعلیم سے فراغت حاصل کر کے آخر میں علی گڑھ سے بی اے کیا۔ اور آخر دم تک علماء کو نوازتے رہے۔ آپ کے دور حکومت میں تین دینی مدارس تھے جن کا تعلق دارالعلوم دیوبند سے تھا۔ ایک جامع احمدیہ دوسرا سلمانیہ، تیسرا عبیدیہ، نواب نے دارالعلوم کے لئے ماہوار پانچ ہزار ہدیہ مقرر فرمایا اور قاضی محمد حسن صاحب فاضل دارالعلوم دیوبند کو قاضی بنایا جو نواب صاحب کے استاذ بھی تھے اور حضرت مولانا رشید احمد

گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے۔ دارالعلوم سے بھوپال کا اتنا مضبوط تعلق ہوگیا تھا کہ بیک وقت بھوپال سے دارالعلوم دیوبند کے تین ممبر شوریٰ رہ چکے ہیں ۱۔ مولانا قاضی محمد حسن صاحب ۲۔ مولانا سعید الدین صاحب ۳۔ مولانا منظور احمد تحصیلدار، جو حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہ کے بہت ہی قریبی عزیز تھے اور رام پور منہاران کے رہنے والے تھے۔ اس دور میں دارالعلوم کا تعلق بھوپال اتنا گہرا ہوگیا تھا کہ مدرسہ احمدیہ کے طلبہ کا امتحان دارالعلوم کے اساتذہ لیا کرتے تھے اور بھوپال کے علماء کرام دارالعلوم دیوبند کے طلبا کا لیا کرتے تھے جیسے قاری بختیار صاحب مرحوم نے برسوں قرآن کا امتحان لیا اور دارالعلوم کے مدعو خصوصی اور ممتحن رہے ہیں۔ اور بھوپال سے فارغ ہوکر جو طلبا دیوبند جاتے تھے ان کو ریاست سے وظیفہ دیا جاتا تھا۔ ۱۳۶۵ھ میں قاضی محمد حسین صاحب کا انتقال ہوا تو حضرت مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ قاضی القضاۃ بنائے گئے اور اس وقت سب سے زیادہ تنخواہ قاضی صاحب کو دی گئی ایک ہزار روپیہ ماہوار اور ایک محل اور ایک کار دی گئی اور جامعہ احمدیہ کے امیر مقرر ہوئے۔ مرحوم نے نصاب میں تغیر کیا۔ درس نظامی کو ختم کیا۔ اور مولوی عالم فاضل کے درجات مقرر فرمائے۔ اس پر جامعہ احمدیہ کا خاتمہ ہوا۔ اسی دور میں مولوی عبدالخالق صاحب بنگالی نے درس نظامی کا مدرسہ الٰہیہ قائم کیا اور دارالعلوم دیوبند کے فضلاء کو جمع کیا اور درس نظامی کی تعلیم کو جاری رکھا۔ دارالعلوم دیوبند کے فضلاء نے اس کو اتنی ترقی دی کہ جامعہ احمدیہ برائے نام جامعہ تھا۔ کثرت تعداد طلبا کی الٰہیہ میں رہی جس کے شیخ الحدیث فاضل دارالعلوم دیوبند مولانا حلیم الدین صاحب اور مہتمم مولانا عبدالمنان صاحب سورتی فاضل دارالعلوم دیوبند رہے اور ریاست ختم ہونے کے بعد تک مدرسہ الٰہیہ چلا۔ راقم الحروف عبدالرزاق کی ابتدائی تعلیم مدرسہ الٰہیہ کی ہے اس کے بعد مدرسہ احمدیہ میں داخلہ لیا اور تین سال تک جامعہ احمدیہ میں تعلیم حاصل کرکے الٰہ آباد یونیورسٹی سے مولوی پاس کرکے ۱۹۵۲ء میں دارالعلوم دیوبند پہنچا۔ اس درمیان میں دارالعلوم دیوبند کا تعلق بھوپال سے ختم ہوگیا کیونکہ ریاست ختم ہوگئی تھی، دارالعلوم کے وہ فضلاء جو جامعہ احمدیہ میں تھے وہ سبکدوش کردئے گئے، جیسے مولانا عشرت حسین صاحب، مولانا سید عابد علی صاحب وجدی الحسینی۔

مولانا عشرت حسین صاحب اس وقت سب سے پرانے دارالعلوم کے فاضل ہیں، اور مجھ کو دیوبند پہنچانے والے موصوف تھے۔ موصوف بھوپال میں اسکول میں تعلیم دیتے رہے اور سید عابد علی صاحب قاضی بننے سے پہلے بھوپال سے بہار، مہاراشٹر کے علاقہ میں تشریف لے گئے۔ اس علاقہ میں تبلیغی اور تعلیمی خدمات انجام دیں۔ اسی درمیان میں دارالعلوم تاج المساجد کا قیام ہوا، سید عابد علی وجدی الحسینی دارالعلوم تاج المساجد میں مدرس ہوئے۔ موصوف کے بعد نے دارالعلوم تاج المساجد کے بعض طلبہ کو دیوبند پہنچایا۔ ۱۹۵۸ء میں راقم تحریر حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے دورۂ حدیث کی سند اور چھ سال دارالعلوم میں قیام کرنے کے بعد جب بھوپال پہنچا تو دارالعلوم دیوبند کا تعلق بھوپال سے منقطع پاکر ارادہ کیا کہ دوبارہ دارالعلوم دیوبند کا تعلق بھوپال سے قائم کیا جائے اور درس نظامی مدرسہ قائم کیا جائے۔ اللہ کا نام لے کر بلا کسی ظاہری اسباب کے مسجد ترجمہ والی میں بیٹھ کر پڑھانا شروع کیا اور مولانا عبدالہادی صاحب مفتی ریاست بھوپال کے مشورہ سے مدرسہ کا افتتاح ۲۲ شوال ۱۳۷۷ھ میں ترجمہ والی مسجد میں کیا۔ آج الحمدللہ وہ مدرسہ مدھیہ پردیش کا سب سے بڑا مرکز ہے اور اکابرین دارالعلوم دیوبند کی توجہات اور دعاؤں کی برکت سے روبترقی ہے اور دورۂ حدیث تک تعلیم جاری ہے جس میں سات سو طلبہ زیر تعلیم ہیں۔ ڈھائی سو طلبہ درجہ حفظ میں اور چار سو طلبہ دارالاقامہ میں مقیم، تمام مدرسین دارالعلوم دیوبند کے فضلاء ہیں اور ہر سال دارالعلوم کے اساتذہ امتحان لیتے ہیں اور فارغ طلبہ دارالعلوم جاتے ہیں اور ان کو وظیفہ دیا جاتا ہے۔ کئی مرتبہ مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہ تشریف لا چکے ہیں اور حضرت مولانا فخرالحسن صاحب مدظلہ کے مشورہ سے دورہ حدیث شروع کرایا گیا جس کے شیخ الحدیث مولانا سید عابد علی وجدی الحسینی قاضی بھوپال ہیں۔ مدرسہ کے سرپرست حضرت مولانا قاری طیب صاحب مدظلہ اور حضرت مولانا محمد اسعد صاحب مدنی مدظلہ ہیں۔ آج یہ مدرسہ جمعیۃ العلماء اور دارالعلوم دیوبند کی ایک شاخ ہے۔ اس طرح قدیم سے دارالعلوم کا تعلق آج تک باقی ہے۔ حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کا نکاح جامع مسجد بھوپال میں ہوا۔ شاہ صاحب کے خسر بھوپال میں قیام پذیر تھے۔ مولانا انظر شاہ مدظلہ کی والدہ مرحومہ کی ولادت بھوپال کی تھی۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

بھی بھوپال کئی مرتبہ تشریف لائے اور آپ کے متوسلین کا اچھا خاصا ایک اچھا حلقہ موجود ہے اور بھوپال تعلیم کے علاوہ اس وقت تبلیغ کا بھی مرکز ہے بلکہ ہندوستان میں صرف بھوپال ہی ایک واحد شہر ہے جہاں ۱۹۴۷ء سے آج تک مسلسل تبلیغی اجتماع ہوتا رہا ہے، اور بھوپال ہی ایک ایسا شہر ہے جسے خدا تعالیٰ نے علمائے بریلوی کے شر سے محفوظ رکھا ہے۔ اکثر عوام تبلیغ اور علمائے دیوبند کے معتقد ہیں۔ دارالعلوم دیوبند سے عقیدت اور محبت رکھتے ہیں۔

اور دیہات اور قصبات میں اب مدھیہ پردیش میں مختلف مقامات پر جامعہ اسلامیہ عربیہ مسجد ترجمہ والی کی نسبت اور تعلق سے شاخیں قائم ہیں جس میں دارالاقامہ بھی ہے اور ابتدائی تعلیم درس نظامی کی فضلائے دارالعلوم دیوبند دے رہے ہیں جن میں سے اکثر کا الحاق مدرسہ اسلامیہ عربیہ مسجد ترجمہ والی سے ہے جیسے مدرسہ مفتاح العلوم سکاتری پورہ ضلع رائےگڑھ، مدرسہ حفظ القرآن کھرزن، مدرسہ اکاذنہ ضلع شاہجہان پور اور خود شاہجہان پور میں اور سارنگپور اور مدرسہ تالام، اوجین اور کھیر گوتا سندھوا، ساگر، راحت گڑھ، بیگم گنج اور مختلف دیہات اور قصبات میں فضلاء دارالعلوم دیوبند کے فضلاء دینی تعلیمی خدمات انجام دے رہے ہیں یہ سب دارالعلوم دیوبند کا صدقہ ہے۔ اللہ تعالیٰ دارالعلوم دیوبند کو تا دیر قائم رکھے اور قیامت تک اس کے فیض کو جاری رکھے۔ آمین ثم آمین

بقیہ صفحہ ۱۱ دارالعلوم اور سرزمین آسام

اور قابل ستائش علمی خدمات کی وجہ سے بہت مشہور ہے۔

ان سے نیچے درجے کی تعلیم جن اداروں میں ہوتی ہے ان میں سے قاسم العلوم موڈنگا ہے جو ضلع کے صدر مقام نوگانوں سے ۳۵ میل کے فاصلہ پر جانب جنوب مشرق میں واقع ہے۔ آسام میں آزاد دینی تعلیمی بورڈ کے نام سے جو بورڈ قائم ہے اس کے سالانہ امتحان میں ہر سال بورڈ میں داخل تمام اداروں سے زیادہ وظیفے و انعام اسی درسگاہ کو نصیب ہوتے رہے ہیں۔ اس اعتبار سے یہ ادارہ نیچے کے درجہ کے تمام اداروں میں ممتاز شمار کیا جاتا ہے دوسرے کچھ اور ادارے بھی ایسے ہیں جو مشہور ہیں مگر اس مختصر مضمون میں طوالت کے خوف سے ان کے تعارف کی گنجائش نکالی نہیں جا سکی۔

عقائد و مسلک

دین کی حفاظت کا میدان

دارالعلوم دیوبند — فتنوں کے مقابلہ میں

از مفتی عزیز الرحمٰن صاحب (بجنور)

امام بخاری نے باب الفتن میں روایت کیا ہے

فتنہ اس جگہ ہے فتنہ اس جگہ
ہے جہاں شیطان کے سینگ ظاہر
ہوتے ہیں یا فرمایا جہاں سے
سورج طلوع ہوتا ہے یعنی مشرق

فتح الباری ج ۲ صفحہ ۲۳۲ ۔ حاشیہ بخاری ج ۲ صفحہ ۱۰۵۰ ۔ تاریخ الخلفا صفحہ ۱۱۲ اور معانی الاخیار محمد بن اسحٰق الکلاباذی نے ان تمام فتنوں کو شمار کرایا ہے جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد سے ظاہر ہوئے ہیں اور فرمایا ہے کہ یہ سب فتنے مشرق ہی سے ظاہر ہوتے ہیں۔ اس جگہ ہماری بحث ان فتنوں سے نہیں ہے بلکہ ان فتنوں سے ہے جو قیام دارالعلوم دیوبند کے بعد سے ہندوستان میں پیدا ہوئے ہیں ان فتنوں کے انسداد میں دارالعلوم دیوبند کا کردار کیا ہے ؟

۱۔ عیسائیت

ہندوستان میں انگریزوں کا اقتدار قائم ہونے کے بعد انگلستان سے سب سے بڑی دبا یہاں سے ہندوستان عیسائیت کے مشن کی صورت میں آئی۔ پادری فنڈر کی قیادت میں یہاں ایک مشن آیا اور اہل اسلام سے اکثر برسر پیکار رہا۔ انگریزوں کا منصوبہ تھا کہ ہندوستان میں عیسائیت کو پھیلا دیا جائے۔ اس فتنے کے مقابل حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مقابلہ کیا۔ انھوں نے پادری فنڈر سے شاہجہاں پور میں مناظرہ کیا اور اس کو شکست فاش دی۔ اس پر ایک کتاب میلہ خداشناسی کے نام سے شائع کی۔ اس مناظرہ میں حضرت مولانا محمد قاسم صاحب (۲) مولانا فخر الحسن صاحب گنگوہی (۳) حضرت مولانا محمود حسن صاحب شیخ الہند (۴) مولانا حکیم رحیم اللہ صاحب بجنوری (۵) مولانا ابو المنصور صاحب دہلوی (۶) مولانا احمد علی صاحب دہلوی (۷) میر حیدر علی صاحب دہلوی نے بھی شرکت کی تھی۔ اس مناظرہ کی کامیابی کے بارے میں اور حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں ایک ہندو جوگی کا مقولہ نہایت قابل قدر ہے

اس جوگی نے مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی طرف اشارہ
کرتے ہوئے کہا۔ جے (یہ) مولبی ہے۔ جب انھوں
نے بولی ماری تو ہم نے دیکھا کہ اس (پادری) کا اتنا
سر یہ سو کھ گیا تھا۔ (میلہ خداشناسی)

رد عیسائیت میں حکیم رحیم اللہ صاحب کی کتاب اثبات قدرت الٰہیہ اور حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کی کتاب اظہار حق نہایت قابل قدر کتابیں ہیں مولانا کیرانوی کی کتاب پڑھ کر متعدد عیسائیوں نے اپنا مذہب تبدیل کر دیا تھا۔ ان میں سے جارج کوسٹان مشہور مستشرق بھی ہے جو بعد میں مسلمان ہو گیا اب اظہار حق کی شرح پاکستان میں قرآن سے بائبل تک شائع ہو چکی ہے۔

۲۔ آریہ سماج

عیسائیوں کے بعد دارالعلوم دیوبند کے علماء کو آریہ سماجیوں کا بھی سخت مقابلہ کرنا پڑا ہے۔ انگریزوں کے اشاروں پر شدھی سنگھٹن کی تحریک شروع ہوئی اور آریہ سماجیوں نے اسلام اور پیغمبر اسلام پر اعتراضات شروع کئے۔ چنانچہ رڑکی میں حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے سوامی دیانند کا مقابلہ کیا اور اس کو شکست دی۔ اس مسئلہ میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی مشہور کتاب قبلہ نما ہے۔ اس کے بعد آریہ سماجیوں کے مقابلہ میں مولانا قاضی ثناء اللہ امرتسری۔ مولانا عبدالحق صاحب مفسر قرآن صاحب تفسیر حقانی ہوئے۔ چنانچہ ان لوگوں کی سخت محنتوں اور مقابلوں کے بعد آریہ سماجیوں کے مشہور مبلغ غازی محمود دھرم پال مع اپنے بیوی بچوں

کے مسلمان ہوگئے اور پھر انھوں نے بت شکن، کفر توڑ، جنتار ستیہ پرکاش کا جواب اور بہت سی قابل قدر کتابیں تصنیف کیں۔ علما اسلام میں سے مولانا ثناء اللہ اور مولانا عبدالحق صاحب حقانی کی تفسیر کا مقدمہ نہایت قابل قدر ہے۔ آریہ سماجیوں سے ایک دوسرا اہم مناظرہ حضرت مولانا احمد حسن صاحب امروہی نے ۱۹۰۶ء میں نگینہ میں کیا۔ موصوف نے بیان فرمایا ہے۔

میں ایسا محسوس ہوتا تھا کہ استاذ مرحوم (حضرت نانوتوی)
پاس کھڑے ہیں جو وہ بتلا رہے ہیں وہ بول رہا ہوں

جناب محمد ابراہیم صاحب ندوی پھلاودی نے اس بارے میں چند اشعار کہے تھے

تیغ زبان حضرت احمد حسن نے کیا
مضمون آبدار کا جوہر دکھا دیا
ایسی لگائی مہر مخالف کے منہ تھے بند
کیا ہی نگینہ پر یہ نگینہ جما دیا
کانوں سے جو سنے وہ مضامین تھے عجیب
آنکھوں سے علم قاسمی سب کو دکھا دیا
مشتاق تھے جو حضرت قاسم کی دید کے
کر اجمال قاسمی ان کو دکھا دیا

۳۔ قادیانیت

رد قادیانیت میں مولانا ابوالحسن علی میاں صاحب ندوی نے حضرت مولانا انور شاہ کشمیری (فاضل دیوبند) مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری، مولانا محمد حسین صاحب بٹالوی کا نام لیا ہے لیکن حضرت مولانا احمد حسن صاحب امروہی (تلمیذ حضرت شیخ الہند) کی خدمات ان تینوں حضرات سے زیادہ ہیں۔ امروہہ کے مولوی محمد احسن اور حکیم نورالدین صاحب مرزا غلام احمد کی تصدیق کرکے جب مرتد ہوگئے تو حضرت محدث امروہی نے مرزا غلام احمد کو مناظرہ اور مباہلہ کی دعوت دی تھی۔ چنانچہ جون ۱۹۰۹ء کو رام پور میں نواب صاحب رام پور کی زیر صدارت قادیانیوں سے مناظرہ ہوا جس میں قادیانیوں کو شکست اٹھانی پڑی۔ رد قادیانیت میں مولانا احمد حسن صاحب امروہی کی تقریریں اور انور شاہ کشمیری کی مختصر کتاب اور دیگر حضرات کی کتابیں قابل قدر ہیں۔ آخر میں فضلائے دارالعلوم دیوبند کی پاکستان میں قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کے لئے قربانیاں عالم اسلام میں یادگاری اور تاریخی کارنامے

۴۔ بریلویت

مسلک بریلویت اب تو کافی شکست خوردہ ہوگیا ہے مسلمانوں میں جس قدر دینی شعور بیدار ہو رہا ہے اتنا ہی وہ بدعت اور بریلویت سے دور ہوتے جا رہے ہیں۔ ایک وقت وہ بھی تھا (اور بعض جگہ اب بھی ہے) جہاں بریلوی مسلک کے علاوہ ان کی مساجد میں اگر کسی دوسرے مسلمان نے نماز پڑھ لی مسجد کو دھویا جاتا تھا۔ اور حلقہ دیوبند سے تعلق رکھنے والوں کو نعوذ باللہ وہ لوگ کافر کہتے تھے۔ بریلویت کا کھل کر اور میدان میں آکر مقابلہ کرنے والے سب سے اول بزرگ حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ خلیفہ حضرت مولانا گنگوہیؒ رہے ہیں۔ انھوں نے اہل بدعت سے سب سے پہلا مناظرہ بھاولپور میں ۱۲۹۷ھ میں کیا جس میں حضرت مولانا خلیل احمد صاحب کے علاوہ حضرت شیخ الہندؒ۔ مولانا صدیق احمد صاحب، مولانا مراد صاحب شریک تھے۔ اہل بدعت کو اس میں شکست ہوئی۔ رد بدعت میں حضرت گنگوہیؒ کے ارشاد کے بموجب سب سے پہلی کتاب حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ نے لکھی جس کا نام ہدایات الرشید ہے۔ اس کے بعد المہند تحریر فرمائی۔ ان کے بعد حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ نے بہت کتابیں تحریر فرمائیں۔ حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد صاحبؒ نے اس بارے میں نمایاں خدمات انجام دی ہیں۔ میلاد اکبر وغیرہ میں حلقہ دیوبند کے خلاف بریلوی حضرات نے علماء حرمین سے فتاویٰ حاصل کئے تھے۔ لیکن حضرت قدس سرہٗ نے اس بارے میں علمائے حرمین کا بہت ذہن صاف کیا اور ایک وقت وہ آیا کہ جب بریلوی حضرات کو حرمین میں دوبارہ نماز جماعت سے ادا کرنے پر باہر نکالا گیا۔ حضرت مدنیؒ کی کتاب الشہاب الثاقب بہت عمدہ کتاب ہے، ان کے علاوہ مولانا مرتضیٰ حسن صاحب چاندپوری۔ مولانا ابوالوفا صاحب شاہجہان پوری۔ مولانا محمد یونس صاحب جہردی نے گجرات اور مہاراشٹر کے علاقہ میں نمایاں خدمات انجام دی ہیں۔

۵۔ فتنہ انکار حدیث

یہ فتنہ ہندوستان میں تو زیادہ پرورش نہیں پاسکا۔ البتہ پاکستان میں یہ کافی عرصہ تک رہا۔ اور اب وہاں بھی دم توڑ چکا ہے۔ وہاں علماء کرام نے اس کا بہت خوب مقابلہ کیا خصوصاً مولانا بنوری، مفتی محمد شفیع صاحب اور دیگر فضلائے دارالعلوم کی ایک طویل فہرست ہے۔ اس فرقہ کا ایک

رسالہ طلوع اسلام کراچی سے شائع ہوتا تھا۔ اس کی تردید اور اپنے حضرات اہل حق کی تائید میں راقم الحروف نے مدینہ اخبار میں متعدد بار مختصراً کچھ تحریر کیا تھا اس حمایت کے سلسلہ میں پاکستانی علماء کرام نے شکریہ کے خطوط بھی راقم الحروف کے پاس بھیجے تھے۔

۶۔ فتنہ مودودیت

اس فتنہ کو ہم فتنہ مودودیت اس وجہ سے نہیں لکھ رہے ہیں کہ چونکہ علماء دیوبند اور سہارنپور نے اس کی مخالفت کی ہے۔ اس وجہ سے یہ فتنہ ہے بلکہ اس وجہ سے اس کو فتنہ لکھ رہے ہیں کہ جماعت اسلامی کے بانیوں ہی نے اس کو فتنہ قرار دیا ہے مثلاً مولانا منظور نعمانی، مولانا امین احسن اصلاحی، غازی عبدالجبار صاحب، حکیم عبدالرحیم اشرف صاحب وغیرہ۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر روز اول حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی اور حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب اس کی کھل کر مخالفت نہ کرتے تو عرصہ دراز تک لوگوں کو اس فتنہ کا فتنہ ہونا معلوم نہ ہوتا۔ جماعت اسلامی سے علیحدہ ہونے والے تمام حضرات نے حضرت شیخ الاسلام کا حوالہ ضرور دیا ہے کہ ان کی مخالفت کی وجہ سے ہم لوگوں کو غور کرنے کا موقع ملا۔

شروع ہی سے حضرت قدس سرہٗ کا کوئی وعظ اس سے خالی نہیں ہوتا۔ دیوبند میں ہر شنبہ کی رات کو حضرت قدس سرہٗ کا اسی موضوع پر وعظ ہوا کرتا تھا۔ حضرت نے اس موضوع پر متعدد رسالے تحریر فرمائے اور دارالعلوم دیوبند میں ایک کمیٹی تشکیل فرمائی تھی جو اس موضوع پر [illegible] پر لکھا کرتی تھی۔

پاکستان میں متعدد علماء کرام نے مودودی صاحب کی معرکۃ الآراء کتابوں کے جوابات تحریر فرمائے۔ جس وقت پاکستان میں مودودی صاحب نے مس فاطمہ جناح کی حمایت کی تھی ان دنوں راقم الحروف نے مدینہ اخبار میں اداریے اور مضامین بھی لکھے۔ اس سلسلہ میں دارالعلوم کراچی کو جو مودودیت کا آرگن تھا اپنی صفائی پیش کرنا پڑی۔ یہ مراسلت مدینہ میں شائع ہو چکی ہے۔ اسی زمانہ میں پاکستان کی مرکزی جماعت سے پانچ حضرات نے اظہار بیزاری کیا اور علیحدہ ہو گئے۔ اس سلسلہ میں راقم الحروف نے پوری تفہیم القرآن کا نہایت تفصیل کے ساتھ جائزہ لیا ہے۔ یہ تبصرہ تقصیرات تفہیم کے نام سے شائع ہو چکا ہے اور دوسری کتاب مولانا مودودی اور جماعت اسلامی اپنے قول و عمل کے آئینہ میں زیر طباعت ہے۔

گہوارۂ علم وادب سرچشمۂ فکر وثقافت
دارالعلوم دیوبند کو
جشنِ زرّیں کے خوشگوار موقع پر
دِل کی گہرائیوں سے نذرانۂ عقیدت پیش کرتے ہیں
حاجی ایم عبدالستار

نذر دار العلوم دیوبند

(مولانا محمد اعجاز عرشی، صدر ادارہ نادی المصنفین۔ کلٹی بردوان)

مادرِ علم! تری قدس مآبی کے نثار　　تو نے بخشی ہے مجھے گلشنِ احمد کی بہار

جادۂ منزلِ مقصود دیا ہے تو نے　　جذبۂ قاسمؒ و محمودؒ دیا ہے تو نے

تیرے آغوش میں گذرے ہیں جو لمحاتِ حیات　　ہیں وہی میرے لئے حاصلِ عنوانِ نجات

درسگاہوں میں میسر تھا جو اندازِ سکوں　　عمر بھر یاد رہے گا وہ وفا کا مضموں

منطق و فلسفہ و فقہ کے سارے اسباق　　بن گئے مصحفِ ادراکِ یقیں کے اوراق

دل کی گہرائی میں خاکہ ہے حسیں یادوں کا　　درسِ شیریں ہمہ تن کیف وہ استاذوں کا

ذہن سے یہ در و دیوار نہ جائینگے کبھی　　روح کو خلد کی تصویر بنائیں گے سبھی

یہ دعا کر کہ تیرے نام کو روشن رکھیں　　اپنے اسلاف کے ہر کام کو روشن رکھیں

علم سرمایۂ دامانِ نظر بن جائے　　زندگی دین کا عنوانِ سفر بن جائے

تا ابد سلسلۂ خیر تیرا جاری ہو　　تو ہی گنجینۂ لطف و کرم باری ہو

ایسے اوصاف ملیں جن پہ تجھے ناز رہے
نقشِ اعجاز ہر اک حال میں اعجاز رہے

نتقدم بأجمل التهانی

بمناسبة

الاحتفال المئوی لجامعة دارالعلوم

دیوبند،

هینڈلوم ساری سینٹر، تجار الأقمشة الحریریة

فی بنارس

دارالعلوم دیوبند

کے جشن صد سالہ پر ہم صمیم قلب سے

جذبات تبریک و تہنیت

نذر کرتے ہیں

حاجی عبدالغنی اینڈ سنس

ریشما پرنٹس　　ہینڈلوم ساڑی سنیٹر

سلک، شیفان، آرگنزا اور پرنٹیڈ ساڑیوں کے

صنعت کار و تاجر

۲۴۳ ــــــ مدن پورہ ــــــ وارانسی 221001

فون ــ 62124

۲۶ مارچ ۱۹۰...

مظہر نور خدا دارالعلوم دیوبند

شاکر دیوبندی

السلام اے سرزمینِ علم زارِ دیوبند
مرحبا! بادِ نسیمِ گل بہارِ دیوبند

عالمِ انسانیت میں امن کی تصویر ہے
بزمِ عالم میں، ہوائے مشکبارِ دیوبند

ہے گماں خورشید کا ہر ذرۂ ناچیز پر
دل جگاتا ہے جہاں میں جلوہ زارِ دیوبند

کوچہ و بازار جس کے پُرسکون و دل نواز
صورتِ راہِ وفا ہے رہ گذارِ دیوبند

قدسیوں کی سرزمیں، جنات کا مسکن ہے یہ
مظہرِ نورِ خدا ہے [illegible] دیوبند

بند کر ڈالے ہیں جس میں دیوِ استبداد کے
بے نشاں ہیں، بے مکاں وہ گنہ گارِ دیوبند

دیو کے ظلمت کدوں میں نور کا سامان ہے
ہندو مسلم کیا، سبھی ہیں نگہدارِ دیوبند

ہے مدینہ کا گماں اِس سرزمینِ پاک پر
ہر نظر بے تاب، ہر دل بے قرارِ دیوبند

وہ امینِ عظمت و ناموسِ ہندوستان ہے
ہے عروسِ ملک و ملت اب شمارِ دیوبند

ایک دریائے حقیقت از مکاں تا لامکاں
فیض کا ہے عام جاری آبشارِ دیوبند

ہے زمینِ دیوبند تسکینِ دل آرامِ جاں
جنتِ ارضی ہے ہر اک لالہ زارِ دیوبند

اے مرے پیارے وطن، تو ملک کی ہے آبرو
مرتبہ اعلیٰ ہے، برتر ہے وقارِ دیوبند

ملک و ملت کی مسلسل دیکھ کر بربادیاں
آج پھر تن کر اٹھا اک شہ سوارِ دیوبند

ملک و ملت کو بچاؤ فرضِ اول جان کر
کہتا ہے للکار کر اک وضعدارِ دیوبند

مدنی و محمود کے مسلک کا رہبر آگیا
دھوم ہے ہر سمت آیا تاجدارِ دیوبند

حق نما و حق نگر روشن حقیقت حق نواز
یوسفِ ثانی ہے گویا گل عذارِ دیوبند

کاروانِ ملک و ملت آج کیوں تاراج ہے
پھر اٹھا ہے سرفروش و جاں نثارِ دیوبند

مل گئے شاکرؔ یہاں جب رہنمایانِ جہاں
کیوں نہ ہوگی روح اپنی نغمہ بارِ دیوبند

باطل فرقے اور مسلک علمائے دیوبند

از مفتی عزیز الرحمن صاحب — بجنور

مسلک علمائے دیوبند	عقائد	نام فرقہ	نمبر شمار
حضرت علی نبی نہیں ہیں۔ بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نبی اور رسول ہیں محمد رسول اللہ	حضرت علی کو نبی کہتے ہیں	روافض غلویہ	۱
اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک نہیں سبحانہ تعالیٰ عما یشرکون اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت میں بھی کوئی شریک نہیں ہے۔	حضرت علی کو خدائی میں اور رسول کی رسالت میں شریک مانتے ہیں ان کا نام ابریشیہ بھی ہے	ابدیہ	۲
ہم تمام صحابہ رضی اللہ عنہم سے دوستی اور محبت رکھتے ہیں اور فرق مراتب ترتیب خلافت پہچانتے ہیں۔	جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو تمام صحابہ میں سب سے زیادہ دوست نہ رکھے وہ کافر ہے	شیعہ	۳
محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں اور آپ پر نبوت ختم ہو چکی ہے۔	یہ لوگ کہتے ہیں کہ نبوت ختم نہیں ہوئی اور ہر زمانہ میں نبی ہوتا ہے۔	اسحاقیہ	۴
یہ غلط ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے واركعوا مع الراكعين	امامت کی نماز بجز اولاد علی کے کسی کے پیچھے جائز نہیں ہے	زیدیہ	۵
یہ غلط ہے بلکہ ہر مسلمان عاقل بالغ کے پیچھے نماز جائز ہے بشرطیکہ اس میں صلاحیت ہو	بجز حضرت عباس بن مطلب کے کسی کو امام نہیں مانتے	عباسیہ	۶
یہ غلط ہے بلکہ ایمان لانے کے بعد اپنے کو کافر سے افضل جانے اس لئے کہ کفر نجس ہے اور اسلام طیب ہے۔	یہ لوگ کہتے ہیں جو اپنے کو دوسروں سے افضل تر نہ جانے وہ کافر	ناؤسیہ	۷
یہ غلط ہے۔ ایضاً	زمین امام غیب سے خالی نہیں ہے ان کی نماز بنو ہاشم کے علاوہ کسی کے پیچھے جائز نہیں	امامیہ	۸
یہ غلط ہے۔ جو مرتا ہے وہ پھر کسی کے قالب میں نہیں آتا۔ ومن ورائهم برزخ الى يوم يبعثون	تناسخ اور آواگون کو درست کہتے ہیں	متناسخیہ	۹
ان پر لعنت کرنے والا کافر ہے۔ حضرت طلحہؓ حضرت زبیر صحابی ہیں اور حضرت عائشہ کی فضیلت میں نص موجود ہے۔	یہ لوگ حضرت طلحہ حضرت زبیر حضرت عائشہ پر لعنت کرنے والے ہیں	لاعنہ	۱۰
یہ خیال شیطانی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے علاوہ پھر کوئی دنیا میں نہ آئے گا۔	یہ لوگ کہتے ہیں کہ حضرت علی دنیا میں پھر آویں گے اس وقت وہ ابر میں ہیں۔	راجعیہ	۱۱
مسلمان آپس میں نہ لڑیں اور صلح سے رہیں خلافت عباسیہ اور بنو امیہ میں جس قدر لڑائیاں ہوئی ہیں وہ انھوں نے ہی کرائی ہیں۔	مسلمان بادشاہ سے خروج کرنا درست ہے	متربصیہ	۱۲

نمبر شمار	نام فرقہ	عقائد	مسلک علمائے دیوبند
۱	ازرقیہ خارجیہ	خواب میں کوئی خوبی نہیں اس لئے کہ وحی منقطع ہو چکی ہے	یہ غلط ہے۔ بخاری شریف میں روایت ہے کہ مبشرات کے علاوہ نبوت میں سے کوئی شئے باقی نہیں رہے گی عرض کیا گیا مبشرات کیا ہیں حضور نے فرمایا رویا صالحہ، یہ حدیث متفق علیہ ہے خواب کو نبوت کا چھیالیسواں حصہ قرار دیا گیا ہے۔
۲	ریاضیہ 〃	قول صالح، عمل صالح اور نیت ایمان ہے۔	یہ ایمان نہیں ہیں بلکہ فروع ایمان ہیں۔ ہمارے نزدیک ایمان تصدیق اور اقرار ہے۔
۳	ثعلبیہ 〃	ہمارے کام ہماری قدرت اور اختیار سے ہیں خدا کا اس میں کوئی دخل نہیں۔	یہ بکواس ہے اور وسوسۂ شیطانی ہے بلکہ کوئی چیز خدا کی قدرت سے باہر نہیں۔ ان اللہ علیٰ کل شئی قدیر۔
۴	جازمیہ 〃	فرائض پہچاننا ضروری نہیں ہیں۔	یہ غلط ہے۔ فرائض سب ظاہر ہیں مثلاً روزہ، نماز، حج، زکوٰۃ، شہادتین۔ ان کا منکر کافر ہے۔
۵	خلفیہ 〃	اگر کافر دو چند ہوں تب بھی ان کے مقابلہ سے بھاگنا کفر ہے۔	یہ غلط ہے اگر مصلحت اور تدبیر جنگ کے لئے بھاگے تو کفر نہیں ہے۔
۶	کوزیہ 〃	اس فرقہ کا نام کوزیہ بھی ہے یہ کہتے ہیں کہ غسل میں جسم کا ملنا فرض ہے	یہ غلط ہے بلکہ جسم کا ملنا سنت ہے جسم صرف پانی بہا لینے سے پاک ہو جائے گا۔
۷	کنزیہ 〃	زکوٰۃ دینا فرض نہیں ہے	زکوٰۃ دینا فرض ہے۔ اقیموا الصلوٰۃ وآتوا الزکوٰۃ
۸	معتزلہ 〃	شر خدا کی طرف سے نہیں ہے۔ اور نماز فاسق کے پیچھے جائز نہیں ہے۔ ایمان بندہ کا کسب ہے۔ قرآن مخلوق ہے۔ مردوں کو دعا اور صدقہ سے نفع نہیں۔ معراج بیت المقدس سے آگے نہیں ہوئی۔ حساب، کتاب، میزان کچھ نہیں۔ فرشتے مومنین سے افضل ہیں۔ قیامت میں دیدار خدا نہ ہوگا۔ کرامت اولیاء کچھ نہیں اور اہل جنت کو بھی سونا اور مرنا ہوگا۔ اور مقتول اپنی موت سے نہیں مرتا۔ اور علامات قیامت مثلاً دجال وغیرہ کچھ نہیں اور اس کے علاوہ بہت باتیں کہتے ہیں۔ تین طلاق والی بغیر حلالہ کے جائز ہے۔ حضور معراج سے پہلے نبی نہیں تھے۔ یہ لوگ پیغمبروں کو معصوم نہیں جانتے	خیر اور شر سب خدا کی طرف سے ہے۔ لیکن بندہ کو ادب لازم ہے اور نماز فاسق امام کے پیچھے جائز ہے۔ ایمان کسب بندہ کا نہیں ہے ولکن اللہ یھدی من یشاء۔ قرآن پاک مخلوق نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے علّم القرآن فرمایا ہے خلق القرآن نہیں فرمایا۔ مردوں کو دعا اور صدقہ سے فائدہ ہوتا ہے۔ معراج بیت المقدس کے بعد بھی ہے۔ قاب قوسین او ادنیٰ۔ حساب، کتاب، میزان سب حق ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کتاب مرقوم اور واللہ سریع الحساب۔ والوزن یومئذ الحق۔ فرشتے مومنین سے افضل نہیں لقد کرمنا بنی آدم اور قیامت میں خدا کا دیدار ہوگا وجوہ یومئذ ناضرۃ۔ کرامات اولیاء حق ہیں اور اہل جنت کو سونا اور مرنا نہیں خالدین فیہا ابداً۔ مقتول اپنی موت ہی سے مرتا ہے۔ علامات قیامت دجال وغیرہ سب حق ہیں مطلقہ ثلاثہ بغیر حلالہ کے جائز نہیں اور یہ غلط ہے کہ حضور معراج سے پہلے نبی نہیں تھے۔ ہمارے نزدیک انبیاء معصوم ہوتے ہیں۔
۹	میمونیہ 〃	ایمان بالغیب باطل ہے	ایمان بالغیب صحیح ہے یؤمنون بالغیب

نمبر شمار	نام فرقہ	عقائد	مسلک علمائے دیوبند
۱۰	محکمیہ خارجیہ	اللہ تعالیٰ کا بندوں پر حکم نہیں	اللہ تعالیٰ کا ہر ذرہ پر بلکہ پوری کائنات پر حکم ہے
۱۱	سراجیہ ″	عمل کی جزا و سزا کچھ نہیں	یہ غلط ہے بلکہ اعمال کی جزا اور سزا ہے فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ ومن یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہ
۱۲	جنیہ ″	گزشتہ لوگوں کے حالات حجت نہیں بلکہ ان کا انکار لازم ہے	احوال گزشتہ لوگوں کے بحث قوی ہیں اور اقرار لازم ہے۔ قل سیروا فی الارض
۱۳	شراجیہ ″	عورتیں مانند پھول کے ہیں کسی کی ملک نہیں جس سے چاہے صحبت کرو	یہ فرقہ بھی فرقہ جنیہ سے ہے ان کا یہ خیال غلط ہے بلکہ صرف منکوحہ سے صحبت حلال ہے
۱	احدیہ قدریہ	یہ لوگ کہتے ہیں ہم پر فرض کا اقرار ہے سنت کا نہیں	ہم کہتے ہیں دونوں کا اقرار ضروری ہے۔ قل اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول
۲	ثنویہ ″	نیکی خدا سے ہے اور بدی شیطان سے	نیکی اور بدی سب خدا کی طرف سے ہے لیکن ادب لازم ہے اللہ تعالیٰ جس کو چاہے شیطان کے حوالے کرے ان اللہ علی کل شیء محیط
۳	کیسانیہ ″	ہمارے افعال ہماری مخلوق ہیں	ہمارے افعال ہماری مخلوق نہیں۔ ہمارے ارادے پر خدا کی گرفت ہے
۴	شیطانیہ ″	شیطان کا وجود نہیں	یہ غلط ہے بلکہ شیطان کا وجود ہے۔ ان الشیطان للانسان عدو مبین
۵	شرکیہ ″	ایمان غیر مخلوق ہے کبھی ہوتا ہے اور کبھی نہیں	یہ اعتقاد منافقین کا ہے۔ ایمان ہمیشہ رہتا ہے۔
۶	وہمیہ ″	دنیا فانی نہیں	سب چیز فانی ہے بجز ذات خدا کے۔
۷	قرمیہ ″	انسان کے افعال کا بدلہ نہیں	سب افعال کا بدلہ ہے۔ جزاء بما کانوا یکسبون
۸	ناکسیہ ″	امام پر خروج جائز ہے	امام پر خروج جائز نہیں۔
۹	متبریہ ″	گنہ گار کی توبہ قبول نہیں ہے۔	گنہ گار کی توبہ قبول ہے چاہے ہزار ہا گناہ کیے ہوں۔
۱۰	قاسطیہ ″	کسب علم، کسب مال، حکمت، ریاضت فرض ہے	یہ سب چیزیں فرض نہیں ہیں۔ علم بقدر ادائیگی فرض، فرض ہے۔ کسب مال سنت ہے۔ اور حکمت مباح ہے تزکیہ نفس کے لیے اگر ریاضت شاق نہ ہو تو واجب ہے۔
۱۱	نظامیہ ″	اللہ تعالیٰ بھی ایک شے ہے	یہ عقیدہ درست نہیں ہے۔ لیس کمثلہ شیء
۱۲	منزلیہ ″	ہم نہیں جانتے کہ شر مقدر ہے یا نہیں	اللہ تعالیٰ خالق ہر شے کا ہے اور وہ ہر چیز کو جانتا ہے۔
۱	جبریہ مضطریہ	خیر اور شر سب خدا کی طرف سے ہے بندے کا کچھ اختیار نہیں۔	ہمارا یہ عقیدہ گزر چکا ہے۔ لیکن بندے کے ارادے پر خدا کی گرفت ہے
۲	″ فعالیہ	بندے کا عمل ہے لیکن قدرت اور اختیار نہیں	فعل ہے لیکن دل کا ارادہ شرط ہے۔
۳	″ معیہ	بندے کا عمل بھی ہے اور اس کی قدرت بھی مگر اختیار نہیں	قدرت اور طاقت ہر چیز پر اللہ تعالیٰ ہی کی گرفت ہے۔

نمبرشمار	نام فرقہ	عقائد	مسلک علمائے دیوبند
۴	بحریہ تارکیہ	ایمان کے بعد کوئی چیز فرض نہیں	ایمان کے بعد اور بھی فرض ہیں ۔
۵	″ بحثیہ	ہر آدمی اپنے نصیب سے کھاتا ہے پس کسی کو دینا ضروری نہیں	قرآن پاک نے ایسے لوگوں کی مذمت کی ہے بلکہ خرچ کرنا اور دینا بھی ضروری ہے ۔
۶	″ متمنیہ	خیر وہ ہے جس سے نفس کو تسلی ہو	یہ شر ہے بلکہ خیر وہ ہے جس سے روح کو سکون ہو۔ اور نفس گھبرائے
۷	″ کسبیتہ	عمل سے زیادہ عذاب اور ثواب نہیں ہوتا	یہ غلط ہے بلکہ اللہ تعالیٰ غنی ہے اور جبار رحیم وکریم یفعل ما یشاء ویفعل ما یرید
۸	″ خوفیہ	دوست اپنے دوست کو ڈراتا ہے	اللہ تعالیٰ عبرت کے لیے ڈراتا ہے ذٰلک لعبرۃ لمن یخشٰی ۔
۹	″ فکریہ	خدا کی معرفت میں فکر کرنا عبادت ہے	فکر معرفت فرماں برداری کرنا ہے جو ادائیگی کی چیزیں ہیں ان کو ادا کیا جائے گا ۔ ان میں فکر سے کام نہ چلے گا ۔
۱۰	″ حسبیتہ	عالم میں تقسیم کوئی چیز نہیں	تقسیم ہے اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کا جوڑا پیدا کیا ہے وخلقناکم ازواجا اور الذی خلق الازواج کلھا ۔
۱۱	″ حجتیہ	جو کام تقدیر الٰہی سے ہے اس کی حجت بندہ پر نہیں ۔	کام اگرچہ تقدیر الٰہی سے ہیں لیکن بندہ پر حجت ہے کذٰلک یحیی اللہ الموتٰی ویریکم آیاتہ لعلکم تعقلون
۱۲	″ جعبیہ	دوست اپنے دوست کو عذاب نہ کرے گا	دنیا میں اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں کو جو تکلیف دیتا ہے وہ امتحان ہے۔ دوست، دوست کو ضرور جانچتا ہے ۔
۱	معطلیہ جہمیہ	اسماء اور صفات باری تعالیٰ سب اسی کی مخلوق ہیں ۔	یہ عقیدہ غلط ہے بلکہ جو چیز مخلوق ہے وہ جدا اور ایک اندازہ میں آچکی ہے۔ اسماء اور صفات باری تعالیٰ اس اندازہ سے باہر ہیں ۔
۲	متر ابغیہ ″	علم اور قدرت اور مشیت مخلوق ہیں	یہ عقیدہ غلط ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے یفعل ما یشاء ویحکم ما یرید
۳	مراقبیہ ″	اللہ تعالیٰ کا مکان ہے اور وہ کسی جگہ ہے جو معلوم نہیں	اللہ تعالیٰ مکانیت سے پاک ہے اور وہ حاضر و ناظر ہے ۔
۴	واردیہ ″	جو دوزخ میں جائے گا پھر باہر نہ آئے گا اور مومن دوزخ میں نہ جائے گا ۔	یہ غلط بلکہ صرف کافر کے لئے ہمیشہ کے لئے دوزخ ہے۔ مومن شامت اعمال سے دوزخ میں جائے گا پھر اللہ تعالیٰ کے فضل سے باہر آجائے گا اور نجات پائے گا
۵	حقیہ ″	اہل دوزخ، دوزخ میں جلنے کے بعد اس کا اثر نہ محسوس کریں گے	یہ غلط ہے اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں فرمایا ۔ اشد العذاب عذاب الیم۔ اس سے ثابت ہے کہ موت نہ ہوگی کہ ایک دم مٹ جائیں اور بعد میں الم محسوس نہ ہو ۔
۶	مخلوقیہ ″	قرآن، توریت، انجیل، زبور مخلوق ہیں	یہ چاروں کتابیں کلام ربانی ہیں اور مخلوق نہیں ہیں کیوں کہ خالق کا کلام مخلوق نہیں ہوتا ۔
۷	عبریہ ″	یہ لوگ کہتے ہیں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ حکیم تھے اور نہ رسول تھے ۔	یہ عقیدہ غلط ہے بلکہ حضور رسول اللہ ہیں اور حکیم بھی تھے۔ یہ چیز آپ کی آیت ہے

نمبر شمار	نام فرقہ	عقائد	مسلک علمائے دیوبند
۸	فانیہ جہمیہ	دوزخ اور جنت دونوں فنا ہو جائیں گی	یہ غلط ہے بلکہ ان کی فنا صرف آن واحد کے لئے ہوگی ویبقیٰ وجہ ربک ذوالجلال والاکرام
۹	زنادقیہ ”	حضور کو معراج جسمانی نہیں ہوئی۔ عالم قدیم ہے قیامت کوئی چیز نہیں۔	یہ عقیدہ غلط ہے بلکہ آپ کو معراج جسمانی مع روح کے ہوئی یقین سے ثابت ہے، عالم قدیم ہے۔ قیامت ضرور ہوگی اس کا منکر کافر ہے۔
۱۰	لفظیہ ”	قرآن کلام الٰہی نہیں بلکہ قاری کا کلام ہے اور معنی الٰہی ہیں۔	الفاظ اور معنی دونوں ہی کلام الٰہی ہیں الفاظ اور معنی دونوں کے مجموعہ کا نام قرآن ہے۔
۱۱	قبریہ ”	عذاب قبر کوئی چیز نہیں	عذاب قبر حق ہے۔
۱۲	توقفیہ ”	یہ لوگ قرآن کے مخلوق ہونے میں توقف کرتے ہیں	ہم یقین رکھتے ہیں کہ قرآن مخلوق نہیں۔
۱	تارکیہ مرجیہ	یہ لوگ کہتے ہیں کہ ایمان کے بعد کچھ فرض نہیں	یہ غلط ہے ہمارا عقیدہ اس باب میں گزر چکا ہے۔
۲	شائیہ ”	اس کا نام شارکیہ بھی ہے یہ لوگ کہتے ہیں کہ ایمان کے بعد جو چاہے کرو مضر نہیں۔	ان کا عقیدہ بھی غلط ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے من کسب سیئۃ واحاطت بہ خطیئتہ فاولئک اصحاب النار
۳	راجیہ ”	بندہ طاعت سے مقبول اور معصیت سے گنہگار نہیں ہوتا۔	یہ عقیدہ غلط ہے بلکہ دوزخ اور جنت کے جو لوگ مستحق ہوں گے ان کا ذکر قرآن میں ہے۔
۴	شاکیہ ”	اپنے ایمان میں شک رکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ روح ایمان ہے۔	یہ غلط ہے۔ ایمان اور شک دونوں ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے۔
۵	نہجیہ ”	ایمان علم ہے جو تمام اوامر اور نواہی کو نہ جانے وہ کافر ہے	یہ غلط ہے۔ اعمال ایمان کے اجزاء میں سے نہیں ہیں بلکہ ایمان یہ ہے آمنت باللہ الخ
۶	عملیہ ”	ایمان عمل ہے	یہ غلط ہے۔ ایمان، تصدیق اور اقرار ہے۔
۷	منقوصیہ ”	ایمان میں کمی اور زیادتی ہوتی ہے۔	یہ منافق کا ایمان ہے بلکہ مومن کے ایمان میں تو ہمیشہ زیادتی ہی ہوتی ہے
۸	ثنائیہ ”	یہ لوگ کہتے ہیں۔ ہم مومن ہیں انشاء اللہ	یہ غلط ہے۔ یہ اس وقت کہا جاتا ہے جو معلوم ہو اور واقع نہ ہو۔ جب خدا کو دل سے مان لیا تو اب انشاء اللہ کیسا؟
۹	اثریہ ”	قیاس باطل ہے۔	قیاس دلائل شرعیہ میں سے ہے اور اس کے شرائط ہیں۔
۱۰	بدعیہ ”	یہ لوگ کہتے ہیں کہ اطاعت امیر کی واجب ہے اگرچہ وہ گناہ کا حکم کرے۔	یہ غلط ہے۔ اطاعت معصیت میں نہیں۔
۱۱	مشبہیہ ”	یہ لوگ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا۔	یہ غلط ہے اللہ تعالیٰ کی کوئی صورت نہیں لیس کمثلہ شیئ اور نص میں جو موجود ہے اس کی تاویل کی جاتی ہے۔
۱۲	حشویہ ”	واجب، سنت، سب ایک ہی ہیں	یہ غلط ہے بلکہ ان میں فرق ہے۔
۱	قادیانیہ	مرزا غلام احمد کو نبی مانتے ہیں ان میں کے بعض فرقے	مرزا غلام احمد نبی نہیں تھا۔ وہ خود اور اس کے متبعین سب کافر ہیں پاکستان

Scanned by CamScanner

نمبر شمار	نام فرقہ	عقاید	مسلک علمائے دیوبند
		اس کو مجدد مانتے ہیں یہ لوگ ختم نبوت کے قائل نہیں ہیں	ان کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جا چکا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت ختم ہو چکی ہے یہ نص قطعی سے ثابت ہے اس کا منکر کافر ہے۔
۲	مودودیہ	یہ فرقہ صحابہ پر تنقید کو جائز قرار دیتا ہے اور کہتا ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ دیگر انبیاء پر بھی تنقید جائز ہے۔	یہ عقیدہ غلط ہے۔ صحابہ پر تنقید جائز نہیں اور تمام انبیاء علیہم السلام معصوم ہیں۔
۳	رضاخانیت	مرنے کے بعد کے مراسم کو جائز قرار دیتے ہیں عرس چہلم، قبر کا بوسہ لینا، طواف کرنا، سجدہ کرنا جائز ہے۔	مرنے کے بعد کے تمام مراسم بدعت ہیں عرس، چہلم ناجائز ہیں، ایسے ہی قبر کو بوسہ لینا، اس کا طواف کرنا، سجدہ کرنا حرام ہے۔

نوٹ:۔ آخر کے تین فرقے ہمارے ہندوستان (برصغیر) میں پیدا ہوئے۔ اور شروع کے ۲۷ فرقے عبداللہ بن سبا یمنی صنعانی (جو یہودی تھا پھر بعد میں مسلمان ہوگیا) نے پیدا کئے۔ اسلام میں جتنے فتنے اٹھے ہیں وہ سب عبداللہ بن سبا اور اس کے ماننے والوں نے اٹھائے تھے۔ ترمذی شریف میں ان ۷۲ فرقوں کے بارے میں حدیث ہے

میری امت ۷۳ فرقوں میں بٹ جائے گی ان میں سے ایک فرقہ کے علاوہ سب دوزخی ہیں۔ عرض کیا۔ وہ کون ہے؟ فرمایا جس طریقہ پر میں اور میرے صحابہ رضؓ ہیں۔ (ترمذی)

اس حدیث کی شرح میں ملا علی قاری نے ۷۲ فرقے اس طرح شمار کرائے ہیں۔ معتزلہ ۲۰۔ روافض ۲۲۔ مرجیہ ۵۔ خوارج ۲۰۔ بخاریہ ۳ جبریہ ۱۔ مشتبہ ۱۔ ان سب فرقوں کے نام میں اختلاف ہے۔ ہم نے صرف ایک قول کی بنیاد پر نام ذکر کردئے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضؓ نے ایک روایت میں اہل سنت والجماعت کے دس خصائص ذکر کئے ہیں اور یہ سب خصائص حلقہ دیوبند کے ہیں۔

۱۔ حضرات شیخین کو افضل جاننا یعنی حضرت (ابوبکر اور حضرت عمر) پھر حضرت عثمانؓ پھر حضرت علی رضؓ۔ یعنی فضیلت بترتیب خلافت۔
۲۔ بزرگ جاننا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں داماد کو یعنی پہلے حضرت عثمان رضؓ اور پھر حضرت علی رضؓ کو
۳۔ بزرگ جاننا دونوں قبلوں کو یعنی کعبۃ اللہ اور بیت المقدس کو۔
۴۔ موزوں پر مسح جائز ہے اور روافض کے نزدیک یہ جائز نہیں ہے۔
۵۔ دو گواہی سے باز رہا جائے یعنی کسی پر گواہی نہ دے کہ وہ دوزخی ہے یا جنتی ہے۔
۶۔ ہر دو امام کے پیچھے نماز جائز ہے یعنی صالح اور فاسق۔
۷۔ ہر دو تقدیر پر ایمان رکھنا
۸۔ ہر دو جنازہ پر نماز پڑھنا یعنی نیک اور بد
۹۔ ہر دو فرض۔ یعنی نماز اور زکوٰۃ کو برابر جاننا اور ادا کرنا۔
۱۰۔ امیر کی فرمانبرداری کرنا۔ اور ایمان لائے اللہ تعالیٰ پر اور اس کے سب رسولوں پر اور اس کے سب فرشتوں پر اور تمام کتابوں پر پانچ وقت کی نماز ادا کرے۔ زکوٰۃ دے، روزہ رکھے۔ حج ادا کرے اگر استطاعت ہو اور شریعت محمدی کے علاوہ کسی کی اتباع نہ کرے۔

دینی، علمی اور ثقافتی شعبے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

علمائے دیوبند کی عربی خدمات

محمد نعمان خاں مولوی فاضل ایم اے

دارالعلوم دیوبند ایشیا کے اہم ترین اداروں میں نمایاں ہے دارالعلوم ہی وہ چراغ ہے جس سے پورا دیار ہند روشن ہوا، یہ کہنا ہرگز بے جا نہ ہوگا کہ اگر اکابر ملت اسلامیہ ہند دور اندیشی سے کام لیتے ہوئے اس کا سنگ بنیاد نہ رکھتے تو آج اسلام کا اس ملک میں خدا ہی حافظ ہوتا۔ دارالعلوم کا فیضان اس قدر وسیع ہو چکا ہے کہ شاید ہی کوئی اسلامی خطہ ہو جہاں ایسا کوئی بھی شخص موجود نہ ہو جس نے دارالعلوم سے بالواسطہ یا بلاواسطہ کسی بھی طریقے سے استفادہ نہ کیا ہو۔

دارالعلوم اس ماہ (مارچ) کی ۲۱-۲۲-۲۳ کو اپنا صد سالہ جشن منانے جا رہا ہے۔ اس موقع پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کی عربی خدمات پر کچھ روشنی ڈالی جائے:

دارالعلوم کا اصل مقصد جیسا کہ سب جانتے ہیں اشاعت اسلام ہے، چوں کہ مسلمانوں کی اسلامی زبان عربی ہے، اس لئے عربی سے دلچسپی اور شغف فطری بات ہے، علمائے دیوبند نے ہندی نژاد ہونے کے باوجود بڑے بڑے اہم تصنیفی و تالیفی کام عربی میں انجام دئے ہیں۔ دارالعلوم کی تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ قیام دارالعلوم سے اب تک کوئی بھی عرصہ ایسا نہیں گزرا ہے جس میں ابنائے دارالعلوم کی عربی خدمات کا سلسلہ جاری نہ رہا ہو، کسی نہ کسی حیثیت و نوع کی عربی خدمت کی مثال ہر دور میں پیش کی جا سکتی ہے۔ علمائے دیوبند کی عربی زبان میں ہر موضوع پر تالیفات موجود ہیں اور انھوں نے اس کا حق بھی ادا کر دیا ہے، خواہ تفسیر ہو یا حدیث، منطق ہو یا فلسفہ، تاریخ ہو یا ادب، غرض ہر موضوع پر علمائے دیوبند کا معیاری کام موجود ہے۔ ابنائے دارالعلوم نے اب تک اس طرف توجہ نہیں دی ہے کہ ہمارے اسلاف کا یہ کام یکجا اور بہتر شکل میں آ سکے، چنانچہ بڑے بڑے علماء جنھیں آج تک دارالعلوم میں قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے ان کے کارنامے بھی اوراق منتشرہ ہی میں دیکھنے کو مل سکتے ہیں۔ ان کو یکجا کرنے کی طرف توجہ بہت کم کی گئی ہے ورنہ شاید دارالعلوم ہی ایسا ادارہ ہے جس نے ہر موضوع پر کام کیا ہے۔

ہم پیش نظر مضمون میں دارالعلوم کی عربی خدمات پر ایک طائرانہ نظر ڈال رہے ہیں جو وقت کی کمی کی وجہ سے کافی ناقص ہے لیکن بہرحال نہ ہونے سے ہونا بہتر ہے، ہو سکتا ہے کہ اس میں بہت سی اہم خدمات کا ذکر آپ کو نہ مل سکے لیکن پھر بھی کافی مواد اکٹھا کیا گیا ہے تاکہ ابنائے دارالعلوم اس طرف بھی توجہ دے کر اپنی مادر علمی اور اساتذہ کرام کا حق ادا کریں۔ اب ہم مختلف موضوعات پر عربی تصانیف و تالیف کا ذکر کرتے ہیں:

علم تفسیر

علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ (م ۱۳۵۲ھ) کی کتاب "مشکلات القرآن" ایک عجیب و غریب خزانہ ہے۔ اس میں قرآن کریم کے مشکل مقامات پر بصیرت افروز کلام کیا گیا ہے۔ اس کا مقدمہ مولانا بنوریؒ (م ۱۳۹۷ھ) نے لکھا ہے جو "یتیمۃ البیان" کے نام سے شائع ہوا ہے۔

مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ (م ۱۳۶۲ھ) کی کتاب "سبق الغایات فی نسق الآیات" ربط آیات پر بڑی اہم کتاب ہے۔ اسی طرح "وجوہ المثانی مع توجیہ الکلمات والمعانی" اختلاف قراءت کے بارے میں اہم کتاب ہے۔

حضرت مولانا ہی کی ایما پر مولانا ظفر احمد عثمانیؒ (م ۱۹۷۴ء)، مفتی محمد شفیع (م ۱۳۹۷ھ) اور مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ (م ۱۹۷۴ء)

نے "احکام القرآن" ترتیب دی۔ یہ تفسیر علم اصول، حدیث اور فقہ کا عجیب سرمایہ ہے جس پر عرب علماء بھی متحیر ہیں۔

حضرت مولانا عبیداللہ سندھی (م ۱۳۶۳ھ) کی تفسیر "الہام الرحمٰن" کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا، حال ہی میں اس کی تہذیب و تدوین مولانا غلام اللہ خاں نے کی ہے۔

مولانا ثناء اللہ امرتسری (م ۱۳۶۷ھ) نے تفسیر القرآن بالقرآن کے موضوع پر "تفسیر القرآن بکلام الرحمٰن" کے نام سے اپنی تفسیر شائع کی ہے۔ اسی طرح مولانا موصوف نے علم البیان اور علم معانی کو پیش نظر رکھ کر "بیان الفرقان علیٰ علم البیان" نامی تفسیر بھی تحریر کی ہے۔

مولانا محمد اعزاز علیؒ (م ۱۳۷۲ھ) نے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (م ۱۷۶۳ء) کی کتاب الفوز الکبیر کے حروف المقطعات کی بحث کا عربی میں ترجمہ کیا ہے۔

مولانا اشفاق الرحمٰنؒ (م ۱۳۷۷ھ) نے بھی اس موضوع پر تفانین (شرح جلالین) اور مرآۃ التفسیر تحریر فرمائی ہے۔

مولانا اقبال احمد اعظمی نے "تفسیرات شیخ الاسلام ابن تیمیہ" کے نام سے علامہ ابن تیمیہ (م ۱۳۲۸ء) کی تفسیری تحریرات کو جمع کیا ہے۔

علم حدیث

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ (م ۱۳۲۳ھ) کی ترمذی شریف پر تقاریر کے دو مجموعے "العرف الشذی علیٰ جامع الترمذی" اور "الکوکب الدری علیٰ جامع الترمذی" شائع ہو چکے ہیں۔

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب (م ۱۳۴۶ھ) نے ابوداؤد کی شرح ۵ ضخیم جلدوں میں لکھی ہے جو "بذل المجہود فی حل ابی داؤد/ فی شرح سنن ابی داؤد" کے نام سے شائع ہوئی ہے۔ بعد میں شرح حضرت مولانا محمد زکریا (پ: ۱۳۱۵ھ) کے مختصر حواشی کے ساتھ شائع ہوئی ہے اور اب مصر سے بیس جلدوں میں شائع ہو رہی ہے۔

مولانا محمد انور شاہ کشمیری (م ۱۳۵۲ھ) کی حدیثی خدمات بہت اہمیت رکھتی ہیں۔ آپ کے شاگرد رشید مولانا بدر عالم میرٹھی (م ۱۳۸۵ھ) نے آپ کی املائی تقریروں کو بڑی عرق ریزی سے شائع کیا ہے جو "فیض الباری علیٰ صحیح البخاری" کے نام سے ۴ ضخیم جلدوں میں مصر سے شائع ہوئی ہیں۔ اس پر مولانا محمد یوسف بنوریؒ (م ۱۳۹۷ھ) اور مولانا بدر عالم میرٹھیؒ (م ۱۳۸۵ھ) کا مقدمہ بھی ہے۔ اسی طرح ترمذی شریف کی املائی شرح کو مولانا محمد چراغ صاحب نے جمع کر کے "العرف الشذی بشرح جامع الترمذی" کے نام سے شائع کی ہے۔ اور مولانا محمد صدیق صاحب نجیب آبادی مرحوم نے سنن ابی داؤد پر تقاریر کو جمع کر کے "انوار المحمود فی شرح سنن ابی داؤد" کے نام سے شائع کیا ہے۔ اسی طرح آپ کی مسلم شریف اور سنن ابن ماجہ کی تقاریر کو بھی جمع کر لیا گیا ہے جو ابھی زیور طبع سے آراستہ نہیں ہوئی ہیں۔ حضرت شاہ صاحبؒ کی ترمذی شریف پر تحقیقات کا مجموعہ مولانا محمد یوسف بنوری نے "معارف السنن" کے نام سے ترتیب دیا ہے جس کی کچھ جلدیں کراچی سے شائع ہو چکی ہیں اور باقی کی امید ہے۔ "معارف السنن" کا مقدمہ بھی علم حدیث کی ایک مستقل کتاب کی حیثیت رکھتا ہے۔

اسی طرح حضرت شاہ صاحبؒ نے مولانا ظہیر احسن شوق نیموی (بہار) (م ۱۳۲۵ھ) کی کتاب "آثار السنن" کے حاشیہ پر مباحث تحریر کئے ہیں، اگر ان کو الگ مرتب کیا جائے تو ایک ضخیم کتاب وجود میں آ سکتی ہے۔ اس میں شاہ صاحبؒ نے احناف کی طرف سے مکمل جوابات دیئے ہیں۔ آخر میں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی (م ۱۹۰۵ء) اور شیخ الہند مولانا محمود الحسن (م ۱۳۳۹ھ) کی شان میں دو عربی قصیدے بھی ہیں۔

حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ (م ۱۳۶۲ھ) نے "الآثار" نامی تالیف میں حضرت امام ابوحنیفہؒ (م ۱۵۰ھ) کے دلائل ایک جزء میں جمع کر دئے ہیں۔ کتاب کافی اہم ہے۔

حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی (م ۱۹۴۹ء) بڑے زبردست عالم تھے اور ان کا اکابر دیوبند میں شمار ہوتا ہے۔ ان کا شاہکار "فتح الملہم" شرح مسلم ہے۔ افسوس کہ اس کی تکمیل نہ ہو سکی صرف تین حصے مکمل ہو سکے۔ تیسرا حصہ کتاب الزکوٰۃ سے کتاب النکاح پر ختم ہوتا ہے۔

حضرت مولانا اشفاق الرحمٰنؒ (م ۱۳۷۷ھ) نے "الطیب الشذی" کے نام سے ترمذی شریف کی شرح لکھی ہے۔ اسی طرح موطا امام مالکؒ، سنن ابن ماجہ، سنن نسائی پر حاشیہ آرائی فرمائی ہے۔ اسی موضوع پر "کشف المغطی عن رجال الموطا" اور شرح شمائل الترمذی

تحریر فرمائی ہے۔

مولانا بدر عالم میرٹھی (م ۱۳۸۵ھ) نے حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیری (م ۱۳۵۲ھ) کی تقاریر کو "فیض الباری علی صحیح البخاری" کے نام سے جمع کرنے کے علاوہ علامہ ابن ہمام (م ۸۶۱ھ) کی کتاب "زاد الفقیر" پر "مستزاد الحقیر" کے نام سے بڑا مفید حاشیہ تحریر کیا ہے۔

مولانا ظفر احمد عثمانی (م ۱۹۷۴ء) کی کتاب اعلاء السنن (۲۰ اجزاء) علمائے دیوبند کا عظیم کارنامہ ہے۔ یہ کتاب حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی (م ۱۳۶۲ھ) کی نگرانی میں تحریر کی گئی ہے۔ مولانا موصوف کا یہ کارنامہ قابل ستائش ہی نہیں بلکہ حیرت انگیز بھی ہے۔ حضرت مولانا نے اس کتاب میں حنفی مسلک کی مؤید حدیثوں کو جمع کر دیا ہے۔ حاشیہ میں محدثین عظام اور علمائے کرام کی تحقیقات درج فرمائی ہیں۔ یہ کتاب بقول خود مولانا کے تقلید جامد کے بجائے "تحقیق فی التقلید" ہے، چنانچہ آپ دیکھیں گے کہ جہاں احناف کی دلیل کمزور پڑتی ہے، اس کا وسعت قلبی سے اعتراف کیا گیا ہے۔ اس کا مقدمہ بھی کتاب کی شکل میں شائع ہو چکا ہے۔

اعلاء السنن کی ۱۲ جلدیں تقسیم ملک سے پہلے ہی شائع ہو چکی تھیں۔ کتاب متن اور شرح پر مشتمل ہے۔ بعض جلدوں کے آخر میں صرف متن کا اردو ترجمہ بھی شامل ہے۔

مولانا محمد ادریس کاندھلوی (م ۱۹۷۴ء) نے مشکوٰۃ شریف کی شرح "التعلیق الصبیح" کے نام سے ۷ ضخیم جلدوں میں تحریر فرمائی ہے۔

"تحفۃ القاری بحل مشکلات البخاری" کے نام سے ۲ جلدیں تحریر فرمائی ہیں۔

اسی طرح ان کا "مقدمۃ البخاری" بھی بہت اہمیت رکھتا ہے۔ مزید برآں آپ نے حدیث کے موضوع پر "الباقیات فی شرح حدیث انما الاعمال بالنیات" اور "تحفۃ الاخوان بشرح حدیث شعب الایمان" آپ ہی کا کام ہے۔

مولانا مفتی مہدی حسن (م ۱۳۹۶ھ) نے حضرت امام محمد (م ۱۸۹ھ) کی کتاب "الآثار" کی شرح تین ضخیم جلدوں میں تحریر کی ہے۔

مولانا عبد الرحمٰن مردانی (م ۱۹۷۵ء) کی اصول حدیث پر کتاب "جواہر الاصول فی اصول الحدیث" کے نام سے تین بار شائع ہو چکی ہے۔

حضرت مولانا محمد یوسف بنوری (م ۱۳۹۷ھ) حدیث شریف کے زبردست عالم تھے۔ آپ کا شاہکار "معارف السنن" ہے جو حضرت محمد انور شاہ کشمیری (م ۱۳۵۲ھ) کے افادات پر مبنی ہے، جنھیں علامہ موصوف نے نہایت ہی شگفتہ انداز میں پیش کیا ہے۔ مولانا موصوف کی یہ شرح اس دور میں حدیث کی خدمت کا عظیم کارنامہ ہے جس پر عرب ممالک کے علمائے حدیث بھی انگشت بدنداں ہیں۔ اس کا مقدمہ "عوارف السنن" کے نام سے مستقل کتابی صورت میں شائع ہو چکا ہے۔

اسی طرح علامہ نے "فیض الباری" شرح بخاری، "نصب الرایہ تخریج الہدایہ" کے مقدمے بھی تحریر کئے ہیں جن کی جامعیت اور افادیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

حضرت مولانا محمد زکریا صاحب (پ ۱۳۱۵ھ) کی بھی حدیثی خدمات بہت اہم ہیں، آپ نے حضرت مولانا خلیل احمد (م ۱۳۴۶ھ) کے علمی خزانہ "بذل المجہود" شرح ابوداؤد کو اپنے مفید حواشی کے ساتھ شائع کیا۔ آپ اس اہم شرح کی تالیف میں بھی برابر کے شریک تھے۔ اسی طرح حضرت گنگوہی (م ۱۳۲۳ھ) کی تقاریر کے مجموعہ "لامع الدراری علی جامع البخاری" کو بھی اپنی مفید تحقیقات کے ساتھ شائع کیا ہے۔ اس کا مقدمہ بھی بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ تراجم بخاری کو جو اہمیت حاصل ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ اس پر بھی حضرت شیخ نے بہت اہم کام کیا ہے۔ "الابواب والتراجم للبخاری" کے نام سے تین حصے شائع ہو چکے ہیں۔ اسی طرح حضرت گنگوہیؒ کی ترمذی کی تقریری شرح پر حواشی کا کام بھی انجام دیا ہے۔ مؤطا امام مالکؒ کی شرح تحریر فرمائی جو "اوجز المسالک الی مؤطا الامام مالک" کے نام سے ۶ ضخیم جلدوں میں شائع ہوئی ہے۔ یہ شرح مؤطا امام مالک کی اہم ترین شروح میں شمار ہوتی ہے اور اب بیروت سے متعدد اجزاء میں شائع ہو رہی ہے۔ آپ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم (۱۱ھ) کے آخری سفر حج اور عمرات کے موضوع پر دو جلدوں میں "حجۃ الوداع وعمرات النبی صلی اللہ علیہ وسلم" تحریر فرمائی ہے۔

مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی (پ ۱۳۱۹ھ) کو کون نہیں جانتا ان کی خدمات ایسی ہیں جنھیں علماء کرام کے طبقہ میں بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ مولانا اہم مخطوطات و نادر کتب حدیث کی بڑی جانفشانی

سے اشاعت وخدمت فرما رہے ہیں۔ صحیح بخاری کے ماخذ (مسند حمیدی) کو مولانا نے ہی شائع فرمایا ہے۔ اسی طرح دوسری صدی ہجری کے نامور محدث عبداللہ بن مبارک (م ۱۸۱ھ) کی "کتاب الزہد والرقائق" کی کتاب سب سے اہم اور قدیم ہے جس کے مخطوطے دنیا کے چند ہی کتب خانوں میں موجود تھے۔ مولانا موصوف نے مختلف نسخوں کا مقابلہ کرکے تصحیح وتعلیق اور تحشیہ کے ساتھ شائع فرمایا ہے، شروع میں ایک جامع ومبسوط مقدمہ ہے جس میں زہد کی حقیقت، چھٹی صدی ہجری تک جو کتابیں اس موضوع پر لکھی گئی ہیں ان کا تذکرہ، مصنف کے مفصل حالات، علمی ودینی کمالات وغیرہ تحریر کئے گئے ہیں۔ سنن سعید بن منصور کا جتنا بھی حصہ دستیاب ہوسکا ہے اسے بھی شائع فرمادیا ہے "المطالب العالیہ بزوائد المسانید الثمانیۃ للحافظ ابن حجر العسقلانی" کو بھی مولانا نے بڑی مشکل وجستجو سے حاصل کرنے کے بعد شائع فرمادیا ہے۔

مولانا نے ان کتابوں کو شائع کرنے ہی پر بس نہیں کیا بلکہ انھیں نہایت ہی محنت سے تصحیح اور ضروری ومفید اور محققانہ حواشی سے بھی آراستہ کیا ہے۔

امام ابوحنیفہؒ (۱۵۰ھ) کے نامور شاگرد عبدالرزاق بن ہمام صنعانی (م ۲۱۱ھ) کی کتاب "المصنف" پر بڑی عرق ریزی سے کام کیا اور اسے بہترین حواشی سے آراستہ کیا جو ۱۱ ضخیم جلدوں میں بیروت سے شائع ہوئی جو اس صدی کا اہم کارنامہ ہے۔

مولانا سید بادشاہ گل (پ ۱۳۲۳ھ) نے "حمد المتعالی علی تراجم البخاری" کے نام سے بخاری شریف کی شرح مرتب کی ہے جس کی جلد اول کا مسودہ تیار ہے۔ اسی طرح موصوف شرح ترمذی کے تقریباً تین سو صفحات تیار کرچکے ہیں۔

مولانا قاضی اطہر مبارک پوری (پ ۱۹۱۶) نے بھی امام ابوالفیض محمد بن محمد بن علی فارسی حنفی (م ۸۳۷ھ) کی اصول حدیث کی کتاب "جواہر الاصول فی علم حدیث الرسول" کی بھی شرح وحاشیہ آرائی فرمائی ہے۔

مولانا عبدالعزیز پنجابی نے "النبراس الساری فی اطراف البخاری" تحریر کی ہے جو دو جلدوں میں ہے۔

علم فقہ

حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ (م ۱۳۵۲ھ) نے فقہ کے موضوع پر "فصل الخطاب فی مسئلہ ام الکتاب"، "نیل الفرقدین فی مسئلہ رفع الیدین" اور "بسط الیدین لنیل الفرقدین" اور "کشف الستر عن صلوٰۃ الوتر" کتب تحریر فرمائی تھیں جو اہم بحثیں ہیں۔ مولانا محمد یوسف بنوریؒ (م ۱۳۹۷ھ) نے ان الذکر رسالہ کو اپنی مشہور معروف کتاب "معارف السنن" میں شامل کیا ہے۔

حضرت مولانا محمد اعزاز علیؒ (م ۱۳۷۴ھ) نے فقہ کی کافی خدمات انجام دی ہیں۔ انھوں نے محدث کبیر ملا علی قاریؒ (م ۱۰۰۵ھ) کی اہم کتاب شرح نقایہ کو "محمود الروایہ" نام کے حاشیہ کے ساتھ بڑے اہتمام سے شائع فرمایا۔ اسی طرح "کنز الدقائق"، "قدوری" اور "نور الایضاح" کے مفید حواشی لکھ کر بھی اہم خدمت انجام دی ہے۔

حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ (م ۱۳۹۷ھ) نے اس موضوع پر "بغیۃ الاریب فی احکام القبلۃ والمحاریب" تحریر فرمائی ہے۔

مولانا ابوالوفا افغانی نے امام محمد (م ۱۸۹ھ) کی کتاب "المبسوط" کو تہذیب وتعلیق کے ساتھ تدوین کیا ہے۔ کتاب عرصہ سے نایاب تھی مولانا موصوف کی بدولت ۱۳۹۰ھ میں اس کی دو جلدیں طبع ہوکر سامنے آئیں اور اس طرح اس دور کے لوگ قرن اول کے فقہی ذوق سے آشنا ہوسکے۔

مولانا غلام اللہ خاں نے بھی قدوری کی شرح وحاشیہ آرائی کی ہے۔

علم لغت وتاریخ

مولانا عبدالحفیظ بلیاوی (م ۱۹۷۱ء) نے علم لغت میں بہت اہم پیدا کیا۔ ان کی تالیف "مصباح اللغات" کو برصغیر ہند وپاک، بنگلہ دیش میں جو مقبول عام حاصل ہوا اس کی مثال نہیں ملتی کہنے کو لغات بہت سی لکھی جاچکی ہیں لیکن اس لغت کی اہمیت اور مقبولیت اسی طرح باقی ہے۔ مولانا کی اردو سے عربی لغت بھی ہے جسے زیادہ مقبولیت حاصل نہ ہوسکی۔

مولانا قاضی اطہر مبارک پوری (پ ۱۳۳۶ھ / ۱۹۱۶ء) مشہور اور کثیر التصانیف ہیں۔ آپ کا تاریخی کارنامہ "رجال السند والہند الی القرن السابع"

اسی طرح آپ کی کتاب "الفتوحات الاسلامیہ فی الہند" یا "العقد الثمین فی فتوح الہند ومن ورد فیہا من الصحابۃ والتابعین" بھی مرزوت اور اہمیت کی مالک ہے

اسی طرح آپ کی اور بھی مطبوعہ وغیر مطبوعہ تالیفات و تصانیف ہیں مولانا کی بعض اردو کتب کا عربی ترجمہ بھی شائع ہو چکا ہے۔

مولانا قاضی زین العابدین سجاد میرٹھی نے بھی "بیان اللسان" اور "قاموس القرآن" کے نام سے دو لغت مرتب کی ہیں۔

مولانا وحید الزماں کیرانوی نے بھی عربی سے اردو اور اردو سے عربی لغات تالیف کی ہے۔ عربی سے اردو کی حیثیت تو مصباح اللغات کے ضمیمہ ہی کی ہے۔ البتہ اردو سے عربی لغت کو مستقل اور اہم کام قرار دیا جا سکتا ہے۔

علم عقائد و کلام، فلسفہ، ہیئت اور سوانح

حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ (م ۱۳۵۲ھ) نے حضرت عیسیٰؑ سے متعلقہ آیات کی مبسوط شرح فرمائی ہے جو "عقیدۃ الاسلام فی حیاۃ و نزول عیسیٰ علیہ السلام" کے نام سے شائع ہوئی ہے اور بہت سے علوم و لطائف پر حاوی ہے۔ اس کا مقدمہ مولانا بنوریؒ (م ۱۳۹۷) نے لکھا ہے۔ اس کے علاوہ اس موضوع پر "اکفار الملحدین فی ضروریات الدین" "ضرب الخاتم علی حدوث العالم" "مرقات الطارم لحدوث العالم" "مشازۃ الدرر فی الذب عن قرۃ العینین" بھی آپ ہی کا اثر خامہ ہیں۔

مولانا مفتی محمود حسن ہزاروی (م ۱۹۷۳ء) نے بھی اپنی مختصر سوانح "التذکرۃ المحمودۃ" کے نام سے تحریر کی ہے جو سندھ (پاک) سے شائع ہوئی ہے

حضرت مولانا محمد شفیع دیوبندی (م ۱۳۹۶ھ) کا شمار بھی [illegible] ہوتا ہے۔ آپ نے قصائد اور شروح کے علاوہ "ہدیۃ المہدیین فی آیۃ خاتم النبیین" تحریر فرمائی ہے۔ اسی طرح "التصریح بما تواتر فی نزول المسیح" تحریر فرمائی ہے۔

حضرت مولانا بنوری (م ۱۳۹۷ھ) نے حضرت مولانا انور شاہ کشمیری (م ۱۳۵۲ھ) کی سوانح عمری "نفحۃ العنبر فی حیات الشیخ انور" کے نام سے تحریر کی ہے جو دہلی سے ۱۹۳۶ء میں شائع ہوئی۔

مولانا سعید عبد الرحمن ہزاروی (پ ۱۹۳۹ء) نے فلسفہ کے موضوع پر "الکندی؛ آراء الفلسفیہ" کے نام سے کتاب شائع کی ہے۔ "الحیاۃ الاجتماعیۃ عند نجم الدین الرازی" بھی آپ کی اعلیٰ تصنیف ہے

مولانا محمد موسیٰ روحانی بازی نے "الیانع الجنی فی الفرق بین الرسول والنبی" اسی طرح علم ہیئت پر "الہیئۃ الوحیدۃ" تحریر کی ہے۔ تذکرہ و سوانح میں آپ کی تالیف "کتاب الاعیان و الکبار" دو جلدوں میں ہے۔ اسی طرح آپ نے "الفوائد الملکوتیۃ فی ان الالفاظ حجۃ فی العربیۃ" تحریر کی ہے۔

علم ادب و صحافت

مولانا فیض الحسن سہارنپوری (م ۱۳۰۴ھ) بہت عمدہ شاعر تھے۔ آپ کا دیوان "دیوان الفیض" کے نام سے ۱۳۴۴ھ میں شائع ہو چکا ہے۔ اسی طرح آپ نے "دیوان حماسہ" کی شرح بھی تحریر کی ہے جو "شرح فیضی" کے نام سے مشہور ہے۔

مولانا ذوالفقار علی دیوبندی (م ۱۳۲۲ھ) نے دیوان حماسہ دیوان متنبی، سبع معلقات، قصیدہ بردہ اور کعب بن زہیر (م تقریباً ۶۴۵ھ) کے مشہور قصیدہ "بانت سعاد" کی بہت عمدہ شروح تحریر فرمائی ہیں۔ آپ کثیر الکلام شاعر بھی تھے۔ اور فنون عربیہ میں ید طولیٰ رکھتے تھے

مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ (م ۱۳۵۲ھ) بھی عربی شاعری کا ملکہ رکھتے تھے۔ اگرچہ صاحب دیوان شاعر تو نہیں ہیں تاہم کافی منظوم کلام مختلف جریدوں میں محفوظ ہے۔ مولانا محمد یوسف بنوری (م ۱۳۹۷ھ) نے آپ کی سوانح "نفحۃ العنبر" میں کچھ کلام نقل کیا ہے۔

مولانا محمد اعزاز علیؒ (م ۱۳۷۴ھ) کا شمار بھی ہند میں عربی ادب کے اہم علماء میں ہوتا ہے۔ مولانا شعری ذوق کے بھی مالک تھے آپ نے دیوان حماسہ، دیوان متنبی اور مفید الطالبین کی توضیح و تشریح کے علاوہ عربی ادب کی ایک درسی کتاب "نفحۃ العرب" کے نام سے مرتب کی ہے۔ یہ مجموعہ مولانا کے حسن انتخاب کا بہترین نمونہ ہے۔ مولانا کے عربی قصیدوں کا مجموعہ "قصائد شیخ محمد" کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ اس کے علاوہ بھی مولانا کے بہت سے قصیدے مختلف جریدوں میں محفوظ ہیں۔

مولانا ظفر احمد عثمانی (م ۱۹۷۴ء) علم حدیث کے متبحر عالم

تھے ہی، ساتھ ہی ساتھ عربی شاعری کا شائستہ مذاق رکھتے تھے۔ آپ کے دو نعتیہ قصیدے حضرت تھانویؒ (م ۱۳۶۲ھ) کے مجوزہ نام "نور علی نور" اور ایک عربی قصیدہ "وسیلۃ الظفر فی مدح خیر البشر" کے نام سے شائع ہو چکے ہیں۔

مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ (م ۱۹۷۴ء) نے مقامات حریری کا حاشیہ تحریر فرمایا ہے جو شرح کا حکم رکھتا ہے، اسی طرح آپ نے ایک قصیدہ "مقدمۃ المعراج" کے عنوان سے نظم کیا ہے اس کے علاوہ بھی آپ کے قصیدے مختلف جریدوں کی پرانی فائلوں میں دیکھے جا سکتے ہیں۔

حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ (م ۱۳۹۷ھ) عربی زبان کے صاحب طرز ادیب تھے، شاعرانہ ذوق سے بھی بہرہ ور تھے۔ آپ کے بہت سے قصائد مصر کے موقر جریدہ "الاسلام" میں شائع ہوئے ہیں اور باقی دیگر مجلات میں محفوظ ہیں۔

موجودہ دور میں دارالعلوم میں عربی ادب کی تدریس پر خصوصی توجہ دی جا رہی ہے اور عہد حاضر کی لسانی تبدیلیاں بھی پیش نظر رکھی گئی ہیں۔ مولانا وحیدالزماں کیرانوی کی نگرانی میں گزشتہ کئی سال سے طلبہ کو عربی میں تقریر و تحریر کی مشق کرائی جا رہی ہے درجہ تخصیص فی الادب اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے جس میں طلبہ عربی کے جدید و قدیم ادب پر عبور حاصل کرتے ہیں۔

فضلائے دیوبند کی ادارت میں اس وقت دو عربی پندرہ روزہ جریدے شائع ہو رہے ہیں۔ "الکفاح" دہلی جو جمعیۃ علماء کا ترجمان ہے جس کے مدیر اعلیٰ مولانا وحیدالزماں کیرانوی ہیں۔ دوسرا جریدہ "الداعی" دارالعلوم دیوبند کا ترجمان ہے جس کے مدیر نوجوان صحافی مولانا بدرالحسن قاسمی ہیں۔

پروفیسر گرے ونٹ (آکسفورڈ یونیورسٹی لندن)

"یہ میری بہت بڑی خوش قسمتی ہے کہ مجھے دیوبند دیکھنے کا اتفاق ہوا، میں نے دیکھا کہ قدیم اسلامی کلچر اب بھی یہاں پوری آب و تاب سے درخشاں ہے ایک مورخ کیلئے اس سے زیادہ روشن مواقع کا میں تصور بھی نہیں کر سکتا۔"

از حافظ محمد یعقوب شاہجہانپوری

علمائے دار العلوم دیوبند کے علمی و عملی کارناموں سے کون واقف نہیں۔ مدرسہ و خانقاہ سے لیکر میدان سیاست تک ان کے گونجتے ہوئے نعروں اور صداؤں سے کون سا کان ناآشنا ہے۔ مولانا محمود حسن دیوبندی مولانا حسین احمد مدنی۔ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی مولانا شبیر احمد عثمانی۔ مفتی محمد شفیع صاحب جیسے تابندہ درخشاں علمی ستاروں کو کون نہیں جانتا۔ موجودہ دور کے علماء میں حضرت قاری محمد طیب صاحب کے نام سے کون واقف نہیں۔ فی الوقت ہمارا موضوع بحث علمائے دیوبند کی تفسیری و قرآنی خدمت ہے۔ مگر چونکہ دار العلوم [illegible] علمی کی آبیاری جس خاندان نے کی جس کی وراثت کے ملے ہوئے ترکہ سے آج دار العلوم [illegible] بلکہ یوں کہئے کہ دار العلوم اور اس کے علماء [illegible] وجود کا سبب خارجی جو خاندان ہے اگر ان سے پہلے ان کی خدمت قرآنی کا اجمالا بہت تذکرہ نہ کیا [illegible] تو [illegible] موضوع [illegible] رہ جائے گی۔

وہ بنیادی خاندان حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کا خاندان ہے اور بلاشک و شبہ یہ وہ خاندان ہے جس کے علمی احسان تلے آج کا ایک ایک عالم اور ایک ایک طالب علم دبا ہوا ہے۔

یہ خاندان مغل شاہی کے ایک ایسے دور میں پیدا ہوا جب مسلمانوں اور حکومت اسلامیہ پر زوال کا دور آچکا تھا۔ سیاسی اقتدار و اخلاقی وقار دونوں ہی زوال پذیر تھے۔ اس لئے اس خانوادۂ علمی کے سامنے اخلاقی وقار اور سدھار کا مسئلہ ہی اولین کام تھا۔ کیونکہ جبتک اخلاقی درستگی اور عقائد میں پختگی نہ ہو۔ دیگر اصلاحات ناممکن ہی رہتی ہیں۔ اس لئے حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے صاحبزادگان نے اصل سرچشمہ ہدایت کی طرف سب سے پہلے توجہ کرلی۔ اور کلام الہٰی کو سہل ترانداز میں عوام تک پہنچانے کی سعی بلیغ فرمائی۔

چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ صاحب ۱۱۴۵ھ میں سفر حجاز سے واپس آئے تو سب سے پہلے

آپ نے فارسی میں ترجمہ قرآن کریم کی جانب توجہ مبذول کی اور ۱۱۵۱ھ میں یہ عظیم کام مکمل کر دیا تاکہ ہر خاص و عام براہِ راست کلام الٰہی سے استفادہ کر سکے۔ ساتھ ہی آپ نے مختصر حواشی بھی درج کر دیئے۔ تاکہ مشکل مقامات پر عام لوگوں کے ذہن الجھنے نہ پائیں۔ سیدھا سادہ لفظی ترجمہ چونکہ رواج کے خلاف پہلا مکمل ترجمہ تھا اس لئے جاہ پرست علماء کو سخت ناگوار گذرا کیونکہ براہ راست ترجمہ سے انہیں عوام پر اپنا راہبانہ اقتدار ختم ہوتا نظر آ رہا تھا۔ چنانچہ انہوں نے اس وقت کے حکمراں نجف خاں سے جو شیعہ مذہب سے تعلق رکھتا تھا۔ شاہ صاحب کی شکایات پر شکایات کیں اور اس نے ترجمہ قرآن کے جرم میں شاہ صاحب کے پہونچے اتروا دیئے۔ تاکہ ہاتھ بیکار ہو جائیں۔ حضرت کے دو صاحبزادے شاہ رفیع الدین و شاہ عبدالعزیز صاحب کو دہلی سے نکلوا دیا۔ اس بدبخت نے مرزا مظفر جان جاناں کو بھی شہید کرایا۔ مگر ایمانی و روحانی قوت رکھنے والوں کو جسمانی تکلیفیں عمل حق سے کہاں باز رکھ سکتی ہیں چنانچہ آپ کے خاندان میں قرآن کی یہ خدمت فروغ پاتی رہی اور آپ کے بڑے صاحبزادے شاہ عبدالعزیز صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے تفسیر عزیزی لکھی جو اگرچہ سورۂ بقرہ اور آخری دو پاروں پر مشتمل اور محدود ہے مگر تفسیری مباحث و نکات کے اعتبار سے ایک جامع حیثیت رکھتی ہے۔ اس کے علاوہ سورۂ مؤمنون سے سورۂ یٰسین تک سوا پانچ پاروں کی تفسیر بھی آپ کے ایک شاگرد نے قلم بند کی جسے دوران درس سنا تھا۔ یہ تفسیر بھی پنج پاروں کے نام سے شائع ہو چکی ہے۔ شاہ عبدالعزیز صاحب کے دو لوگوں بھائیوں شاہ رفیع الدین رحمتہ علیہ اور شاہ عبدالقادر رحمتہ اللہ علیہ نے بھی اس طرف توجہ کی اور اپنے اپنے طور سے قرآن کریم کا ترجمہ اردو میں کیا۔

واضح رہے کہ اس وقت تک اردو قلعہ معلّٰی اور عوام کی زبان بن چکی تھی۔

حضرت شاہ رفیع الدین رحمتہ اللہ علیہ نے صرف الفاظ قرآنی کا لحاظ رکھتے ہوئے تحت اللفظ ترجمہ کیا مگر شاہ عبدالقادر رحمتہ اللہ علیہ نے وحی الٰہی کے الفاظ اس کی روح اور اس کا مقصد ہر ایک بات کا لحاظ کرتے ہوئے قرآن کریم کا ترجمہ قلم بند فرمایا۔ چنانچہ ان کا "الہامی ترجمہ" موضح قرآن آج دو سو سال گذر جانے پر بھی افادیت اور جامعیت کے اعتبار سے ایک شاہکار کی حیثیت رکھتا ہے۔ بہرحال وحی الٰہی کے ترجمہ و تشریح کی جانب خاندان ولی اللہی نے پوری پوری توجہ مبذول کر رکھی تھی۔ تاکہ کلام الٰہی عام ہو اور زیادہ لوگ براہ راست اس سے استفادہ کر سکیں۔ قرآن کریم کی حفاظت کا یہ ترکہ خاندان ولی اللہی سے علمائے دیوبند کو وراثت کے طور پر ملا تھا۔ پھر کیوں نہ یہ لوگ بھی دل و جان سے اس کی طرف متوجہ ہوتے چنانچہ اسی مدرسہ قاسمی سے جو بعد میں دارالعلوم کے نام سے معنون ہو کر سارے عالم میں مشہور ہوا۔ علم و فن کے تابناک شمس و قمر عالم وجود میں آئے۔ جن کے سامنے علماء کی نگاہ بھی خیرہ ہوئے بغیر نہیں رہتی۔

اسی درسگاہ سے حکیم الامت پیدا ہوئے اسی مدرسے نے شیخ الہند و شیخ الاسلام کو جنم دیا اسی چشمہ کی آبیاری کا ثمرہ مولانا شبیر احمد عثمانی، مولانا مفتی محمد شفیع اور مولانا ادریس کاندھلوی ہیں اسی مادر علمی کا فیضان ہے کہ آج سیکڑوں بلکہ ہزاروں کی تعداد میں مدرسے ہیں جو علوم قرآنیہ کی درس و تدریس اور اس کی حفاظت کا کام سرانجام دے رہے ہیں

آج ہم انھیں حضرات کی قرآنی خدمات پر ایک طائرانہ نظر ڈال رہے ہیں تاکہ علماء دیوبند کی قرآنی و تفسیری خدمات کا صحیح اندازہ ہو سکے۔ ساتھ ہی ساتھ وقت و زمانے کے لحاظ سے اس کام کو آگے بڑھانے کا ہمارے اندر بھی ایک شوق اور جذبہ ابھرے اور ہم بھی اپنی زندگی کے امور و فرائض میں اس عظیم کام کو شامل کر لیں۔

شیخ محمود حسن دیوبندی

اکابر علماء دیوبند میں غالباً سب سے پہلا ترجمہ حضرت شیخ الہند کا ہے جو موضح فرقان" کے نام سے مشہور ہے۔ یہ ترجمہ اگرچہ طبع زاد ترجمہ نہیں بلکہ شاہ عبدالقادر رح

کے ترجمہ کا سہ جہتی اردو ایڈیشن ہے جیسا کہ خود حضرت شیخ نے اپنے مقدمہ میں لکھا ہے کہ موضح فرقان شاہ صاحب کے ترجمہ میں اصلاح نہیں بلکہ تیسیر و تسہیل ہے۔ تیسیر و تسہیل بذات خود اہم کام ہے چہ جائیکہ حضرت شاہ صاحب کے الہامی ترجمہ کی تیسیر و تسہیل جو اور بھی دشوار کام ہے۔ مگر جس اخلاص و محبت سے حضرت شیخ نے اس کام کو سرانجام دیا وہ خود ایک علمی کارنامہ بن گیا اور آج تک زندہ و جاوید ہے۔

مولانا شبیر احمد عثمانی رح

مولانا شبیر احمد عثمانی نے اس ترجمہ پر تفسیری حاشیہ لکھا اس کی افادیت پر تفسیری فوائد نہایت شگفتہ پر مغز اور دلکش انداز میں تحریر کئے ہیں جو ایک طرف علماء کے لئے دعوت فکر ہیں تو دوسری طرف جدید ذہن کو بھی اپیل کرتے ہیں۔ اس تفسیری حاشیہ کی مقبولیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اب تک ہندوستان پاکستان چین ہانگ کانگ اور افغانستان میں اس حاشیہ کا فارسی ترجمہ ہو کر شائع ہو چکا ہے۔

ترجمہ قرآن مولانا احمد علی صاحب لاہوری

مولانا کا ترجمہ نہایت سلیس و فصیح ہے حواشی میں ربط آیات اور ضروری وضاحتیں نہایت عام فہم زبان میں کی گئی ہیں جن سے کم پڑھے لکھے لوگ بھی استفادہ کر سکتے ہیں۔

ترجمہ قرآن مولانا احمد سعید صاحب دہلوی

مولانا کی زبان میں دلی کی ادبی زبان اور عوامی زبان کا حسین امتزاج نظر آتا ہے انکا انداز نہایت سہل اور پیرایہ بیان نہایت دلنشیں تھا۔ مولانا صاحب قلم عالم ہونے کے ساتھ ساتھ بے مثال واعظ بھی تھے۔ اپنے وعظ میں ایک طرف وہ بے تکلف ادبی الفاظ استعمال کرتے تھے۔ تو دوسری طرف دلی کے مخصوص محاورے ان کی زبان زد ہوتے تھے۔ یہی چیز ان کے ترجمہ میں نمایاں طور پر ملتی ہے۔ چنانچہ ادبی ذوق رکھنے والے ان کے ترجمہ قرآن سے بہت زیادہ لطف اندوز ہوتے ہیں۔

ترجمہ قرآن مولانا عاشق الٰہی میرٹھی

مولانا کا ترجمہ بھی موجودہ اردو تراجم میں نہایت مقبول ترجمہ ہے۔ یہ ترجمہ نہایت سلیس اور صاف اردو میں ہے جو علمائے دیوبند کی قرآنی خدمات میں ایک قابل قدر اضافہ ہے۔

تفسیریں قرآن کریم کے معانی معارف کا مسئلہ صرف تراجم سے حل نہیں ہو سکتا تھا اس بحر زخار کے موتیوں کے انتخاب تراجم سے ممکن نہیں تھا اس لئے وہ حضرات جو اس بحر بے کنار کے غواص تھے۔ انہوں نے قرآن کریم کی تفسیر و تشریح پر بھی توجہ صرف کی۔ اور علوم قرآنیہ سے متعلق گرانقدر سرمایہ کا اضافہ کر کے علوم الٰہی سے مستفیض ہونے والوں پر مزید احسان فرمایا۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رح

اس سلسلہ میں سب سے پہلا نام حکیم الامت حضرت تھانوی کا آتا ہے جنھوں نے ۱۲ حصوں پر مشتمل ایک تفسیر "بیان القرآن" کے نام سے لکھی اس تفسیر کے ساتھ ترجمہ بھی لکھا جو بعد میں تفسیر سے علیحدہ کر کے شائع کیا گیا۔ یہ تفسیر بے پناہ ظاہری و باطنی خوبیوں کی مالک ہے مگر زبان و انداز بیان نہایت بلیغ ہے جس کی بناء پر عوام اور کم پڑھے لوگ کما حقہ اس تفسیر سے مستفید نہیں ہو سکتے۔

حضرت تھانوی رح نے اخیر عمر میں ایک اور عظیم الشان قرآنی خدمت انجام دینے کا ارادہ فرمایا تھا اور وہ یہ کہ قرآن حکیم کی آیات احکام پر ایک بالغ نظر ڈال کر صرف آیات احکام کو تفسیری شکل دیدی جائے۔ مگر موصوف کو وقت نے مہلت نہ دی اس لئے یہ کام آپ نے اپنے اصحاب و خدام کے سپرد کر دیا۔ یہ تفسیر عربی میں ہے اور تفسیر کیا یوں کہئے کہ اصول تفسیر و حدیث اور فقہ کا بحر بے کنار ہے۔ جو "احکام القرآن" کے نام سے سات ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے۔ پہلی دو جلدیں سورۂ نساء تک۔ آٹھ سو صفحات پر مشتمل ہیں جو مولانا ظفر احمد عثمانی کا دش قلم کا نتیجہ ہیں۔ تیسری چوتھی جلد جیسا کہ مجھے مولانا انظر شاہ صاحب کی زبانی معلوم ہوا۔ مولانا حبیب الرحمٰن صاحب کیرانوی کے نتیجہ فکر کا ثمرہ ہیں۔ صفحات کی تعداد معلوم نہ ہو سکی۔ پانچویں چھٹی جلد مولانا

مفتی محمد شفیع صاحب کا قلمی شاہکار ہے۔ یہ تفسیر تقریباً چھ سو صفحے پر مشتمل ہیں، ساتویں جلد مولانا ادریس صاحب کاندھلوی کے قلم بلاغت کا نتیجہ ہے۔

مولانا مفتی محمد شفیع صاحب

مفتی محمد شفیع صاحب نے مذکورہ تفسیری خدمت کے علاوہ مستقل ایک اور تفسیر بھی لکھی جو معارف القرآن کے نام سے جانی جاتی ہے یہ ضخیم تفسیر آٹھ جلدوں پر مشتمل ہے یہ تفسیر جو قرآنی مسائل و معارف کا بیش بہا خزانہ ہے اس کے متعلق یہ کہنے کی جرأت کروں گا کہ بیان القرآن کے مقابلہ یا زیادہ عام فہم اور سلیس ہے۔ اسمیں عصری [illegible] فتنوں پہ گرفت کے ساتھ ساتھ موجودہ دور کی لسانی فصاحت بلاغت بھی نظر آتی ہے اور سلف صالحین کے ثقاہت و وجاہت بھی اس تفسیر سے متعلق بلا دریغ یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ اس نے تفسیر کے تمام جدید ذخیروں کو اپنی سلاست جامعیت اور عتماد [illegible] میں پیچھے کر دیا ہے۔

مولانا ادریس کاندھلوی رح

مولانا ادریس صاحب نے بھی "معارف القرآن" کے نام سے ایک تفسیر لکھنا شروع کی تھی جسمیں مولانا نے اپنے علمی انداز بیان سے حقائق و معارف کے نگینے جڑے تھے افسوس کہ یہ تفسیر سورۃ احزاب تک پہنچی تھی کہ مولانا رحلت فرما گئے اور تفسیر قرآن کا یہ سرچشمہ ادھورا رہ گیا۔

مولانا عبد الحق صاحب رح

مولانا عبد الحق دہلوی نے بھی ایک ضخیم تفسیر "فتح المنان فی تفسیر القرآن" کے نام سے تحریر کی جو آٹھ جلدوں پر مشتمل ہے۔ یہ تفسیر عربی اور اردو دونوں زبانوں میں ہے اور اپنی افادیت میں کافی ہے اس تفسیر کا اردو ایڈیشن "تفسیر حقانی" کے نام سے مشہور و معروف ہے۔

علامہ انور شاہ کشمیری رح

علامہ انور شاہ کشمیری کے قلم بلاغت اور حیرت انگیز حافظہ سے کون عالم ناواقف نہیں حضرت علامہ کا اصل موضوع تمام عمر اگرچہ حدیث پاک رہا جس کا نتیجہ فیض الباری شرح بخاری کی شکل میں ظاہر و باہر ہے جو اپنی مثال آپ ہی ہے۔ مگر قرآن خدمت کو ایک مقدس فریضہ جان کر انہوں نے بھی "مشکلات القرآن" کے نام سے ایک تفسیر لکھی جسمیں قرآن حکیم کے مشکل مقامات پہ بصیرت افروز بحث کی ہے مولانا محمد یوسف بنوری نے ایک مقدمہ اس پہ لکھا ہے جو بذات خود ایک تفسیری خدمت بن گیا۔

تفسیری تراجم

اسلاف کے تفسیری ذخائر اور خزائن کی طرف توجہ بھی ضروری تھی تاکہ اردو داں طبقہ اپنے اسلاف کی علمی کاوشوں اور محنتوں کو دیکھ سکے اور ان سے استفادہ بھی کر سکے۔ لہٰذا علمائے دیوبند نے اس جانب بھی توجہ کی اور کچھ حضرات نے [illegible] تراجم کی بھی خدمات انجام دیں۔

مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی رح

تفسیری تراجم میں غالباً سب سے پہلا کام مفتی عزیز الرحمٰن صاحب کا ہے جو انہوں نے "خازن" کا ترجمہ کر کے شاہ عبد القادر صاحب کے ترجمے کے ساتھ اس کے حاشیہ پہ درج کیا ہے۔ یہ نسخہ ان کے صاحبزادے مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب عثمانی کے کتبخانہ میں موجود ہے۔

مولانا انظر شاہ کشمیری استاد دار العلوم دیوبند

مولانا انظر شاہ ولد صالح مولانا انور شاہ کشمیری نے بھی اس علمی وراثت سے کام لیا جو انھیں اپنے بزرگوں سے ملی تھی۔ چنانچہ انھوں نے "ابن کثیر" کا ترجمہ لکھ کر اسلاف کی روایت کو آگے بڑھایا۔ تاکہ ہر خاص و عام اس سے بہرہ ور ہو سکے۔

مولانا نعیم صاحب استاد دار العلوم دیوبند

مولانا نے تفسیر جلالین و کمالین کا ترجمہ کر کے اسلاف کے ذخیرہ کو مزید حیات و تابندگی بخشی ہے۔

چیدہ چیدہ کام کی نوعیت اور قرآن کریم کے مختلف پہلوؤں پر بے شمار کام ہے۔ ذیل میں ہم ایک طویل فہرست درج کر رہے ہیں جس سے علمائے

دیوبند کی قرآنی وتفسیری خدمت کا ایک ذرا بہتر جائزہ لیا جا سکے۔

نمبر	کتاب		زبان	مصنف
۱۔	ترجمہ قرآن		اردو	شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندی رح
۲۔	تکملہ فوائد شیخ الہند		؍؍	سورۃ آل عمران اور پھر سورۃ مائدہ سے آخر تک۔ مولانا شبیر احمد عثمانی رح
۳۔	ترجمہ قرآن		اردو	حضرت تھانوی رح
۴۔	ترجمہ قرآن		اردو	مولانا احمد علی لاہوری
۵۔	ترجمہ قرآن		اردو	مولانا احمد سعید صاحب دہلوی
۶۔	ترجمہ قرآن		اردو	مولانا عاشق الٰہی صاحب میرٹھی
۷۔	بیان القرآن	۱۲ حصے	؍؍	حضرت تھانوی رح
۸۔	خلاصہ تفسیر بیان القرآن		؍؍	حضرت تھانوی رح
۹۔	احکام القرآن		عربی	۲ جلد۔ مولانا ظفر احمد عثمانی صاحب
	احکام القرآن		؍؍	۲ جلد مولانا حبیب [illegible] کیرانوی
	احکام القرآن		؍؍	۲ جلد مولانا محمد شفیع صاحب
	احکام القرآن		؍؍	۱ جلد مولانا ادریس کاندھلوی
۱۰۔	معارف القرآن		اردو	۸ جلد مولانا مفتی محمد شفیع صاحب
۱۱۔	معارف القرآن		؍؍	سورہ احزاب تک۔ مولانا ادریس کاندھلوی صاحب
۱۲۔	فتح المنان عرف تفسیر حقانی		عربی۔ اردو	مولانا عبدالحق دہلوی
۱۳۔	البیان القرآن فی علوم القرآن			؍؍
۱۴۔	مشکلات القرآن		عربی	علامہ انور شاہ کشمیری
۱۵۔	اعجاز القرآن			مولانا شبیر احمد عثمانی
۱۶۔	حاشیہ تفسیر بیضاوی		عربی	مولانا عبد الرحمٰن امروہوی
۱۷۔	حاشیہ تفسیر جلالین			مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی
۱۸۔	ترجمہ تفسیر خازن		اردو	؍؍ ؍؍ ؍؍
۱۹۔	سبق الغایات فی نسق الآیات		عربی	حضرت تھانوی
۲۰۔	رسالہ اسرار قرآنی در آیات قبلہ		اردو	مولانا قاسم نانوتوی
۲۱۔	درس تفسیر قرآن		اردو	مولانا حسین علی پنجابی
۲۲۔	تقریرات متعلقہ تفسیر قرآن		اردو	مولانا عبید اللہ سندھی
	یہ تقریریں مولانا کے تلامذہ نے مرتب کی تھیں			
۲۳۔	حاشیہ تفسیر مدارک تا بقرہ		اردو	مولانا انظر شاہ کشمیری
۲۴۔	فوائد تفسیریہ		؍؍	مولانا احمد علی لاہوری
۲۵۔	ہدیۃ المہدیین فی تفسیر آیت خاتم النبیین			مفتی محمد شفیع صاحب
۲۶۔	عقیدۃ الاسلام فی حیاۃ عیسیٰ علیہ السلام			علامہ انور شاہ کشمیری
۲۷۔	ترجمہ ابن کثیر		اردو	مولانا انظر شاہ کشمیری استاد دارالعلوم
۲۸۔	ترجمہ تفسیر جلالین مکمل		اردو	مولانا محمد نعیم صاحب ؍؍ ؍؍
۲۹۔	محاسن موضح قرآن		اردو	مولانا اخلاق حسین قاسمی
۳۰۔	مستند موضح قرآن		اردو	؍؍

ان تحریری ذخائر کے علاوہ مذکورہ بالا خدمات بھی علمائے دیوبند کی کچھ کم نہیں ہیں۔ بالخصوص دلّی میں جگہ جگہ محلہ کے اندر قرآن پاک کے ترجمہ کا سلسلہ آج بھی قائم ہے

دارالعلوم دیوبند

نجم مظفر نگری

مرکزِ علمِ شریعت منبعِ روحانیت	اے فراست گاہ اے گہوارۂ علم و فنون
عقل و دانش کا یقیناً تو ہے بحرِ بیکراں	ہے بہ الفاظِ دگر قصرِ طریقت کا ستون
تیرے دم سے ہے اُجالا عالمِ اسلام میں	تیرگی میں تو ہے مثلِ نور اے دارالعلوم
ہے ترے ماحول میں وادیِ ایمن کی فضا	اہلِ دل کے حق میں تو ہے طور اے دارالعلوم
شاملِ عزم و عمل امدادؒ حق اللہ کی	حضرتِ قاسمؒ نے جب ڈالی تھی تیری داغ بیل
تھے رشید احمدؒ و اشرفؒ ارتقا میں پیش پیش	آپڑا جب وقت محمود الحسنؒ پہنچے تھے جیل
اولیں صدرِ مدرس حضرتِ یعقوبؒ تھے	سرپرستی کی ہے پھر محمودؒ و انور شاہؒ نے
پھر حسین احمدؒ نے کی منصب سے اپنے رہبری	بعد ازاں تدریس کی شبیرؒ حق آگاہ نے
ارتقا کی منزلوں پر آج ہے تو گامزن	حضرتِ طیب ہیں اب تیرے امیرِ کارواں
عزم سے اپنے بدل دے وقت کی رفتار کو	تو مٹا دے علمِ دیں سے جہل کا نام و نشاں

ہو مبارک خیر سے تو سو برس کا ہو گیا

تو نے دنیا کو دکھائی ہے صراطِ مستقیم

مفتی و عالم محقق فلسفی پیدا کیے

اس صدی پر ہے یقیناً تیرا احسان عظیم

دارالعلوم دیوبند کی تلاشی

شاعر انقلاب حضرت جوش ملیح آبادی

آج توہینِ ملامت کا نشانہ ہوں میں !
آج نیرنگ زمانہ سے تماشہ ہوں میں !

آج حسینؔ احمد و آزاد کا آنسو ہوں میں !
کسی ناکام وفا کا تہی پہلو ہوں میں !

کیا یہی آپ کا انصاف رواداری ہے !
وہی شے آپ کی دشمن جو ہمیں پیاری ہے !

دیوبند جس نے کئے سیکڑوں غازی پیدا !
جس نے لاکھوں کئے انگریز کے باغی پیدا !

اس ادارے کی تلاشی وا اہانت افسوس !
ضامنِ امن و اماں اور یہ خیانت افسوس !

آہ تقدیر صداقت کے پرستاروں کی !
موسم گل میں بھی بوچھار ہے انگاروں کی !

آج کہتے ہو مسلمان وفادار نہیں !
سچ کہو تم تو جفا کیش جفا کار نہیں !

کس نے گوتم کو دیا زہر کا پیالہ بولو !
رام کو کس نے دیا دیش نکالا بولو !

پاک سیتا پہ ہوئی دست درازی کس کی !
کہئے پانڈو پہ ہوئی تیغ نوازی کس کی !

کس نے گاندھی سے وفا کیش کو مارا افسوس !
جو تھا بھارت کی نگاہوں کا ستارا افسوس !

اپنے محسن کو جو ڈس لے اسے کیا کہئے گا !
ہے یہی مسلکِ آئین وفا کہئے گا !

قوم کی موت ہے اخلاق سے عاری ہونا !
تنگیٔ ظرف کے معنی ہیں بھکاری ہونا !

قابلِ فخر مسلمان بزرگانِ جلیل ! — قاسمؒ و سیدؒ و محمودؒ و شہیدِ اسماعیلؒ !

یاد ہوگا تمھیں وہ میرا جمالِ افغانی ! — پایۂ قوم وہ محمود حسن زندانی ۔ !

میرے ٹیپو سے بہادر کو بھی کیا بھول گئے ! — شیرِ میسور کا اعلانِ وفا بھول گئے !

شوکتؔ و اجملؔ و انصاریؔ وہ جوہر ہیں یاد ! — اور وہ کاکوری کے اشفاق کی خونیں روداد !

یاد ہے کیا تمھیں ہنگامۂ قصہ خوانی ! — یادِ تحریکِ خلافت کی نہیں قربانی !

سینہ و دل میں پھپھولوں کے نشاں باقی ہیں ! — اب بھی انگریز کے گولوں کے نشاں باقی ہیں !

اپنے چھوڑے، تمھیں سینے سے لگایا ہم نے ! — خون اپنا سرِ میدان بہایا ہم نے !

ہم نے رنگین بنایا ترے افسانے کو ! — گلشنِ ناز میں بدلا ترے ویرانے کو !

وحدتِ قوم کی عظمت کے علم دار ہیں ہم ! — تمھیں ہر زد سے بچایا وہ خطاکار ہیں ہم !

ایک دن مالک و مختار یہاں ہم بھی تھے ! — ایک دن ہند کے سردار یہاں ہم بھی تھے !

ہم نے آنکھوں پہ بٹھایا تمھیں ایسا سمجھا ! — تم نے نظروں سے گرایا ہمیں کانٹا سمجھا !

کیا یہی آپ کا آئینِ جہاں داری ہے ! — جس کے ادراک سے ہر فہم و خرد عاری ہے !

ہم ہیں غدار تو پابندِ وفا تم بھی نہیں
اپنی کثرت پہ نہ اتراؤ خدا تم بھی نہیں !

مرتبہ: مولانا سمیع الحق مدیر ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک (پاکستان)

علماء دیوبند اور میدان صحافت

دیوبندی علماء و اہل قلم کے رسائل اخبارات و مجلّات

دارالعلوم دیوبند کے فضلاء کرام اور اس سرچشمہ علم و فکر سے سیراب ہونے والے دیگر اہل علم و ارباب قلم کے ہمہ گیر علمی دینی تبلیغی تحریری تقریری سماجی سیاسی اصلاحی اور معاشرتی خدمات کا دائرہ اتنا جامع اور وسیع ہے کہ اس کے اجمالی جائزہ کے لئے بھی دفتر درکار ہیں۔ چودھویں صدی ہجری یعنی پوری ایک قرن پر پھیلے ہوئے ان عظیم خدمات اور کارناموں نے تعلیم تبلیغ دعوت و اصلاح معاشرہ تصنیف و تالیف جہاد و عزیمت سیاست و معاشرت خطابت و موعظت کے ہر میدان اور محاذ پر نہایت گہرے اور دور رس اثرات ڈالے۔ زندگی کے ہر شعبہ کو نہ صرف متاثر کیا بلکہ دین اور عمل کی ہر محاذ کی۔ اور مغربی دیو استبداد کے شکنجے میں جکڑی ہوئی ملت مسلمہ کو نجات و حیات نو بخشی۔ آج کی فہرست میں ہم صرف پریس اور صحافت کے میدان میں علماء دیوبند کی خدمات کی ایک جھلک دکھاتے ہوئے ایسے اخبارات و رسائل (روزناموں ہفت روزوں پندرہ روزوں اور ماہناموں) کی ایک فہرست پیش کرتے ہیں جنھیں علماء دیوبند نے جاری کیا۔ اور اس کی ادارت و اشاعت میں وہ بنیادی طور پر شریک رہے۔ یہ فہرست سرسری یادداشت کی بناء پر صرف دو ایک دن میں مرتب کی گئی ہے ممکن تحقیق و تلاش اور معلومات کے فراہمی کے بعد اس کی تعداد بلامبالغہ تین چار سو کے لگ بھگ ہو سکتی ہے۔ پھر یہ تعداد صرف پاکستان اور بھارت سے نکلنے والے جرائد کی ہے اور وہ بھی دو چار پرچوں کو چھوڑ کر صرف اردو جرائد و ماہنامات کی ہے۔ بنگلہ دیش افغانستان برما افریقی ممالک یورپ اور دنیا کے دیگر خطوں سے شائع ہونے والے عربی انگریزی اور دیگر علاقائی زبانوں میں شائع ہونے والے اخبارات و جرائد کو فی الوقت تعرض نہیں کیا گیا۔ اس میں کچھ پرچے تو حالات اور حوادث کے ساتھ اپنا فرض ادا کر کے ختم ہو گئے۔ مگر اکثر جرائد اب بھی ملک و ملت اور علم و ادب کی بیش بہا خدمات انجام دینے میں مصروف ہیں۔ اردو ادب اور تحریک ثقافت کو علماء دیوبند نے کیا کچھ دیا؟ یہ اس کا ایک مختصر اور نامکمل جواب ہے

سپہر علمی ادبی دینی سیاسی معاشی اخلاقی و معاشرتی دنیا کو تصانیف اور کتابوں کی شکل میں علماء دیوبند نے جو کچھ دیا۔ اس کی تعداد ایک محتاط تخمینے کے مطابق ایک لاکھ کتب و تصانیف سے زائد ہے علماء دیوبند کی تصانیف کی فہرست اور مختصر تعارف کے لیے ایک ضخیم انسائیکلوپیڈیا درکار ہے۔ جبکہ یہ منصوبہ زیر عمل ہے۔ اللہ تعالیٰ تکمیل کی توفیق عطاء فرمائے (آمین)

نمبر شمار	نام رسالہ یا اخبار	وقفہ اشاعت	مقام اشاعت	ادارت و نگرانی
۱۔	القاسم	ماہنامہ	دارالعلوم دیوبند	علامہ مناظر احسن گیلانی مولانا حبیب الرحمن عثمانی، قاری محمد طیب قاسمی مولانا اعزاز علی دیوبندی رح
۲۔	الرشید	"	دیوبند	سرپرست شیخ الہند رح مولانا اشرف علی و حافظ محمد احمد۔ قاری محمد طیب قاسمی مولانا اعزاز علی دیوبندی رح
۳	دارالعلوم (رکوالف)	سہ ماہی	"	قاری محمد طیب قاسمی مدظلہ
۴۔	دارالعلوم	ماہنامہ	"	مدیر مولانا سید ازہر شاہ قیصر، مرتبین دور اول مولانا عبدالوحید غازی پوری، قاضی خلیق احمد، مولانا عبدالحفیظ بلیاوی
۵۔	اشاعتِ حق	اخبار	"	مدیر سید نسیم اختر شاہ قیصر
۶۔	تذکرہ	ماہنامہ	"	سرپرست مدیر مولانا نجم الدین اصلاحی و شمیم قدوائی مولانا محمد اسعد مدظلہ
۷۔	قاسم العلوم	"	"	بیادگار حجۃ الاسلام محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ مرتب مولانا عتیق احمد صدیقی
۸۔	المحمود	"	"	بیادگار حضرۃ شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ
۹۔	الخلیل	"	"	بیادگار مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ
۱۰	میقات	پندرہ روزہ	"	مدیر مولانا محمد سالم قاسمی فاضل دیوبند
۱۱۔	انور	ہفت روزہ	"	مدیر سید ازہر شاہ قیصر بیادگار مولانا انور شاہ کشمیری رح
۱۲۔	تجلی	ماہنامہ	"	مدیر مولانا عامر عثمانی و مولانا زبیر عثمانی فاضلین دیوبند
۱۳۔	استقلال	پندرہ روزہ	"	مدیر مولانا سلطان الحق صاحب فاضل دیوبند
۱۴۔	النور	ماہنامہ	آغاز سنہ ۱۳۳۹ھ تھانہ بھون	سرپرست حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رح ادارت مولانا شبیر علی تھانوی
۱۵۔	المبلغ	ماہنامہ	آغاز سنہ ۱۳۴۹ھ تھانہ بھون	سرپرست حکیم الامت موضوع مضامین حکیم الامت رح
۱۶۔	الامداد	"	آغاز سنہ ۱۳۳۳ھ تھانہ بھون	موضوع مضامین حکیم الامت رحمہ اللہ
۱۷۔	اشرف العلوم	"	آغاز سنہ ۱۳۵۲ھ سہارنپور	مدیر مولانا ظہور الحسن کسولوی موضوع افادات حکیم الامت رح
۱۸۔	الابقاء	ماہنامہ	دہلی	دریبہ کلاں آغاز ناشر محمد عثمان خاں موضوع مواعظ حکیم الامت
۱۹۔	الابقاء	"	کراچی	ناشر مولانا عبدالمنان
۲۰۔	الہادی	"	دریبہ کلاں دہلی آغاز سنہ ۱۳۴۳ھ	" " " "
۲۱۔	الاشرف	"	لکھنؤ الدار کتابلہ آغاز سنہ ۱۳۵۰ھ	" " " "
۲۲۔	المفتی	"	دیوبند	ربیع الثانی مدیر مولوی محمد حسن موضوع مواعظ حکیم الامت رح مدیر مفتی محمد شفیع رح موضوع فتاویٰ دیوبند و تھانہ بھون

نمبر شمار	نام رسالہ یا اخبار	مدت اشاعت	مقام اشاعت	ادارت و نگرانی
۲۳۔	ابرہان	ماہنامہ	شاہجہاں پور	مدیر و موسس مفتی کفایت اللہ صاحب (تردید قادیانیت)
۲۴۔	النجم	ر	لکھنؤ	مولانا عبدالشکور لکھنوی رح
۲۵۔	قائد	ر	مرادآباد	ترجمان انصارالاسلام۔ مولانا محمد میاں فاضل دیوبند مصنف شاندار ماضی وغیرہ معاون مدیر مولانا اختر الاسلام فاضل دیوبند ابن مولانا فخرالدین مرادآباد
۲۶۔	الفرقان	ر	بریلی۔ لکھنؤ	مدیر و موسس مولانا محمد منظور نعمانی و مولانا عتیق الرحمن سنبھلی
۲۷۔	برہان	ر	ندوۃ المصنفین دہلی	مدیر و سرپرست مولانا مفتی عتیق الرحمن عثمانی۔ مولوی سعید احمد اکبرآبادی
۲۸۔	پیام ملت	سہ روزہ	کانپور	مدیر ظہیر الاسلام اظہر مولانا فرید احمد لکھنوی
۲۹۔	امارت	ر	پھلواری شریف بہار ناشر امارت شرعیہ	مدیر تا ۱۳۵۲ھ مولانا عثمان غنی فاضل دیوبند متوفی ۱۹۷۷ء رکن مجلس عاملہ جمعیۃ العلماء بہار
۳۰۔	نقیب	ہفت روزہ	پٹنہ بہار امارت شرعیہ بہار	مدیر مولانا عثمان غنی شاہد رام نگری۔ اصغر امام فلسفی
۳۱۔	الحرام	ماہنامہ	میرٹھ	مدیر قاضی زین العابدین سجاد میرٹھی فاضل دیوبند۔
۳۲	منصور اور الخلیل	ہفتہ وار	بجنور	مدیر مولانا حبیب الرحمن بجنوری فاضل دیوبند۔
۳۳۔	مدینہ	سہ روزہ	ر	مولانا حامد الانصاری غازی و اصلح الحسینی۔ فاضلین دیوبند۔
۳۴۔	الجمعیۃ	روزنامہ	دہلی	مدیر مولانا محمد عثمان فارقلیط۔ سرپرست مولانا اسعد مدنی (مولانا مودودی نے بھی اپنی قلمی زندگی کا آغاز دیوبندی مکتب فکر کے اس قدیم وقیع روزنامہ سے کیا۔ پہلے ایڈیٹر مولانا محمد عرفان تھے
	مسلم	ہفتہ وار	دہلی	مولانا ابوالاعلیٰ مودودی
۳۵۔	الجمعیۃ	ہفت روزہ	دہلی	مدیر مولانا وحید الدین خاں
۳۶۔	عصر جدید	روزنامہ	کلکتہ	مدیر مولانا شائق عثمانی فاضل دیوبند
۳۷۔	الامان	روزنامہ	دہلی	مدیر و بانی مولانا مظہر الدین شیرکوٹی فاضل دیوبند
۳۸۔	نئی دنیا	روزنامہ اب ہفتہ وار	دہلی	مولانا عبدالوحید صدیقی غازی پوری
۳۹۔	ادبی دنیا	ر	لاہور	مدیر موسس علامہ احسان اللہ تاجور نجیب آبادی فاضل دیوبند (آپ نے دیگر دسیوں رسائل کی بھی ادارت کی۔ علم و صحافت کی یہ شہرہ آفاق شخصیت بھی آسمان دیوبند کا ایک روشن ستارہ تھا۔ قاضی زین العابدین فاضل دیوبند بھی اس سے وابستہ رہے۔
۴۰۔	انوار الاسلام	ماہنامہ	رام نگر بنارس	مدیر و موسس۔ مولانا ثناء اللہ امرتسری فاضل دیوبند
۴۱۔	اہل حدیث	ر	امرتسر	(اہل حدیث مکتب فکر کے اس نابغہ عصر مصنف مناظر کا تعلق دارالعلوم دیوبند ہی سے تھا)
۴۲۔	دارالتعلیم و پیام ملت		کانپور رجا جمئو	نگراں الحاج منت اللہ صاحب۔ مدیر عبدالحفیظ رحمانی ظہیر احمد
۴۳۔	جمہوریت	روزنامہ و ہفت روزہ	بمبئی	مولانا حامد الانصاری غازی فاضل دیوبند
۴۴۔	تحقیقات علمیہ	ماہنامہ	دارالعلوم سہارنپور	مدیر مولانا اسرار الحق مظاہری
۴۵۔	البدر	ر	دارالعلوم فاروقیہ کاکوری لکھنؤ	مدیر مولانا عبدالعلی فاروقی فاضل دیوبند

نمبر	نام رسالہ یا اخبار	وقفۂ اشاعت	مقام اشاعت	ادارت و نگرانی
۴۶	محبت	ر	مونگیر بھارت	مدیر مولانا ولی الرحمٰن افتتاح قاری محمد طیب قاسمی
۴۷	صبغہ		مکتبہ باقیات الصالحات ویلور	
۴۸	البلاغ	ر	بمبئی	قاضی اطہر مبارکپوری فاضل دیوبند
۴۹	ندائے قرآن	ماہنامہ دوماہی	بنگلور	مدیر مولانا شہاب الدین باناڈر
۵۰	شاعر	ر	بمبئی	مدیر اعجاز صدیقی متوفی ۱۹۷۸ء فرزند و تلمیذ مولانا سیماب اکبرآبادی (فاضل دیوبند)
۵۱	قاسمی میگزین	ر	مجلس قاسمیہ دارالعلوم دیوبند	ناشر طلبۂ دارالعلوم بیادگار حضرت قاسم العلوم رحمۃ اللہ
۵۲	خالد	ر		مولانا محمد میاں مرحوم
۵۳	نقش	ر	دیوبند	مولانا سید انظر شاہ کشمیری
۵۴	القاسم	ر	دیوبند	مولانا وحید الزماں صاحب
۵۵	مہاجر و انصار		دارالعلوم دیوبند	
۵۶	سیاست			مولانا اسحاق علی صاحب فاضل دیوبند
۵۷	مرکز			مولانا عبداللہ جاوید فاضل دیوبند
۵۸	نوید دکن	روزنامہ	حیدرآباد دکن	مولانا رضوان القاسمی در بھنگوی فاضل دیوبند
۵۹	تعمیر سیرت	ر	مالیر کوٹلہ	مولانا فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی فاضل دیوبند
۶۰	انصاری	روزنامہ	دہلی	سرپرست مولانا احمد سعید رح دہلوی مدیر مدیر ہلال احمد زبیری
۵۶	الانصار	ہفت روزہ	دارالعلوم دیوبند	اکابر دارالعلوم دیوبند
۵۷	التبلیغ	ماہنامہ	خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون	مولانا شبیر علی تھانوی آغاز شوال ۱۳۲۵ھ
۵۸	المظاہر	ر	آغاز ۱۳۴۶ھ مظاہر العلوم سہارنپور	مولانا ظفر احمد عثمانی مفتی جمیل احمد تھانوی
۵۹	الرشاد	ر	ر	مولانا عاشق الٰہی میرٹھی مولانا شمس الحق مظاہری
۶۰	ولی	ر	دہلی	مولانا عبدالحمید خاں (دیوبندی مضامین اذکار کا ترجمان)
۶۱	مسلم	روزنامہ	ر سرپرستی جمعیۃ علمائے ہند آغاز ۱۹۲۱ء	سرپرست مولانا احمد سعید دہلوی مفتی کفایت اللہ
۶۲	ندائے سنت	پندرہ روزہ	دار المبلغین لکھنؤ	مولانا عبدالقدوس قاسمی فاضل دیوبند
۶۳	تجلیا	ماہنامہ	دہلی	عزیز حسن بقائی (دیوبندی عقائد)
۶۴	حریت	ہفتہ وار	ر	ر ر ر ر
۶۴	الخیر / الانوار [illegible]	ماہنامہ	جامعہ اشرفیہ لاہور	مفتی محمد حسن امرتسری مولانا محمد ادریس کاندھلوی فاضل دیوبند
۶۵	مستقبل	ر	بلسن روڈ کراچی	سرپرست علامہ شبیر احمد عثمانی فاضل دیوبند، مولانا سلیمان ندوی
۶۶	[illegible]	ر	امرتسر و لاہور	مولانا بہار الحق قاسمی فاضل دیوبندی رفتنہ خاکسار و مشرقی کی تردید
۶۷	دعوۃ الحق	ر	دارالعلوم ٹنڈو اللہ یار سندھ	مولانا احتشام الحق تھانوی فاضل دیوبند۔ مولانا ظفر احمد عثمانی
۶۸	تعلیم العلوم	ر	فیض باغ لاہور	مولانا سلیم الحق قاسمی دیوبندی فاضل دیوبندی
۶۹	مخزن العلوم	ر	خانپور	مولانا عبداللہ درخواستی مدظلہ

نمبر شمار	نام رسالہ یا اخبار	وقفہ اشاعت	مقام اشاعت	ادارت و نگرانی
	الصدیق	ماہنامہ	ملتان	مولانا عبداللہ فاضل دیوبند
۷۰	صداقت	ترجمان جمعیۃ علماء سرحد ہفتہ روزہ	پشاور	مولانا سید گل بادشاہ رح فاضل دیوبند
۷۱	مستقبل	ماہنامہ	ملتان	مدیر مولانا ابوذر عطاء المنعم بخاری ابن امیر شریعت بخاری عطاء اللہ شاہ
۷۲	نوائے پاکستان	روزنامہ و سہ روزہ	لاہور	مولانا مجاہد الحسینی وغیرہ
۷۳	خدام الدین	ہفتہ روزہ	شیرانوالہ گیٹ لاہور	بانی شیخ التفسیر مولانا لاہوری مدیر سعید الرحمٰن علوی سرپرست مولانا عبیداللہ انور مدظلہ
۷۴				
۷۵	دعوت	سہ روزہ	لاہور ترجمان تنظیم اہل سنت	علامہ دوست محمد قریشی زیر ادارت احمد انصاری، ارشد بندی مولانا نور الحسن شاہ بخاری، مولانا خالد محمود وغیرہ
۷۷	ترجمان اسلام	ہفتہ روزہ	لاہور	بانی مولانا غلام غوث ہزاروی فاضل دیوبند سرپرست مولانا مفتی محمود مدظلہ موجودہ مدیر اکرام القادری صاحب
۷۹	بینات	ماہنامہ	کراچی	موسس علامہ محمد یوسف بنوری رح فاضل دیوبند ادارت مولانا محمد ادریس میرٹھی فاضل دیوبند، ڈاکٹر غلام محمد ایم اے مولانا عبدالرشید نعمانی فاضل دیوبند وغیرہ موجودہ مدیر مولانا محمد یوسف
۸۰	البلاغ	"	دارالعلوم کراچی	سرپرست مولانا مفتی محمد شفیع مرحوم مدیر مولانا محمد تقی عثمانی
۸۱	الحق	"	دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک پشاور	سرپرست شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہ فاضل دیوبند ربانی، مدیر سمیع الحق مدرس دارالعلوم حقانیہ آغاز اکتوبر ۱۹۶۵ء
۸۲	الرشید	"	جامعہ رشیدیہ ساہیوال	مدیر مولانا فاضل حبیب اللہ رشیدی فاضل دیوبند عبدالرشید ارشد
۸۳	الارشاد	"	کیمبلپور	بانی مولانا قاضی زاہد الحسینی فاضل دیوبند مدیر عثمان غنی بی اے
۸۴	الرشاد	"	سیالکوٹ	مدیر و بانی مولانا محمد علی صدیقی فاضل دیوبند
۸۵	ضیاء الاسلام	"	کھڈہ کراچی	مدیر حافظ محمد اسماعیل ابن مولانا محمد صادق مرحوم فاضل دیوبند
۸۶	تعلیم القرآن	"	راولپنڈی	بانی مولانا غلام اللہ خان فاضل دیوبند مدیر سجاد بخاری وغیرہ
۸۷	پیام اسلام	"	لاہور	مدیر طالب حق
۸۸	صدائے اسلام	"	جامعہ اشرفیہ پشاور	مدیر مولانا محمد یوسف قریشی و مولانا اشرف علی قریشی فاضل دیوبند
۹۰	انوار مدینہ	"	جامعہ مدنیہ لاہور	بانی مولانا حامد میاں ابن مولانا محمد میاں رح دیوبندی
۹۱	شمس الاسلام	ماہنامہ	بھیرہ	مدیر مولانا مفتی سیاح الدین کاکا خیل فاضل دیوبند
۹۲	صوت الاسلام	ہفتہ روزہ	لاہور	مدیر مولانا مشرف علی تھانوی و حکیم محمود احمد ظفر وغیرہ
۹۳	الجمعیۃ	"	راولپنڈی	بانی مولانا غلام غوث ہزاروی فاضل دیوبند، مدیر مولانا عزیز الرحمٰن فاضل حقانیہ
۹۴	المحمود	"	ڈیرہ اسماعیل خان	بیادگار مولانا محمود الحسن شیخ الہند نگران مولانا قاضی عبدالکریم و قاضی عبداللطیف کراچی فاضل دیوبند،
۹۵	ترجمان حق	ہفتہ روزہ	بنوں	مدیر قاری حضرت گل صاحب
۹۶	تبصرہ	ماہنامہ	لاہور	مرزا غلام نبی جانباز

نمبر شمار	اخبار یا رسالہ	وقفہ اشاعت	مقام اشاعت	ادارات ونگرانی
۹۷	عزم	ماہنامہ	لاہور	جمعیۃ طلباء اسلام کا آرگن
۹۸	عزم نو	″	لاہور	مدیر میاں محمد عارف صدر جمعیۃ الطلباء اسلام
۹۹	افکار طلبہ	مجلہ	دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک	مدیر مولانا نصیب علیشاہ بخاری جمعیۃ الطلبہ اسلام ترجمان
۱۰۰	وفاق	پندرہ روزہ	کراچی	مدیر شجاعت علی صدیقی دیوبندی مضامین وعلوم کا ترجمان
۱۰۱	پاکستان	پندرہ روزہ	لائلپور	
۱۰۲	الرحیم	ماہنامہ	حیدرآباد شاہ ولی اللہ اکیڈمی	مدیر محمد سرور مولانا غلام مصطفےٰ قاسمی (مولانا عبیداللہ سندھی) کے تلامذہ اور فکر شاہ ولی اللہ کی ترجمانی پرچے کا مقصد
۱۰۳	الولی	″	″	سید مولانا غلام مصطفےٰ قاسمی تلمیذ مولانا سندھی
۱۰۴	آزاد	روزنامہ	لاہور	دیوبند کے احراری اکابر کا ترجمان مدیر مولانا مجاہد الحسینی وغیرہ
۱۰۵	زمزم	″	″	دیوبند کے احراری مکتب فکر کا ترجمان مدیر مولانا محمد عثمان فارقلیط
۱۰۶	المرشد	ماہنامہ	چکوال	مولانا حافظ اللہ یار خان ۔ مدیر مولانا عبدالرزاق صاحب
۱۰۷	الجامعہ	″	اکوڑہ خٹک	مولانا سید بادشاہ گل صاحب فاضل دیوبند
۱۰۸	وگمہ (پشتو)	″	″	ماسٹر عبدالرزاق سنگین دارالعلوم حقانیہ
۱۰۹	مدینہ (بنگلہ)	″	ڈھاکہ	مولانا محی الدین خان
۱۱۰	تذکرہ	″	لاہور اندرون شیرانوالہ دروازہ	علمی ادبی صحیفہ
۱۱۱	سوغات (بلوچی)	″	کراچی	مدیر مولانا خیر محمد بلوچ معاون حمر بیگ بلوچ
۱۱۲	البلاغ	ہفتہ روزہ	پشاور	بانی مولانا عماد الدین شیرکوٹی فاضل دیوبند مدیر مولانا سعید الدین شیرکوٹی فاضل دیوبند
۱۱۳	الاسلام (پشتو)	ماہنامہ		مولانا حکیم فضل حق فاضل دیوبند
۱۱۴	ندائے ملت	ہفتہ روزہ	مردان	مولانا ابرار اللہ ابرار
۱۱۵	قیادت	″	″	مولانا محمد شعیب فاضل امینیہ دہلی
۱۱۶	مقام رسالت	ماہنامہ	کراچی	مولانا محمد مسلم شمسی موضوع بحث حدیث مضامین نگار دیوبندی علماء
۱۱۷	تذکرہ	″	کراچی	دیوبندی علماء واکابر
۱۱۸	لولاک	ہفت روزہ	لائلپور	ترجمان مجلس تحفظ ختم نبوت ۔ مولانا تاج محمود صاحب
۱۱۹	صوت الاسلام	″	لاہور	ترجمان جمعیۃ علماء اسلام تھانوی گروپ محمود احمد ظفر وغیرہ
۱۲۰	فروغ اسلام	ماہنامہ		مولانا زاہد انصاری
۱۲۱	تمدن	ہفتہ روزہ	ڈیرہ اسمٰعیل خاں	مولانا عبدالحلیل زکوڑی شریف فاضل دیوبندی
۱۲۲	تبصرہ تامر	″	دلی	مولانا مفتی ضیاء الحق دہلوی
۱۲۳	کندن	″	کلکتہ	مولانا سید احمد ہاشمی
۱۲۴	ارمغان	″	″	
۱۲۵	سچ بات	″	دلی	مولانا نسیم احمد دیوبندی

عربی پرچے

نمبر شمار	نام رسالہ یا اخبار	وقفہ اشاعت	مقام اشاعت	ادارت ونگرانی
۱۲۵	یقین انٹرنیشنل عربی	پندرہ روزہ	دار التصنیف لمٹیڈ کراچی	بانی مولانا محمد طفیل صاحب
۱۲۶	دعوت الحق	سہ ماہی	دار العلوم دیوبند	مدیر وحید الزماں کیرانوی فاضل دیوبند
۱۲۷	الداعی	پندرہ روزہ	"	مولانا بدر الحسن قاسمی فاضل دیوبند
۱۲۸	الصدیق	ماہنامہ	ملتان	" مفتی عبد اللہ صاحب
۱۲۹	الکفاح	پندرہ روزہ	جمعیۃ علماء ہند دہلی	

انگریزی پرچے

نمبر شمار	نام رسالہ یا اخبار	وقفہ اشاعت	مقام اشاعت	ادارت ونگرانی
۱۳۰	یقین انٹرنیشنل	پندرہ روزہ	دار التصنیف لمٹیڈ کراچی	سرپرست مولانا محمد طفیل صاحب بانی دار التصنیف
	"	"	"	کراچی ایڈیٹر خلیق احمد لاہوری
	"	"	"	مولانا احمد علی لاہوری
۱۳۱	اسلام (انگریزی)	"	انجمن خدام الدین لاہور آغاز ۱۹۳۲ء تا ۱۹۳۹ء	سرپرست مولانا احمد علی لاہور مدیر خواجہ عبد الوحید تلمیذ مولانا عبید اللہ سندھی
	"	"	"	" مولانا احمد علی لاہوری
۱۳۲	میسیج "	ہفتہ وار	دہلی	ترجمان جمعیۃ علما ہند دہلی

ہندی پرچے

نمبر شمار	نام رسالہ یا اخبار	وقفہ اشاعت	مقام اشاعت	ادارت ونگرانی
۱۳۳	شانتی شکتی	ہفتہ وار	دلی	جمعیۃ علما ہند دلی

بنگالی پرچے

نمبر شمار	نام رسالہ یا اخبار	وقفہ اشاعت	مقام اشاعت	ادارت ونگرانی
۱۳۴	انسانیت	ہفتہ روزہ	کلکتہ	مولانا محمد طاہر صاحب صدر جمعیۃ علما بنگال

دارالعلوم دیوبند

اور

اردو ادب

مولانا محمد انیس الاسلام القاسمی فاضل دیوبند

ہندوستان میں عظمتِ اسلام کا مینار، رفعتِ دینی کا ہمالہ، دارالعلوم دیوبند جس پس منظر میں قائم ہوا وہ سب ہی کو معلوم ہے ۱۸۵۷ء کی اتھل پتھل نے ہندوستانیوں کو صرف اقتدار سے محروم نہ کیا تھا بلکہ برطانوی تسلط نے اس سرزمین کو نصرانیت کے پھیلاؤ اور اس کی اشاعت کے لئے ایک زرخیز علاقہ سمجھا چنانچہ جز و کل پر محیط ہونے کے بعد ہندوستان میں مسیحی مشنریاں یہاں بڑے بڑے شہروں میں تبلیغ کے لئے پھیل گئیں۔ انگریز قوم کے تدبر و مآل اندیشی کے اعتراف کے باوجود یہ کہنا پڑتا ہے کہ غلام ہندوستان کو تر نوالہ سمجھنے میں ان سے بھاری غلطی ہوئی۔ وہ یہ سمجھے تھے کہ ہندی مسلمانوں سے اقتدار و آزادی چھیننے کے ساتھ ان کی دینی روح پر بھی ان کے غاصبانہ حملے کامیاب رہیں گے۔ لیکن حالات کے مد و جزر نے بہت جلد ثابت کر دیا کہ ان کا یہ فیصلہ غلط اور دور اندیشی سے بے محل تھا چنانچہ پٹا پٹایا مسلمان نصرانیت کی اشاعت کے مقابل سینہ تان کر کھڑا ہو گیا۔ جا بجا مناظرے ہونے لگے اور۔۔۔۔

لیظہرہ علی الدین کلّہ۔ کے ترجمان، نصرانیت کے لپّنتارہ اٹھا کر آنے والے کو شکست فاش دینے لگے۔ مولانا رحمت اللہ کیرانوی المغفور کی جدوجہد اس تابناک تاریخ کا ایک ناقابل فراموش حصّہ ہے کہ انہوں نے اپنے حریف پادری کو استنبول میں بھی چین سے وقت گزارنے نہیں دیا۔ حالات کا یہ انقلاب جو آندھی بن کر مغرب سے اٹھا اور ہندوستان کے میدانوں میں پوری رفتار سے دوڑ رہا تھا علمائے ہند نے انہیں سکراتی لمحات میں الہند میں اسلام کو محفوظ رکھنے کے لئے جو کچھ سوچا وسمجھا اس کی مکمل تصویر دارالعلوم دیوبند ہے۔

دین ودانش، علم ومعرفت، عرفان وسلوک، جہاد فی سبیل اللہ، اور اعلائے کلمۃ الحق کا یہ مظہر اتم ایک صدی سے زائد گزرتا ہے کہ عالم اسلام کو وہ روشنی بہم پہنچا رہا ہے، جو فاران کی چوٹیوں سے کائنات پر ضوفگن ہوئی تھی۔

صوبہ یوپی کے اس عظیم اجلاس میں چونکہ یہ تفصیل میرے موضوع سے تعلق نہیں رکھتی اس لئے اس کو چھیڑے بغیر اپنے موضوع سے قریب تر کرنے کے لئے راقم السطور کا ایک سوال ہے؟۔۔ وہ یہ کہ اسلام کی دینی ومذہبی زبان عربی ہے اور ہندوستان میں اسلامی اقتدار کی یادگار فارسی ہے۔ پھر یہ کیا بات ہے کہ دارالعلوم دیوبند نے اپنا ذریعہ تعلیم نہ عربی کو بنایا کہ حدیث وقرآن و فقہ بلکہ تمام ذیلی علوم اس زبان میں مدون ومرتب تھے، اور نہ فارسی ہی بطور ذریعہ تعلیم اختیار کی گئی کہ وہی اس وقت کی علمی زبان تھی آخر اردو ہی کو دارالعلوم کی تعلیمی زبان کیوں بنا لیا گیا۔ درآنحالیکہ سوا سو سال پہلے جو دارالعلوم کا تاسیسی دور ہے اردو کا ارتقائی دور ہے جبکہ یہ زبان اپنے نوک پلک کے درست کرنے اور اپنے خط وخال کے آراستہ کرنے میں مصروف تھی، کیا آپ اسے بخت واتفاق کا نتیجہ یا ایک غیر سوچی بھی اسکیم کا جزو قرار دے سکیں گے، میں سمجھتا ہوں کہ اگر حقائق کو حقیقی چوکھٹوں سے دیکھنے کی بصیرت سے ابھی ہم محروم نہیں ہوئے تو جو کچھ ہوا اسے ایک اتفاقی حادثہ قرار نہیں دیا جا سکتا، حالانکہ اسی دارالعلوم دیوبند کے تیز گام علمی اداروں کے قافلہ سالار حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ ایک جانب طلبائ کے سامنے یہ اظہار خیال فرماتے کہ:۔

"میں نے اپنے ذوق علمی کو محفوظ رکھنے کے لئے عربی میں لکھا ہے یا فارسی میں بلکہ اپنی نجی خط وکتابت کی زبان بھی فارسی ہی کو منتخب کیا"

لیکن چند ہی سال کی گردشوں میں ان ہی مرحوم سربراہ دارالعلوم نے اپنے ایک عزیز شاگرد کو جبکہ انہوں نے عربی میں ایک مقالہ لکھ کر تصحیح کے لئے پیش کیا، یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ:۔

"مولوی صاحب ہندوستان میں اگر اسلام اور دین کی کوئی خدمت پیش نظر ہے تو اردو میں لکھئے پڑھئے۔"

عربی وفارسی پر طویل جاؤ کے بعد فکر ونظر میں یکایک یہ تبدیلی کسی اہم تاریخی حقیقت کا سراغ دیتی ہے۔ اور اب یہ فیصلہ کرنے میں کوئی دشواری باقی نہیں رہی کہ جس طرح دارالعلوم کا قیام الہامی اشارات پر عمل میں آیا تھا عربی وفارسی کے بالمقابل اردو کو ذریعۂ تعلیم بنا لینا یا کسی خاص الہام کا نتیجہ تھا یا ان اکابر کی گہری ودبیز بصیرت وفراست کا تقاضا!۔ کہ ان حضرات نے دھندلے نقوش کے پس منظر میں حقیقت کو تاڑ لیا تھا کہ اب ہندوستان میں نہ عربی کے پھریرے اڑ سکیں گے اور نہ فارسی کے چرچے باقی رہ سکیں گے آج آپ یہ فیصلہ کر سکتے ہیں کہ دارالعلوم کی افادیت اور اس کے علم ودانش کا دائرہ کا اردو کو چھوڑ کر کسی اور زبان کو ذریعہ تعلیم بنانے کے نتیجہ سے کتنا محدود اور سمٹا ہوا ہوتا۔

بہرحال اس سوا سو سالہ طویل وقت میں دارالعلوم نے اردو ادب کی ایک وقیع اور پروقار خدمت انجام دی، اس میں شعر وشاعری بھی ہے۔ انشائ ونثر نگاری بھی، تصنیف وتالیف بھی اور خطابت بھی، عربی کتابوں کے تراجم بھی ہیں۔ اور ماہانہ وہفتہ وار اخبارات و ۔۔۔ئل بھی، مطالعہ بھی ہے اور اشاعت کے انتظامات بھی۔۔ وقت محدود ہونے کی بنا پر دارالعلوم کی اردو خدمات

کا ایک مختصر جائزہ یہ ہے۔

سید الطائفہ حضرت الحاج مولانا امداد اللہ قدس سرہٗ کی اردو تصانیف اور ان کی جاندار و پرسوز شاعری بلاشبہ اردو کے اس دور میں جبکہ اس کی تخت و تپز ہو رہی تھی، نادر حیثیت کی مالک ہے۔ پھر ان کے مسترشد حضرت نانوتوی قدس سرہ کی اردو تصانیف مجموعہ مکاتیب اور القبلی شاعری تو سیلی پروگرام کا ایک شاہکار ہے حضرت موصوف کے بعض اشعار تو اردو کے قدآور شعرا کے دوش بدوش رکھے جا سکتے ہیں ان اشعار میں نسیم ریاض مدینہ بھی ہے اور گلبانگ حرم بھی، بہار کا شباب بھی ہے اور نزاکتِ ادا بھی۔ مولانا محمد یعقوب نانوتوی اولین صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند نے حضرت نانوتوی علیہ الرحمۃ کی سوانح اس وقت لکھی جب خود اردو ادب سوانح نگاری کے مثالی نمونوں سے خالی تھا لیکن یہ تالیف بھی اردو ادب کا بہترین نمونہ ہے۔

دارالعلوم کی دوسری بلند و بالا شخصیت حضرت مولانا گنگوہی مرحوم کا جو سرمایہ نگارش آج موجود ہے، وہ صرف ہمارے کتب خانۂ علم کی زینت ہی نہیں بلکہ آراستہ و پیراستہ اردو کا ایک نمونہ ہے۔ اور یہ تو سب جانتے ہیں کہ حضرت شیخ الہند علیہ الرحمۃ اردو میں صاحبِ تصانیف بلکہ اردو شاعری میں ایک دردانگیز طرز کے اپنانے والے ہیں "ایضاح الادلۃ" میں حریف کی جو چٹکیاں لی گئیں وہ اردو کے ایک خاص اسلوب کا بیش قیمت سرمایہ ہے۔ مولانا حبیب الرحمان صاحب سابق مہتمم دارالعلوم کی تصنیفِ لطیف "اشاعتِ اسلام" یا ان کا خطبۂ صدارت برائے اجلاس جمعیۃ علماء آج بھی اپنی روانی و روانِ اردو کے لئے ممتاز ہے۔ اور سب ہی کی متعارف شخصیت حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی المغفور تو اردو کی اشاعت کے لئے ایک ہزار تصانیف کا پشتارہ رکھتے ہیں۔ آپ کی سادہ و عام فہم زبان، سہل نگاری و سلاست ادا خاصہ کی چیز ہے۔ بہشتی زیور نے گھر گھر پہنچ کر اردو کی مقبولیت پر اضافہ کیا اور آپ کی تصانیف کے مکرر ایڈیشن اس فہم میں قائدانہ کردار رکھتے ہیں۔ اور یہ تو معلوم ہوگا کہ آپ اردو شاعری کے شوق سے بھی بہرہ ور تھے۔ اپنے خاص مسترشد مولانا سید سلیمان ندوی ؒ کو بعض جواب اردو شاعری میں دیئے۔ علامہ شبیر احمد عثمانی کے حواشی قرآن اور ان کا اردو میں تالیفی سرمایہ میاں اصغر حسین رحؒ کے اردو نگارش، مولانا اعزاز علی صاحبؒ کے مضامین، حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کی خود نوشت سوانح بنام "نقشِ حیات" اپنے جلیل القدر استاد کا تذکرہ حیات معلوم چیزیں ہیں۔ مفتی محمد شفیع صاحب مرحوم، مولانا ادریس صاحب کاندھلوی، مولانا بدرعالم میرٹھی، مولانا حفظ الرحمن مرحوم، مولانا محمد میاں مرحوم، مولانا طاہر مرحوم، سب اسی قافلہ کے شریک سفر اشخاص در حال رہے۔ مولانا مناظر احسن گیلانی تو اردو میں ان کی چابکدستیاں، زود نویسی، وقیع معلومات کا افادہ، موشگافیوں کا انبار ان کا خصوصی ہنر ہے۔

زندہ لوگوں میں مولانا قاری محمد طیب صاحب، مولانا منظور صاحب نعمانی، مولانا حبیب الرحمان صاحب اعظمی، مولانا سعید احمد اکبرآبادی، قاضی زین العابدین صاحب سجاد میرٹھی، مولانا حامد الانصاری غازی، مولانا عتیق الرحمن سنبھلی، مولانا نسیم احمد فریدی، مولانا احمد رضا بجنوری، مفتی عزیز الرحمن صاحب بجنوری، مولانا اخلاق حسین صاحب قاسمی، اور اندرون دارالعلوم مولانا محمد سالم صاحب، مولانا سید انظر شاہ صاحب، مولانا وحید الزماں صاحب، مولانا محمد نعیم صاحب پالنپوری، مولانا ریاست علی صاحب بجنوری، اردو میں لکھنے والے اور سچی سجائی اردو لکھنے والے ہیں، ان حضرات نے اردو کے علمی و ادبی سرمایہ میں جو رنگارنگ اضافہ کیا ہے اس کی قدر و قیمت سے کون انکار کر سکتا ہے۔

تراجم و تشریحی سرمایہ

پھر ان حضرات میں سے اکثر وہ بھی ہیں جنہوں نے عربی و فارسی کی تصانیف کو اردو میں منتقل کیا مثلاً مولانا عبدالحفیظ صاحب بلیاوی کی "مصباح اللغات"، مولانا انظر شاہ صاحب کا اردو ترجمہ برائے تفسیر ابن کثیر، تفسیر مدارک، حواشی بر تفسیر حقانی، شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کی تکمیل الایمان کا اردو ترجمہ مولانا محمد نعیم صاحب کا اردو ترجمہ برائے جلالین، مولانا خورشید عالم صاحب کے بعض تراجم اردو، مولانا سید حسن مرحوم کی اردو شروحات، مولانا احمد رضا کی انوار الباری، مولانا ریاست علی صاحب کی

الیضاح البخاری، مولانا محمد طاہر صاحب امروہوی کی معارف مدینہ، مولانا عبداللہ جاوید صاحب کی شرح مشکوٰۃ، مولانا محمد اسلم صاحب کا مجموعہ سیرت یا سیرت حلبیہ کا مسلسل ترجمہ، مولانا ظہور الباری اعظمی کا مکمل اردو ترجمہ جواہر البحور، اردو ترجمہ برائے مطلع السعدین وغیرہ اردو کی توسیعی مہم میں سنگ میل کی حیثیت رکھتے ہیں. بلکہ ان حضرات نے ان عنوانات کو بھی کام کے لئے منتخب کیا جن سے اردو کا دامن بھرپور نہیں تھا. دینیات پر طویل وعریض کام کرنے کے ساتھ سوانحی تذکرے، علمائے اسلام کی داستانیں بھی ان ہی کے قلم سے نکلیں. دارالعلوم دیوبند کے ایک فاضل مولوی محمد حنیف گنگوہی کی ظفر المحصلین یا تذکرہ المصنفین آج ہر درسگاہ میں سرمایۂ کتب کے تعارف کا بہترین ذریعہ ہے اور تو اور منطق میں باقاعدہ تالیفات کے ساتھ مولوی انوار صاحب کاکاخیلی کی "انوار العلوم شرح سلم العلوم" سابق استاذ دارالعلوم مولانا اسلام الحق صاحب اعظمی مرحوم کی شرح ملاحسن، اور موصوف ہی کا ترجمہ مع تشریح مقدمۂ مسلم، مولانا عزیز احمد صاحب بی اے کی جنرل سائنس، حکیم عزیز الرحمان صاحب کی وہ طبی ڈکشنری جو سینکڑوں صفحات پر مشتمل ہے اور عنقریب منظر عام پر آنے والی ہے تصوف وسلوک ملفوظات اولیا اور اہل اللہ کے سوانحی خاکوں میں مولانا نسیم احمد صاحب فریدی امروہوی کو کیسے بھلایا جا سکتا ہے.
مجلہ الفرقان کی بیشتر اشاعت ان کے ان مقالات سے خالی نہیں جن میں وہ خانقاہ نشین صوفیاء کے عرفانی مناظر پیش کرتے ہیں. والقصتہ بطولہا.

مضمون نگار اور شعراء

اور خدا جانے مضمون نگار تو کتنے ہیں جنہوں نے اپنے قیمتی مقالات وزریں نگارشات سے اردو کی لازوال خدمت کی ہے. ہند و پاکستان کے علمی رسائل و جرائد اس دعوے کا بہترین ثبوت ہیں شعر و شاعری میں بھی فضلائے دارالعلوم کا قدم پیچھے نہیں. بعض فضلائے نے تو اپنی پر شباب شاعری کے لئے نہ صرف اہل نظر سے داد حاصل کی ہے بلکہ حکومت کی جانب سے قدرشناسی کے مظاہرے بھی ان کے حصے میں آئے چنانچہ دارالعلوم کے ایک استاد مولانا ریاست علی صاحب کا تازہ مجموعۂ کلام "نغمۂ سحر" انعام بھی حاصل کر چکا گویا کہ اس خاص صنف میں بھی زلف اردو کو بنانے سنوارنے میں کی سرگرمیاں نمایاں حیثیت رکھتی ہیں.

رسائل وجرائد

پھر یہی نہیں بلکہ فضلاء دارالعلوم علمی جرائد ورسائل سے بھی اردو کی خدمت کرتے رہے اور اس طرح اس کی توسیع واشاعت کے میدان کو وسیع تر کر دیا. دارالعلوم کے قدیم دور میں مجلہ القاسم، الرشید، المحمود، اور رسائل کے ایک خاص عہد کی یادگار اخبار مہاجر و انصار، حضرت تھانوی علیہ الرحمتہ کا "النور" مفتی محمد شفیع صاحب کا المفتی، مولانا محمد میاں مرحوم کا "خالد"، مولانا سلطان الحق صاحب کا "استقلال، مولانا سعید احمد اکبرآبادی کا برہان، مولانا منظور نعمانی کا الفرقان، مولانا قاضی زین العابدین صاحب کا الحرم، مولانا سید انظر شاہ صاحب کا نقش اور مولانا محمد سالم صاحب کا میقات، مولانا وحید الزماں صاحب کا القاسم، مولانا اسعد صاحب مدنی کا تذکرہ، نئی نویلی سلطنت پاکستان میں فضلاء دارالعلوم دیوبند کے علمی شاہکار اور مزین مجلات ہیں بینات کراچی جس کی ادارت مولانا یوسف صاحب بنوری فرماتے تھے مولانا سمیع الحق صاحب اکوڑہ خٹک کا الحق، مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مرحوم کا البلاغ، ساہیوال سے شائع ہونے والا الرشید، جس نے حال ہی میں دارالعلوم نمبر نکالکر اردو صحافت میں ایک نئی چمن بندی کی. مولوی زبیر صاحب و مولانا عامر صاحب کا تجلی اور شائق عثمانی کا عصر جدید، مولانا اسحاق علی کا سیاست اور ذکر کیوں چھوڑئے الجمعیت کا کہ وہ بھی　　فضلاء دارالعلوم کا ایک کارنامہ ہے. مولوی عبداللہ عباوید صاحب کا مرکز اور پھر ان رسائل واخبارات کو بھی لے لیجئے. جن میں فضلاء دارالعلوم بحیثیت مدیر یا شریک ادارت کام کرتے رہے. چنانچہ تاجر نجیب آبادی کا ادبی دنیا جس سے محترم قاضی زین العابدین صاحب کی بھی وابستگی رہی، مولانا مظہر الدین صاحب شیرکوٹی

کا الامان، وبجنور کا مشہور اخبار "مدینہ" جس سے مولانا حامد الانصاری اور مولانا اصلح الحسینی بحیثیت مدیر متعلق رہے۔ یا ممبئی کا وہ روزنامہ جس کی امارت کی ذمہ داریاں غازی صاحب سے متعلق تھیں، حیدرآباد کا نویددکن، جس کے ادارتی زمرہ میں مولوی رضوان صاحب دربھنگوی شامل ہیں، کبیر الدین صاحب فوزان کا پائل اور پھر انہی کا مجلہ افکار، مولوی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی کا تعمیر سیرت اور اسکے علاوہ دارالعلوم کے دوسرے نایاب و قابل قدر افراد کے جاری کئے ہوئے اخبارات و رسائل لیجئے دارالعلوم کے مشہور آرگن ماہنامہ دارالعلوم کا تذکرہ چھوٹا ہی جاتا ہے جو تقریباً تیس برس سے زائد عرصہ گذرتا ہے کہ اردو کے لئے مسلسل کام کر رہا ہے۔

کتب خانے اور مطابع

پھر اس طرف بھی نظر ڈالئے کہ کتنے وہ کتب خانے، مطابع اور اکیڈمیاں ہیں جو فضلاء دارالعلوم نے قائم کیں دہلی میں موجود ندوۃ المصنفین بسیادت حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمان صاحب ہند و پاکستان کی کسی بھی مشہور اکیڈمی سے آنکھیں ملانے کے لئے تیار ہے لکھنؤ کا الفرقان میرٹھ کا مکتبہ علمیہ دہلی کا کتب خانہ رشیدیہ، مولانا سمیع اللہ صاحب مرحوم کا مکتبہ عزیزیہ، دیوبند میں کتب خانہ قاسمی، مطبع قاسمی، تاج المعارف، بیب الحکمت، خضرراہ بکڈپو، مکتبہ تجلی، مکتبہ مرکز، مکتبہ اعزازیہ مطبع مصطفائی، کتب خانہ وحیدیہ، مولانا سید حسن صاحب استاذ دارالعلوم کا کتب خانہ مکتبۂ رحمت، مولانا اسعد صاحب مدنی کا کتب خانہ مدنیہ، اردو کے فلک سے باران رحمت کا منظر پیش کرتے ہیں، اور سامنے رکھئے دارالعلوم کے پیدا کردہ ان بلند پایہ خطباء واعظین کو جنھوں نے اپنی پرجوش خطابت، عالمانہ مواعظ، قادر الکلامی اور جادو بیانی کے مناظر ہند و بیرون ہند میں پیش کرکے نہ صرف دارالعلوم کی عظمتوں میں اضافہ کیا بلکہ اردو کا بول وہاں بھی بالا کر آئے، جو نہ اردو کا وطن، نہ اس کی زمین، نہ اس کا آسمان اور نہ اس کا مسقط الراس ہے۔

غرض یہ کہ یہ ایک مختصر جائزہ ہے دارالعلوم اور فضلاء دارالعلوم کی ان خدمات کا جن کا تعلق اردو کو پھیلانے، بڑھانے
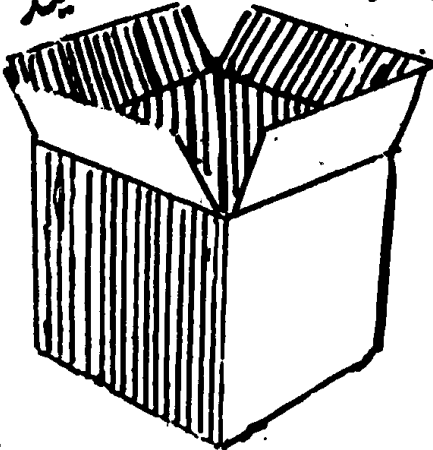
دارالعلوم دیوبند کا
یہ بے مثال یادگار روحانی اجتماع چودھویں صدی کی خدمت میں
سب سے قیمتی الوداعی تحفہ ہے
حاجی عبد الجلیل

۲۶ مارچ ۱۹۸۰ء

دارالعلوم دیوبند کا نثری رویّہ

از:۔ تنویر احمد علوی

مذہبی تحریکیں اور ان کا پیدا کردہ تبلیغی رویّہ زبان و ادب کے فروغ میں ہمیشہ ایک نمایاں کردار ادا کرتے رہے ہیں، یہ بات جتنی دنیا کو دوسری ترقی یافتہ زبانوں کے ادبی ارتقا پر صادق آتی ہے اتنا ہی اس کا اطلاق ہندوستان کی جدید زبانوں کی تاریخ پر بھی ہوتا ہے۔

اردو میں تصنیف و تالیف کا سلسلہ آغاز مذہبی اور اخلاقی موضوعات پر لکھے جانے والے کتابچوں اور رسالوں سے ہوتا ہے جن کا دائرہ نگارش برابر آگے بڑھتا اور پھیلتا رہا۔ چونکہ ان تحریروں کا مقصد عوام تک اپنی بات پہنچانا اور نسبتاً کم پڑھے لکھے لوگوں کو صاف اور سادہ انداز میں کوئی ایمانی یا روحانی مسئلہ سمجھانا ہوتا تھا اس لئے بالعموم زبان ایسی ہوتی تھی جسے اس وقت کے مروجہ معیار کے مطابق سادہ و سلیس کہا جا سکتا تھا۔ اس میں ایک دشواری یہ ضرور پیش کہ علماء صوفیا اور فقراء کا چونکہ الگ الگ لسانی حلقوں سے تعلق ہوتا تھا، اور زبان کی کسی معیار بندی یا ادبی مرکزیت کے تصور سے خود کو وابستہ کر کے وہ اپنی بات کو آزادانہ انداز سے نہیں کہہ سکتے تھے اس لئے انہوں نے بڑی حد تک ایک نیم مرکزی اور نیم معیاری زبان اور اس کے اپنے اسلوب اظہار کو زیادہ پسند کیا اور آئندہ کے لئے یہ ایک روایت بن گئی۔

اسی کے ساتھ چونکہ یہ تحریریں زیادہ تر مذہبی اور اخلاقی مسائل سے متعلق ہوتی تھیں اس لئے ان میں مذہبی مصطلحات کی تعداد ہمیشہ زیادہ ہوتی تھی، یا پھر ایسی حکایتوں اور روایتوں کے سہارے وہ بیان آگے بڑھتا تھا جس سے مذہبی کردار سازی اور اخلاقی

ترسیل و ابلاغ کے سلسلہ میں ایک ناگزیر آلہ کار کی سی ہوتی ہے اس لئے ڈھیلا ڈھالا پن، ایسی تحریروں میں جانے ان جانے طریقہ میں راہ پا جاتا ہے اور جب تحریر کو اگر اس کی تربیت اپنی مادری اور تہذیبی زبان کے ادب کے سہارے نہیں ہوئی تو اکثر اس کا احساس بھی نہیں ہو پاتا۔

اصلاحی اور تبلیغی مقاصد کے تحت کام آنے والے کتب و رسائل کو ان آرائشی لوازمات سے شعوری سطح پر پاک رکھنے کی کوشش کی جاتی ہے جن کی پابندی یا جن کی ذہنی وابستگی سرکار دربار سے رشتہ رکھنے کی صورت میں زیادہ اچھی لگتی ہے بالعموم یہ خیال کیا جاتا ہے کہ مذہبی تحریروں کا اپنا ایک سیدھا سادا یا سنجیدہ علمی اسلوب ہوتا ہے جس کے اور ادبی اسالیب کے درمیان ایک حد فاصل ضرور ہونی چاہیئے۔

غالباً یہی وجہ ہے کہ ہماری ادبی تاریخ میں ابتدائی دسطی عہد کے نمونوں کو چھوڑ کر باقی ادوار کے ادبی اسالیب کے مختلف نمونوں میں ایسی مذہبی تحریروں کو بہت کم جگہ دی گئی ہے جن کا اسلوب ایک مخصوص دائرہ علم سے الگ ہٹ کر اپنے اندر عام دلچسپی کا کوئی سامان نہیں رکھا تھا۔

ان کتابوں کی علمی قدر و قیمت اور زبان کے تمول میں ان کا جو حصہ ہے اس کی اہمیت سے انکار ممکن نہیں اور شاید یہ بھی ضروری ہے کہ ان کی گیری کے لئے مخصوص ادبی و تنقیدی معیاروں میں لچک پیدا کی جائے جس کے لئے ادبی مورخوں اور نقادوں کے لئے اپنے مطالعہ کے حدود میں وسعت خدا ہی ناگزیر ہوگی۔

لیکن ہر دور کے اپنے کچھ تقاضے بھی ہوتے ہیں جو طرز فکر اور اسلوب نگارش دونوں پر اثر انداز ہوتے ہیں اور جن سے الگ ہٹ کر علمی نثر کے لئے کسی ادبی معیار کے تعین کی کوشش مشکل ہے — عصری رویئے عصری ورش و آگہی کے ترجمان ہوتے ہیں اور کبھی کبھی یہ بعض سوائندیہ کی شکست و رغبت سے بھی ظہور پذیر ہوتے ہیں اسے بھی اجتماعی شعور ہی کا حصہ خیال کیا جاتا ہے۔ اس کے ساتھ ہم اپنے اجتماعی شعور اور انفرادی رویہ میں اپنے زمانہ کی آفاقی قدروں اور فکری معیاروں کی جھلک بھی دیکھنا چاہتے ہیں۔

یہ حقیقت اپنی سطح پر کتنی روشن اور شفاف معاشرہ کے ذہن کی مختلف تہذیبی سطحوں اور ذہنی صلاحیتوں کو دیکھتے ہوئے پوری حقیقت بہرحال نہیں ہے اور یہیں سے دیوبند کے نثری رویہ کے ایک دخیرہ مواد تک رسائی ممکن ہے جس میں صحرا کی سی وسعت ہے مگر شگفتگی و شادابی اسی نسبت سے کچھ کم ہے۔ مذہبی طرزِ فکر سے وابستہ افراد کی کچھ اپنی ذہنی حد بندیاں ہوتی ہیں۔ وہ اسی دائرہ میں رہ کر سوچتے اور انہیں پابندیوں میں رہتے ہوئے خود کو آزاد محسوس کرتے ہیں۔ جہاں تک دیوبند کا تعلق ہے اس معاملہ میں اس کے رویہ میں کچھ زیادہ "قطعیت" ہے۔ اس میں بزرگوں کے مسلک کی اور ماضی سے وابستہ روایت کی اہمیت "حرفِ معتبر" کی سی ہے۔ اس کا اثر اس کی فکری نہج اور انداز نگارش دونوں پر مرتب ہوا ہے۔

ہمارا یہ مذہبی ادارہ بہت بڑا ادارہ ہے جس کے دائرۂ علمیات کا بہت بڑا حصہ مذہبی تحریروں پر مشتمل ہے جو مذہبی و ثقافتی سطح پر ہمارے اہتمام بالشان موضوعات فکر سے تعلق رکھتا ہے، حدیث تفسیر، ترجمہ فقہ اور فتاویٰ اس کے سلسلۂ کار کے بڑے دائرے ہیں، جنکی وسعت اور علمی سطح پر جن کا وزن دوسرے علوم سے کسی طرح کم نہیں اور عقائد و المحال کی سطح پر ان کا دائرۂ اثر و نفوذ دوسروں سے کچھ زیادہ ہے۔

دیوبند اور اس جیسے دوسرے ادارے، دینی نظام تعلیم کے ذیل میں جنکا سلسلہ ملک میں اوپر سے اوپر تک پھیلا ہوا ہے ان کی اہمیت اس لئے اور بھی زیادہ ہے کہ اردو ان کا ذریعہ تعلیم ہے اور اردو کی ادبی تحریروں سے دلچسپی لینے والوں کے مقابلہ میں مذہبی کتب و رسائل سے دلچسپی لینے والوں کی تعداد کہیں زیادہ ہے۔ ان کے اخذ و اکتساب کے طریقہ اور سابقہ بھی بہت حد تک براہ راست ہے وہ جب سنتے یا پڑھتے ہیں تو از دل خیزد و بر دل ریزد کی منزل میں ہوتے ہیں۔ ان میں ذہنی طور پر کچھ ایسے افراد ہو سکتے ہیں جو صرف سنتے یا صرف پڑھتے ہیں مگر سمجھتے نہیں، بہرحال ایک حد تک یہ بات ہو یا بڑی

حد تک وہ بات اس سے حلقۂ رسائی اور طریق ترسیل دونوں کے مسائل وابستہ ہو جاتے ہیں اور مذہبی تحریروں کی ہمہ گیر اپیل کے تجزیہ اور تفہیم دونوں میں اس سے مدد مل سکتی ہے۔

مذہبی ادارات سے وابستگی رکھنے والوں کو اپنے دائرہ تحقیق و تنقید جن مسائل و مباحث سے واسطہ پڑتا تھا اور پڑتا رہا ہے ان میں بالعموم ان کا دائرہ کار اور طریق رسائی یا اپنے مسلک کی وضاحت رہی ہے یا دفاعی نوعیت کے وہ دلائل جن سے باہر کار نہ وہ کسی چیز کا اقرار کرنا چاہتے ہیں نہ انکار، ان کے یہاں تفہیم حقائق سے لے کر توجیہہ حقائق تک جو سلسلۂ ذکر و فکر کی کڑیاں سامنے آتی ہیں۔ وہ روایت سے زیادہ روایت کی پاس داری سے تعلق رکھتی ہیں۔ اسی لئے نثر نگاری میں مذہبی طبقہ کا رویہ ہمیشہ ایک "پابند رویہ" ہوتا ہے۔ دیوبند کی زیادہ سے زیادہ تحریروں میں اس رویہ کی پرچھائیاں ملتی ہیں

ادبی اسالیب نئے تجربوں سے وجود میں آتے ہیں اور ہر ادبی اسلوب ایک طرح کے حیاتی تجربہ اور جمالیاتی احساس کا ثمرہ ہوتا ہے مگر مذہبی طبقہ میں متعینہ ضابطۂ اخلاق ہدایت کی بڑی اور فیصلہ کن اہمیت ہوتی ہے اس لئے وہ تجربے کو اس منزل سے نہیں گذارنا چاہتا جہاں "انحراف" کی طرف گام فرسائی کا خطرہ ہو۔ اسی لئے مذہبی تحریریں ان نظریاتی روایتوں کی پابند رہتی ہیں جو "طریقہ راسخ علماء" سمجھا جاتا ہے اور جس کی سند "ماضی" سے لی جاتی ہے

اگر بحیثیت مجموعی دیکھا جائے تو اردو زبان اور اس کے علمی اکتسابات کا تعلق تین بڑے اداروں سے ہے۔ ایک طرف دیوبند اور اس کی طرح اپنے شرعی مسلک کی پابندی کرنے والے ادارے ہیں، دوسری طرف علی گڈھ اور اس کی جدید علمی روایت کا ساتھ دینے والے ادارے آتے ہیں، تیسری طرف ندوۃ العلماء اور اس کے حلقۂ فکر و نظر سے تعلق رکھنے والے ادارے ہیں، جہاں مذہبی سطح پر روایت و درایت کا ایک نیا امتزاج ملتا ہے۔ ان میں دیوبند نے خود کو مخصوصاً "دینیات" کا پابند رکھا اور اس میں دوسرے علوم کو اسی حد تک جگہ دی جس حد تک وہ مسلک کی پابندی اور اس کی توضیح و تشریح میں مدد دینے کے قابل تھے

ان کو ایک آزاد ڈسپلن کے طور پر کبھی اس نے اپنے نظام فکر و عقائد کا جز نہیں بنایا۔ اور اس سے حیات و کائنات کے نئے نظریے اور نئے سائنسی حقائق کو سمجھنے کی کوشش اس سطح پر بھی نہیں کی جہاں فلسفہ کی روح مذہبی مسائل کی تعبیر و تشریح میں علم کلام کی شکل اختیار کرتی ہے مغرب میں فلسفہ نے اپنے نظریاتی دائروں میں کیا کیا ڈھنگ کے سے رنگ پیدا کر لئے اس سے بھی دیوبند نے کوئی سروکار نہیں رکھا

منطق بھی اس کے دائرہ تدریس کا ایک ذیلی دائرہ ہے لیکن منطقی دلائل کو دیوبند صرف اپنے مسلک کے تحفظ کے لئے اختیار کرتا ہے اس سے نئے تحقیقی نتائج کے حصول میں کوئی مدد نہیں لیتا۔ تحزیم سے ہٹتے ہوئے استخراجی و استقرائی نتائج جو تحقیق ہیں بہت سے نئے نتائج کے حامل ہوتے ہیں۔ ان سے دیوبند اپنے "تحفظ پسندانہ" رویہ کے تحت کوئی بڑا کام لینا نہیں چاہتا۔ اسی لئے اس کے یہاں فلسفیانہ تعبیر اور منطقی طرز استدلال کا عمل نئی معنویت کی دریافت اور فکر کی نئی جہتوں کی تلاش سے بے نیاز نظر آتا ہے عربی زبان اور عربی ادبیات دیوبند کے نظام تعلیم اور نصابی مواد کا سب سے اہم حصہ ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ دیوبند کے نثری رویہ پر سب سے زیادہ اسی عربی کا ہے جو اس کی تمام نصابی کتب کی زبان ہے لیکن عربی ادبیات کے قبائلی احساس یا تمدنی اسالیب کا مثبت اثر دیوبند کی نثری تحریروں پر ترجمہ اور تشریح کی حدوں سے کچھ زیادہ آگے نہیں بڑھتا وجہ اپنی جگہ پر بنیادی ہے ادب کی طرف دیوبند کا رویہ کبھی بھی اس روایتی تعلق کی حدود سے آگے نہیں بڑھا جس کے تحت وہ تفہیم زبان و قواعد کا ایک وسیلہ ہے لیکن عربی ادب اپنے لئے ایک "زندہ تجربے" کی حیثیت میں دیوبند کے نثری رویہ سے کسی وفاداری کا مطالبہ نہیں کر سکتا تھا۔

اس کے مقابلے میں علی گڑھ نے مغربی ادبیات سے ایک طرح کا ذہنی رشتہ پیدا کر کے اپنے نثری اسالیب میں زیادہ تنوع تحول اور رنگا رنگی پیدا کی جس کا یہ پہلو سینا

کمزور ہے کہ مشرقی ادبیات سے اکتساب و استفادہ کی روشنی
کو وہ زیادہ دور اور زیادہ دیر تک اپنے ساتھ لیکر نہ چل سکا
جسے اپنے اندر جذب کرنے کی صلاحیت اس میں دیوبند سے کچھ زیادہ تھی
ان کے مقابلہ میں ندوۃ العلماء نے مغربی روشنی کے لئے اپنے
ذہنی دریچوں کو کھلا رکھا عربی زبان کو ایک بڑی اور زندہ زبان کی
طرح سیکھا، اس کے پیچیدہ قواعد صرف و نحو پر بھی دسترس کو ضروری
خیال کیا، اسکی مذہبی فکر کی اساس بھی محکم رہی با ایں ہمہ ادبیات
سے اس کا رشتہ زیادہ گہرا تھا اور ادارتی سطح پر اس کی ادبی حس
زیادہ تیز تھی، جس کا اندازہ شبلی اکیڈمی اور اس سے وابستہ اہل
علم کی تصانیف سے بھی ہوتا ہے، دیوبند سے وقتاً فوقتاً جو رسائل
نکلتے رہے ان میں کسی رسالے کو علمی دنیا میں وہ مقام حاصل نہ ہو
سکا جو معارف کو حاصل رہا، اگر دیکھا جائے تو اردو زبان میں نکلنے
والے علمی رسائل میں وہ رسالے زیادہ اہم حکام پیدا کر سکے جو اپنے
علمی معیار اور اس کے دانشورانہ شعور میں ادبی حسیت۔
(LITERARY SENSIBILITY) سے زیادہ قریب تھے

دیوبند کے سلسلہ تصانیف کے ذیل صدہا رسائل اور کتابیں
آتی ہیں ان میں سے بعض اپنی عوامی مقبولیت اور بعض اپنی علمی سطح
اور فقہی نقطۂ نظر کی صراحت کے اعتبار سے بے حد قابل احترام ہیں
دیوبند کے علمی و مذہبی دائرہ فکر سے وابستہ علماء میں مولانا اشرف علی
تھانوی کی تنہا ذات بھی ایک بڑے ادارے کا درجہ رکھتی ہے اگر
ہم مولانا قاسم صاحب نانوتوی سے لے کر مولانا حفظ الرحمٰن اور
مفتی شفیع صاحب تک کی تصانیف کا مطالعہ کریں تو ان حضرات
کے علمی تبحر اور دینی بصیرت کے سامنے بے اختیار سر تسلیم خم کرنے
کو جی چاہتا ہے لیکن ان میں حضرت مولانا نانوتوی کے بعد مولانا
حفظ الرحمٰن ہی ایک ایسی شخصیت کے روپ میں ابھرتے ہیں
جن کی تحریروں میں علمی سنجیدگی کے ساتھ ادبی لطافت اور نثری
حسن کے قدم قدم پر بھرپور نمونے ملتے ہیں اور اس کی بڑی
وجہ ان دونوں حضرات کی وہ "ادبی حسیت" ہے جو ان کے
ذہنی وجود میں رگ حیات LIVING کا درجہ
رکھتی ہے۔

نثر کو شعری تلازمات کے سانچہ میں ڈھال دینا ادبی
حسیت نہیں ہے، موقع بے موقع آرائشی لوازمات یا شاعرانہ تراکیب
و اشعار کا اضافہ ضروری نہیں کہ کسی نثر کے جمالیاتی تاثر میں
اضافے کا سبب ہو یا تشبیہ و استعارہ کی بہتات نثری
اسلوب کی اپنی خواہش رنگی و خوش کو قائم رکھنے میں مدد دے
یہ دراصل بہت کچھ نثر نگار کی ادبی تربیت اور علمی حسیت سے
"حیاتیاتی" رشتہ رکھنے والی صفت ہے جو خارج سے کسی کو
نہیں بخشی جا سکتی۔

دیوبند سے ایک دبستانی رشتہ رکھنے والے بیشتر
علماء نے ادب سے اپنے رشتہ کو تفہیم زبان قواعد کے دائرہ سے
آگے بالعموم نہیں بڑھنے دیا۔

سرسید بھی ایک وقت میں یہ سمجھتے تھے کہ شاعرانہ
طرز فکر اور ادیبانہ انداز نظر کے معنی یہ ہیں کہ مضمون خیالی کی
باریکیوں اور فکر کی بھول بھلیوں میں گم ہو کر رہ جائے اس لئے
وہ اپنی نثر میں سادگی، ادائے مطلب اور غیر شعری رویہ پر
زیادہ زور دیتے تھے اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ وہ انگریزی
مضامین سے استفادہ کر رہے تھے اور ترجمہ کے ذریعہ ادبی کے
مضامین کو اوپر لینا چاہتے تھے۔

اہل دیوبند بھی چونکہ سختی سے اپنے مسلک کے پابند رہنا
چاہتے ہیں اور اپنی تحریر کو شرعی حدود اور فقہی طرز ادا کا پابند
رکھنا چاہتے ہیں اس لئے ان کا نثری رویہ ادب سے قریب
آنے کے بجائے غیر ادبی عوامی رسمیہ سے قریب تر ہوتا چلا جاتا
ہے اور اسی لئے ان کے یہاں نثر و نظم دونوں میں سادگی
وضاحت اور فقہی انداز نظر تو قدم قدم پر ملتا ہے، لیکن ان کی
تحریر کے ادبی حسن کی تلاش میں نکلنا پڑتا ہے۔

بحیثیت مجموعی دیوبند کا رویہ روایت پسندی علمی ضوابط
کی پاسداری اور ادبی حسیت سے شعوری یا نیم شعوری طور پر
دامن کشی کا رویہ ہے جسے علمائے دیوبند کی بیشتر مذہبی تحریروں
اور علمی نگارشوں میں دیکھا جا سکتا ہے

دارالعلوم دیوبند

جزیرہ نمائے ہند میں اسلامی عظمت اور ملّی زندگی ایک زندہ

علامت ہے

دارالعلوم کے جشنِ صد سالہ پر اپنی نیک خواہشات نذر کرتے ہیں

حاجی محمد یونس برادران

ماڈرن ہینڈ لوم سارینز　　پاکیزہ پرنٹس　　ماڈرن ٹیکسٹائلس

بنارسی سِلک، زری، آرگنزا، شیفان، پرنٹڈ اور ہر قسم کی

بنارسی ساڑیوں کے

صنعت کار اور تاجران

بی ۱۷/۵۴ اے تل بھنڈیشور (مالتی باغ) وارانسی ــ فون 63369 63074

حضرت مولانا قاضی سجاد حسین صاحب صدر مدرس مدرسہ عالیہ فتحپوری

دیوبند کی سرزمین میں جو شجرۂ طوبیٰ دارالعلوم کی صورت میں اگا اس مختصر تحریر میں اس کی اس شاخ کا تذکرہ پیش نظر ہے جو انتہائی ثمرآور بارآور ہوئی اور اس کے پھلوں سے دارالعلوم کو مرکز علوم اور ازہر الہند بنانے میں بہت بڑا حصہ ہے۔

مولانا فضل الرحمن صاحب عثمانی

جناب مراد بخش صاحب عثمانی کے فرزند ارجمند ہیں۔ انہوں نے جس گھرانہ میں آنکھ کھولی تھی۔ وہ ایک زمیندار اور معزز گھرانہ تھا۔ بڑے ہوئے تو علوم عربیہ کا شوق دامنگیر ہوا

دیوبند میں کوئی عربی مدرسہ نہ تھا۔ لہذا دہلی کا سفر اختیار کیا اور استاذ العلماء حضرت مولانا مملوک علی صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ سے شرف تلمذ حاصل کیا۔ فراغت کے بعد معاش کے لئے سرکاری نوکری اختیار کی اور بالآخر ڈپٹی مدارس کے عہدہ پر مامور ہوئے۔ ملازمت کا زیادہ وقت ضلع بجنور اور بریلی میں گذرا صاحب علم و تقویٰ تھے۔ فارسی اور اردو میں شعر بھی کہتے تھے لیکن کوئی دیوان مرتب نہیں کیا۔ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نے جو تحریر مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے تذکرہ حیات میں لکھی ہے۔ اس میں ذکر کیا ہے کہ موصوف ان چھ بزرگوں میں شامل ہیں جنھوں نے دیوبند میں موجودہ دارالعلوم قائم کرنے کا خاکہ تیار کیا دارالعلوم کے قیام کے بعد وہ تادم حیات اس کی بہبودی اور ترقی کے لئے کوشاں رہے۔ دیوبند ہی میں وفات پائی اور دارالعلوم کے قبرستان میں حضرت شیخ الہند کے مزار کے سرہانے لحد میں آرام فرما ہیں۔

ممدوح کو قدرت نے جہاں علم و فضل سے نوازا تھا وہاں اولاد کی کثرت سے بھی نوازا تھا۔ اناث کے علاوہ حسب تفصیل ذیل آپ نے نرینہ اولاد چھوڑی۔ (۱) مولانا عبدالرحمان صاحب (۲) حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحب (۳) حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب (۴) مولانا خلیل الرحمن صاحب (۵) مولانا محبوب الرحمن صاحب (۶) مولانا مطلوب الرحمن صاحب (۷) حضرت مولانا شبیر احمد صاحب (۸) بابو سعید احمد صاحب (۹) بابو فضل حق صاحب، ہم سردست آپ کی اس اولاد کا تذکرہ کریں گے۔ جو آسمان علم پر آفتاب و ماہتاب بنکر چمکی اور اس نے دارالعلوم دیوبند کی ناقابل فراموش خدمت کی۔

(۱) حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمان صاحب رحمۃ اللہ علیہ

آپ حضرت مولانا فضل الرحمن صاحب کے منجھلے صاحبزادے ہیں۔ آپ کا سن ولادت ۱۲۷۵ھ اور تاریخی نام ظفر الدین ہے دارالعلوم دیوبند میں اپنی تعلیم مکمل فرمائی اور ۱۲۹۵ھ میں فراغت کے بعد مدرسہ اسلامیہ اندر کوٹ میرٹھ میں بحیثیت مدرس ملازم ہوئے۔ میرٹھ کے دوران قیام میں اہل میرٹھ آپ کے ظاہری اور باطنی فیض سے مستفید ہوتے رہے۔ غالباً آپ کے مجاز اور خلیفہ جناب قاری محمد اسحاق صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا آپ سے تعلق میرٹھ کے زمانہ قیام میں ہی ہوا۔ میرٹھ کے زمانہ قیام میں ہی آپ کی علمی قابلیت اور فقاہت کی شہرت پھیل چکی تھی ۱۳۰۹ھ

ہیں دارالعلوم دیوبند کو ایک فاضل استاذ کی ضرورت
محسوس ہوئی تو ان کو میرٹھ سے دارالعلوم میں بحیثیت مدرس بلایا
گیا۔ ۱۳۱۰ھ میں سرپرست دارالعلوم قطب العالم حضرت مولانا
رشید احمد صاحب گنگوہی قدس اللہ سرہٗ نے دارالعلوم میں دارالافتاء
کے قیام کی تجویز مجلس شوریٰ میں پیش فرمائی اس کی منظوری پر
مفتی کے انتخاب کا مسئلہ پیش آیا۔ تو قرعۂ فال آپ کی ذاتِ
گرامی کے لئے نکلا۔ اور آپ نے ۱۳۱۰ھ سے ۱۳۴۶ھ تک اس قابلیت
و مہارت کے ساتھ بحیثیت صدر مفتی خدمت انجام دی کہ خواص
و عوام آپ کو مفتی اعظم ہند کے نام سے یاد کرنے لگے۔ آپ نے
اس عرصہ میں کس قدر فتاویٰ تحریر فرمائے۔ دارالافتاء کا ریکارڈ
۱۳۲۹ھ تک خاموش ہے۔ اس کے بعد کے رجسٹر یہ بتاتے ہیں کہ
۱۳۲۹ھ سے ۱۳۴۶ھ تک آپ نے ۲۴۵۱۹ فتوے تحریر
فرمائے۔ فن افتاء میں آپ کی مہارت حیران کن تھی۔ مشکل سے مشکل
فتاویٰ کا جواب بغیر کسی مراجعت کے تحریر فرما دیتے تھے۔ اگر مراجعت
کی ضرورت ہوتی بھی تو فتاویٰ کی ضخیم جلدوں میں بھی آپ کو دو چار
ورق پلٹنے کی ضرورت ہوتی تھی۔ جواب نہایت مختصر اور
جامع تحریر فرماتے تھے۔ اس منصب جلیل کی ذمہ داریوں کے
ساتھ ساتھ درس کا سلسلہ بھی جاری رہتا تھا۔ جلالین شریف
کا درس عموماً جناب سے ہی متعلق رہتا تھا۔ مجھے وہ وقت اچھی
طرح یاد ہے کہ کس محبت اور شفقت کے ساتھ ہم لوگوں کو
جلالین شریف پڑھاتے تھے۔ عبارت کے ساتھ مطلب خیز ترجمہ
اور ہر مشکل مقام کا چند لفظوں میں حل آپ کی خصوصیت
تھی اکابر کی طرح آپ کے درس میں بھی لمبی چوڑی تقریر نہ ہوتی
تھی۔ مجھے یہ بھی یاد ہے کہ مصروفیت کی وجہ سے جب مدرسہ
کے اوقات میں جلالین شریف کا معتد بہ حصہ نہ ہو سکا۔
اور سال آخر ہونے لگا تو اپنی مسجد میں عصر کے بعد درس دینا
شروع فرما دیا اور چونکہ میں ذرا عبارت تیز اور صحیح پڑھ لیتا تھا
تو کلاس ساتھ طلباء کی جماعت میں سے عبارت پڑھنے کا مجھے اور
صرف مجھے حکم [illegible] نامت فرما دیا۔ ختم پر جو دعا کرائی۔
اس کی لذت اور کیفیت آج بھی دل محسوس کرتا ہے یہ آپ کی بزرگی
اور شفقت کا اثر ہے کہ جلالین شریف کے بعض مقامات پر جو
کچھ آپ نے ارشاد فرمایا تھا۔ اب تک میرے حافظہ میں محفوظ ہے۔ آہ۔
آج بھی جب آپ کی ذات گرامی کا تصور آتا ہے تو دل تڑپ اٹھتا ہے
اب یہ فرشتہ صورت و سیرت شخصیتیں کہاں ہیں۔ ظاہری علوم میں
کمال کے ساتھ روحانیت اور تصوف میں بھی آپ کی شخصیت بے نظیر
تھی۔ آپ حاجی امداد اللہؒ مہاجر مکی کے مجاز تو تھے ہی علماء دیوبند
میں نقشبندی سلوک آپ ہی کی ذات گرامی سے وابستہ تھا۔ آپ حضرت
شاہ رفیع الدین صاحبؒ دیوبندی کے نقشبندی سلسلہ میں مجاز
تھے اور خلیفہ تھے۔ اور آپ نے اپنے بعد اپنے بڑے صاحبزادے مولانا
مفتی محمد عتیق الرحمان صاحب کو چھوڑا۔ جن کے دیگر علمی اور قومی
کارناموں کے علاوہ سب سے بڑا کارنامہ ندوۃ المصنفین کا قیام ہے
جو صدیوں تک آپ کی یاد تازہ کرتا رہے گا۔ اور دوسرے
صاحبزادے قاری جلیل الرحمان صاحب مدرس دارالعلوم ہیں
روحانی اعتبار سے قاری محمد اسحاق صاحب میرٹھی رحمۃ اللہ
علیہ آپ کے خلیفہ اور جانشین ہوئے یہ وہی مقدس بزرگ ہیں
جن سے خرقہ و سجادہ استاد مکرم حضرت مولانا بدر عالم مہاجر مدنی رحمۃ اللہ
علیہ کو حاصل ہوا۔ آج آپ کی علمی یادگار ہمارے سامنے فتاویٰ دارالعلوم
جو دس جلدوں میں شائع ہو چکے ہیں کے علاوہ منحۃ الجلیل خلاصہ
معالم التنزیل بھی ہے۔ جو لامع النور پریس آگرہ سے شائع ہوا تھا۔
نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ آپ نے جلالین شریف کا اردو ترجمہ بھی
فرمایا تھا۔ جو کسی قرآن کے حاشیہ پر چھپا تھا۔

(۲) حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ

آپ حضرت مولانا فضل الرحمان صاحب رحمۃ اللہ کے تیسرے
صاحبزادے ہیں وفور علم کے ساتھ آپ کا تدبر اور ذکاوت ضرب المثل
تھی۔ فن ادب عربی اور شعر میں استاذ کامل تھے۔ آپ کا لامیۃ المعجزات
قصیدہ آپ کی مہارت فنی کا زندہ شاہکار ہے اس قصیدہ میں آپ نے
آنحضورؐ کے معجزات کو جمع کر دیا ہے۔ اس کی شرح ادیب اریب
حضرت مولانا محمد اعزاز علی صاحب رحمۃ اللہ نے لکھی اور یہ ایک
زمانہ میں درس میں داخل تھا۔ تاریخ اسلام آپ کو خاص
لگاؤ تھا۔ مخالفین اسلام کا یہ اعتراض کہ "اسلام تلوار کے
زور سے پھیلا"۔ کا جواب آپ نے "اسلام کیونکر پھیلا"

لکھکر دیا۔ آپ کی یہ کتاب اشاعت کے وقت اس موضوع پر ایک مکمل کتاب سمجھی گئی اور اہل علم و قلم نے آپ کی اس کتاب کو خوب سراہا۔ حضرت مولانا اشرف علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر تقریظ لکھی تو آپ کا ان الفاظ سے ذکر کیا۔

"مکرمی معظمی نبراس العلماء، راس الفضلاء، تاج الادباء، سراج البلغاء حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب ناظم مدرسہ دارالعلوم دیوبند دام و دامت بالفیوض والبرکات والمواہب"۔ حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تقریظ میں ممدوح کا تذکرہ ان الفاظ سے فرمایا۔ "حضرت مولانا الاستاذ العلامۃ المحقق مولانا حبیب الرحمن صاحب" موصوف ایک طویل عرصہ تک اپنے زمانہ کے نامور علمی رسالہ "القاسم" کے مدیر رہے آپ کے قلم سے بیش بہا علمی مقالے اس میں شائع ہوتے رہے۔ آپ کا علم و فضل ہی تھا کہ حضرت مولانا انور شاہ صاحب اور حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب جیسے اکابر دارالعلوم دیوبند کو ہم نے آپ کے سامنے دو زانو بیٹھے ہوئے دیکھا ہے۔ حضرت مولانا انور شاہ صاحب یہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر مجھ پر کسی کے علم کا اثر پڑتا ہے تو وہ مولانا حبیب الرحمن صاحب ہیں۔ آپ ۱۳۲۵ھ میں دارالعلوم کے نائب مہتمم بنائے گئے۔ اور کچھ زمانہ کے بعد مہتمم بنا دیئے گئے یہ دارالعلوم کا وہ دور تھا جبکہ دارالعلوم بڑی وسعت اختیار کر چکا تھا۔ اساتذہ کا ہجوم تھا طلبہ سیکڑوں کی تعداد سے متجاوز ہو چکے تھے۔ اور دارالعلوم میں مختلف شعبہ جات قائم ہو چکے تھے۔ آپ کا تدبر اور معاملہ فہمی ضرب المثل تھی۔ چونکہ عمر کا ایک بڑا حصہ ایسی حالت میں گذرا کہ دنیا وی علائق یکسر کٹ چکے تھے۔ نہ خانہ داری کی مصروفیت تھی نہ اہل و عیال کے جھگڑے آپ کا اوڑھنا بچھونا دارالعلوم دیوبند اور اس کا انتظام و اہتمام رہ گیا تھا اہتمام کی تمام تر مصروفیتوں کے باوجود فرائض کے علاوہ تلاوت قرآن اور سوا لاکھ اسم ذات کا ورد آپ کا کبھی قضا نہیں ہوتا تھا۔

دارالعلوم دیوبند کی ۳۲ سال اہم ترین خدمات انجام دینے کے بعد ۱۳۴۸ھ میں آپ اپنے حقیقی مولیٰ سے جاملے اور آج دارالعلوم کے قبرستان میں آرام فرما ہیں۔ علامہ رشید رضا مصری رحمۃ اللہ علیہ ۱۳۳۰ھ میں آپ ہی کے دور اہتمام میں دارالعلوم میں تشریف لائے۔ اُن کے استقبال میں آپ کا خطبہ مقالہ دارالعلوم کی وضاحت اور اس کے کارناموں کی تفصیل میں آپ کی دانشمندی اور معاملہ فہمی کا آئینہ دار ہے۔

آپ کی شخصیت ہر اعتبار سے یگانہ روزگار سمجھی جاتی تھی ملکی سیاست میں بھی آپ کا مقام بہت اعلیٰ تھا۔ ۱۳۴۰ھ میں جمعیۃ علماء کے (گیا) کے اجلاس کے آپ صدر بنائے گئے۔ آپ کا خطبہ صدارت آپ کی سیاسی سمجھ بوجھ کا عکاس ہے۔

حضرت شیخ الہند نے جو اکابر جمعیۃ العلماء کو وصیت کی تھی اس میں یہ ارشاد فرمایا تھا کہ وہ موصوف کو کبھی اپنے سے جدا نہ ہونے دیں۔

(۴) علامہ حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ

آپ حضرت مولانا فضل الرحمان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے آٹھویں صاحبزادے ہیں آپ کے والد بزرگوار نے آپ کا نام فضل اللہ بھی رکھا تھا اور آپ کے بارے میں فرمایا کرتے تھے ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔

آپ ۱۰ محرم الحرام ۱۳۰۵ھ کو بریلی میں اس وقت پیدا ہوئے جبکہ آپ کے والد محترم بریلی میں ڈپٹی انسپکٹر مدارس تھے۔ آپ نے ناظرہ قرآن شریف حافظ محمد عظیم صاحب استاد دارالعلوم سے پڑھا۔ حساب اور فارسی کی ابتدائی کتابیں منشی منظور احمد صاحب استاد دارالعلوم سے پڑھیں۔ پھر فارسی کی تکمیل حضرت مولانا محمد یٰسین صاحب۔ صدر مدرس درجہ فارسی دارالعلوم سے کی۔

۱۳۱۹ھ سے درس نظامی پڑھنا شروع کیا اور ۱۳۲۵ھ میں حضرت شیخ الہند کے دور صدارت میں سالانہ امتحان میں درجہ اول پر کامیاب ہو کر سند فراغ حاصل کی۔

فراغت کے بعد کچھ عرصہ آپ نے دارالعلوم میں پڑھایا اور اور پھر مدرسہ عالیہ فتحپوری دہلی میں بحیثیت صدر مدرس آپ کا تقرر ہوا۔ آپ کے دور صدارت میں مدرسہ عالیہ فتحپوری میں حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب بلیاوی اور حضرت مولانا عبدالسمیع صاحب دیوبندی بھی مدرس رہے۔

(باقی صد ۲۰ پر)

فرزندان دارالعلوم دیوبند کی فقہی تصنیفی خدمات

مولانا حبیب الرحمٰن قاسمی استاذ جامعہ اسلامیہ بنارس

دارالعلوم دیوبند برصغیر ایشیا کی وہ عظیم تعلیمی تحریک ہے جس نے مغرب سے آئے ہوئے الحاد اور بے دینی کے طوفان کا رخ موڑ دیا اور برصغیر میں اسلام کی نشأۃ ثانیہ کے ساتھ ملک میں انقلابی تحریک میں بھی بنیادی اور موثر رول ادا کیا۔

دارالعلوم نے اپنی تعلیمات کے ذریعہ علماء، مجاہدین اور رجال کار کی ایک ایسی جماعت پیدا کردی جس نے سخت سے سخت تر حالات میں بھی نہ صرف یہ کہ قوم و ملت کی خدمت و حفاظت کی بلکہ دنیا میں اس کے وقار کو بلند کیا۔

تعلیم و تدریس، اصلاح و تلقین، تصنیف و تالیف غرضیکہ علم و عمل کا کوئی میدان ایسا نہ ملے گا جو فرزندان دارالعلوم سے خالی ہو۔ دارالعلوم کی اس ہمہ گیر خدمات میں سے ہم اس مضمون میں اس کی فقہی خدمات کا مختصر جائزہ پیش کر رہے ہیں چوں کہ دارالعلوم کی تفسیری، اصلاحی، ادبی اور سیاسی خدمات پر ماہنامہ الرشید کے دارالعلوم نمبر میں کافی مواد جمع کر دیا گیا ہے نیز دارالعلوم کی حدیثی خدمات پر راقم کی ایک مستقل تصنیف "علماء دیوبند اور علم حدیث" کے نام سے عنقریب شائع ہونے والی ہے لیکن اس کے فقہی کارناموں پر اب تک مستقلاً کسی صاحب قلم نے کچھ نہیں لکھا ہے اس لئے ضرورت تھی کہ اس گوشہ کو بھی نمایاں کیا جائے۔ اگرچہ اس مختصر سے مقالہ میں دارالعلوم کی فقہی خدمات کا مکمل تعارف پیش نہیں کیا جا سکتا، پھر بھی کچھ نہ کچھ اندازہ تو ہو ہی جائے گا۔

دارالعلوم نے جہاں باکمال فقہاء اور نکتہ رس مفتیوں کی ایک بڑی جماعت تیار کی وہیں اپنے شعبۂ دارالافتاء سے تقریباً پانچ لاکھ سے زائد فتاویٰ بھی جاری کئے جو بذات خود احکام فقہیہ کا ایک دائرۃ المعارف اور امت کی دینی رہنمائی کے لئے ایک عظیم اور کافی و وافی ذخیرہ ہے۔

حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن دیوبندیؒ ۱۲۷۵ھ / ۱۳۴۷ھ

حضرت مفتی صاحب بیک وقت ایک صاحب نظر فقیہہ، مستند محدث، متبحر عالم دین اور باکمال شیخ تھے۔ دیوبند کے مشہور عثمانی خانوادہ میں آپ کی ولادت ہوئی۔ ۱۲ برس کی عمر میں حفظ قرآن سے فراغت حاصل کرلی۔ اس کے بعد فارسی اور عربی کی تعلیم شروع کی اور ۱۲۹۵ھ میں دارالعلوم کے نصاب کی تعلیم کو مکمل کر کے فارغ التحصیل ہو گئے۔ آپ کے اساتذہ میں حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ، حضرت مولانا سید احمد

دہلویؒ، حضرت شیخ الہندؒ اور حضرت مولانا عبدالعلی جیسے باکمال اساطین علم و فضل ہیں۔

تکمیل کے بعد کچھ عرصہ تک دارالعلوم میں معین مدرس رہے اور ساتھ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب کی نگرانی میں فتویٰ نویسی کی خدمت بھی انجام دیتے رہے۔ پھر اپنے اساتذہ کے حکم سے مدرسہ اسلامیہ اندرکوٹ میرٹھ میں باقاعدہ تدریسی خدمت سنبھالی۔ ۱۳۰۹ھ میں اکابر دارالعلوم نے نائب مہتمم کی حیثیت سے آپ کو دارالعلوم بلا لیا۔ نیابت اہتمام کی بحالہ خدمت کے بعد آپ کو مفتی و مدرس مقرر کیا گیا اس وقت سے ۱۳۴۶ھ تک مسلسل تدریس کے ساتھ افتار کی خدمت انجام دیتے رہے۔ فتویٰ نویسی میں جو کمال و مہارت حضرت مفتی صاحب کو حاصل تھا جماعت دیوبند میں حضرت امام ربانی مولانا گنگوہیؒ اور مفتی اعظم مولانا کفایت اللہ صاحب کے علاوہ کوئی تیسرا اس وصف میں ان کا شریک و سہیم نہیں ہے۔ حضرت مفتی صاحب بڑے بڑے معرکۃ الآرا اور اہم سوالوں کا جواب قلم برداشتہ بلا تکلف تحریر فرما دیا کرتے تھے۔ آپ کے فتاویٰ کی ایک بڑی خصوصیت یہ بھی ہے کہ ان کی زبان نہایت سلیس، عام فہم اور دلچسپ ہوتی ہے ۳۶ ، ۳۷ برس تک آپ نے دارالعلوم میں افتار کی خدمت انجام دی اس مدت میں شروع کے ۲۱ سال کے ریکارڈ محفوظ نہیں ہیں کیونکہ ۱۳۲۹ھ تک دارالعلوم میں فتاویٰ کا کوئی ریکارڈ نہیں رکھا گیا۔ ذیقعدہ سن مذکور سے نقول فتاویٰ کا طریقہ جاری ہوا۔ اس وقت سے ۱۳۴۶ھ تک یعنی ۱۵ سال کے محفوظ ریکارڈ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دوران انھوں نے ۳۷۵۱۹ فتاویٰ تحریر فرمائے۔ آپ کے لکھے ہوئے ان فتووں کو تخریج مصادر اور فقہی ترتیب پر مرتب کر کے "فتاویٰ دارالعلوم" کے نام سے بجانب دارالعلوم شائع کیا جا رہا ہے۔ اب تک دس جلدیں شائع ہو چکی ہیں تحشیہ و ترتیب کی خدمت مولانا ظفیر الدین مفتاحی انجام دے رہے ہیں۔ (تاریخ دارالعلوم دیوبند ج ۲ ص ۳۵ تا ۳۸)

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ ۱۲۸۰ / ۱۳۶۲ھ

حضرت حکیم الامت علماء دیوبند میں وہ جامع کمالات بزرگ ہیں جن کی نظیر اگلی صدیوں کے علماء اسلام میں بھی خال خال ہی نظر آتی ہے وہ ایک عظیم محدث، عظیم فقیہ، عظیم خطیب، عظیم مصلح اور عظیم مصنف تھے حفظ قرآن اور فارسی و عربی کی ابتدائی کتابیں وطن میں حضرت مولانا فتح محمد تھانوی سے پڑھیں۔ ۱۲۹۵ھ میں دارالعلوم میں داخلہ لیا اور چار سال یہاں رہ کر علوم متداولہ کی تکمیل کی۔

تعلیم و تحصیل سے فراغت کے بعد پہلے کچھ دنوں مدرسہ فیض عام کانپور میں بحیثیت صدر مدرس کے تدریسی خدمات انجام دیں پھر یہاں سے الگ ہو کر کانپور ہی کے دوسرے مدرسہ جامع العلوم کی مسند صدارت کو زینت بخشی اور تقریباً ۱۳-۱۴ سال تک یہاں رہ کر تشنگان علوم کو سیراب کیا۔ ۱۳۱۵ھ میں کانپور چھوڑ کر وطن تھانہ بھون چلے آئے اور خانقاہ امدادیہ کو اپنے علمی و اصلاحی منصوبے کا مرکز بنایا اور یہیں سے دعوت و تبلیغ، تزکیۂ نفوس اور تصنیف و تالیف کا وہ عظیم الشان کارنامہ انجام دیا جس کی مثال صدیوں تک نہیں ملتی۔ حضرت حکیم الامت کی ذات علم و حکمت اور معرفت و طریقت کا ایسا سرچشمہ تھی جس سے نصف صدی تک برصغیر کے مسلمان سیراب ہوتے رہے۔ دین کا ایسا کوئی شعبہ نہیں جس میں ان کی عظیم خدمات تقریری یا تصنیفی صورت میں موجود نہ ہوں۔ کثرت تصانیف کے لحاظ سے ہندوستانی مصنفین میں ان کا کوئی جواب نہیں۔ آپ کی جملہ تصانیف کی تعداد ساڑھے نو سو بتائی جاتی ہے۔ اور ان کی مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ ہند و پاک کے پڑھے لکھے گھرانوں میں مشکل سے کوئی ایسا گھر ملے گا جس میں حضرت تھانوی کی کوئی نہ کوئی تصنیف موجود نہ ہو۔ ان میں مندرجہ ذیل کتابیں فقہی مسائل سے متعلق ہیں۔

(۱) بہشتی زیور گیارہ حصہ (۲) فتاویٰ امدادیہ چار حصہ (۳) الحیلۃ الناجزہ (۴) بوادر النوادر (۵) ترجیح الراجح (۶) تعلیم الدین (۷) تلخیص المنار (۸) اصلاح الرسوم (۹) صفائی معاملات (۱۰) القول الصواب فی الحجاب (۱۱) القول البدیع فی تخصیص المقر التجمیع (۱۲) الحق الصریح فی التراویح (۱۳) تحفۃ الاخوان (سود کے موضوع پر) (۱۴) رسالہ در بحث سماع وغیرہ۔

حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ شاہجہاں پوری

۱۲۹۲ - ۱۳۷۲ھ

حضرت علامہ مفتی اعظم مولانا کفایت اللہ صاحب اپنے علم و فضل فہم و تدبر، تقویٰ و طہارت۔ اخلاق و کردار اور مجاہدانہ کمالات کے اعتبار سے چودھویں صدی کے علماء میں ایک مثالی شخصیت کے مالک تھے۔ حضرت مفتی اعظم نے ابتدائی تعلیم وطن میں مکمل کر کے مدرسہ شاہی

مرادآباد میں داخلہ لیا اور حضرت مولانا عبدالعلی تلمیذ حضرت نانوتوی رح سے شرف تلمذ حاصل کیا۔ آخر میں تکمیل کے لئے دارالعلوم دیوبند پہنچے اور حضرت شیخ الہند رح وغیرہ سے دورہ حدیث پڑھ کر حسب تصریح صاحبزادہ محترم مولانا حفیظ الرحمٰن صاحب واصف ۱۳۱۵ھ میں فارغ ہوئے۔

فراغت کے بعد اپنے اولین استاذ مولانا عبیدالحق صاحب کے مدرسہ عین العلم شاہجہان پور میں درس و تدریس اور افتار کی خدمات انجام دینی شروع کر دیں۔ مولانا موصوف کی وفات کے بعد ۱۳۲۱ھ میں مولانا امین الدین صاحب کے اصرار پر مدرسہ امینیہ دہلی کی مسند صدارت تدریس و افتار کو سنبھال لیا اور تادم واپسیں اس منصب پر فائز رہے یعنی ۵۵ برس کی طویل مدت تک مدرسہ امینیہ میں علوم و فنون کی تعلیم و تدریس کے ساتھ افتار کی خدمات بھی انجام دیتے رہے۔ اس مدت میں آپ کے فتوی غیر منقسم ہندوستان کے علاوہ جاوا، سماترا، برما، ملایا چین، بخارا، سمرقند، بلخ، بدخشاں، ختن، تاشقند، سمرقند، ترکستان افغانستان، ایران، عرب، افریقہ، امریکہ اور انگلستان غرضیکہ جہاں بھی مسلمانوں کا وجود ہے وہاں پہنچے۔ حیرت تو یہ ہے کہ تعلیم و افتار کی اس عظیم خدمات کے پہلو بہ پہلو سیاسی و ملی خدمات، جنگ آزادی میں شرکت اور قید و بند کے مجاہدات کا سلسلہ بھی جمعیۃ علماء ہند کے پلیٹ فارم سے برابر جاری رہا جس کے ابتدائے قیام سے اپنے آخری ایام تک آپ صدر رہے۔

مفتی صاحب کے فتاویٰ کی ایک اہم خصوصیت جس میں وہ اپنے تمام معاصرین سے منفرد ہیں یہ ہے کہ ان کی عبارت مختصر ہونے کے ساتھ نہایت صاف، واضح اور عام فہم ہوتی ہیں فقہی تصنیفات (۱) تعلیم الاسلام چار حصہ۔ اس کا ہندی اور انگریزی وغیرہ میں بھی ترجمہ ہو چکا ہے اور ہندوستان کے اکثر مکاتب کے نصاب میں داخل ہے۔

(۲) کفایت المفتی ۹ حصہ۔ یہ مفتی صاحب کے فتاویٰ کا مجموعہ ہے جسے ان کے صاحبزادہ مولانا حفیظ الرحمٰن واصف نے اکٹھا اور مرتب کر کے شائع کیا ہے۔

تاریخ دارالعلوم ج ۲ ص ۸۰ و دیباچہ کفایت المفتی

حضرت مولانا سید اصغر حسین دیوبندی ۱۲۹۴ھ / ۱۳۶۴ھ

حضرت مولانا میاں اصغر حسین صاحب علوم دینیہ، حدیث، تفسیر، فقہ، فرائض وغیرہ میں کمال لیاقت کے ساتھ علوم باطن میں بھی بلند مقام پر فائز تھے ان کی ذات علم و فضل، زہد و تقویٰ اور نیکی و پرہیزگاری کی بنا پر اپنے عہد میں مرجع خلائق تھی۔ آپ نے ۱۳۲۰ھ میں دارالعلوم سے فراغت حاصل کی۔

تکمیل کے بعد اپنے استاذ حضرت شیخ الہند رح کی تجویز پر مدرسہ مسجد اٹالہ جون پور میں بحیثیت صدر مدرس تدریس کا آغاز کیا اور تقریباً سات سال تک تشنگان علوم دینیہ اور مسلمانان جون پور کو اپنے علوم ظاہری و باطنی سے سیراب کیا۔ ۱۳۲۶ھ میں اکابر دارالعلوم کی طلب پر جونپور سے علیحدہ ہو کر دارالعلوم چلے آئے اور ماہنامہ "القاسم" کی ادارت کے ساتھ تفسیر، حدیث اور فقہ کے اسباق بھی آپ سے متعلق ہوئے اور زندگی کے آخری لمحہ تک دارالعلوم سے منسلک رہے۔

میاں صاحب نے تعلیم و تدریس کے علاوہ تصنیف و تالیف اور ارشاد و تلقین کی راہ سے بھی علمی و دینی خدمات انجام دیں۔ آپ کی متعدد تصانیف میں ذیل کی کتابیں علم فقہ کے موضوع پر ہیں۔ (۱) مفید الوارثین (۲) میراث المسلمین (۳) مسافر آخرت (۴) الجواب المتین باحادیث سید المرسلین (۵) فتاویٰ محمدی مع شرح دیوبندی۔ یہ سب کتابیں مطبوعہ ہیں

(تاریخ دارالعلوم ج ۲ ص — (سوانح مولانا میاں سید اصغر حسین صاحب)

حضرت مولانا اعزاز علی امروہی ۱۳۰۰ھ / ۱۳۷۴ھ

حضرت شیخ الادب والفقہ مولانا اعزاز علی دارالعلوم کے ان ممتاز فضلاء میں ہیں جن کی علمی و عملی سرگرمیوں سے خود دارالعلوم کو نہایت ودررس فوائد حاصل ہوئے۔ ہر فن کی کتابوں پر انھیں کامل عبور تھا اور ان کا درس اس طرح دیتے تھے کہ معلوم ہوتا تھا کہ یہی آپ کا خصوصی فن ہے بالخصوص فقہ اور ادب میں تو آپ کو تبحر کا درجہ حاصل تھا اسی بنا پر حلقہ دارالعلوم میں آپ کو شیخ الفقہ والادب کے شاندار اور وقیع لقب سے یاد کیا جاتا تھا اور آج بھی اسی لقب سے مشہور ہیں۔ ۱۳۲۱ھ میں دارالعلوم سے فراغت کے بعد اپنے استاذ کبیر حضرت شیخ الہند رح کے حکم سے مدرسہ نعمانیہ بھاگل پور سے اپنی تعلیمی و تدریسی خدمات کا آغاز کیا اور تقریباً سات سال تک اپنے علمی فیوض و برکات سے اس دیار کو مستفید کیا۔ بعد ازاں افضل المدارس کے نام سے شاہجہان پور میں خود ایک درس گاہ کی بنیاد رکھی لیکن یہاں ابھی تین ہی سال گزرے تھے کہ اپنے اساتذہ و اکابر کی طلب پر ۱۳۳۰ھ میں

دارالعلوم چلے آئے اور اس انہماک و خلوص سے دارالعلوم کی ہر خدمت مفوضہ کو انجام دیا کہ ارباب اہتمام سے لے کر طلبہ تک آپ کے مداح و ثنا خواں تھے اور آج بھی جب حلقۂ دارالعلوم میں علمی شغف، طلبہ و ادارہ کی خیر خواہی اور وقت کی پابندی وغیرہ کا ذکر چھڑتا ہے تو بیساختہ زبانوں پر حضرت شیخ الفقہ والادب کا نام آجاتا ہے۔

آپ کو دارالعلوم میں اپنے کمال اخلاص، ممتاز صلاحیت اور بے پایاں جدوجہد کی بنا پر بڑا فروغ حاصل ہوا اور عمر کے آخری دور میں حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنیؒ کے بعد انہیں کا مقام و درجہ تھا چنانچہ حضرت کی غیر موجودگی میں متعدد بار بخاری شریف کا درس آپ ہی سے متعلق ہوا۔

حضرت شیخ الادبؒ نے تدریسی خدمات کے علاوہ شعبۂ دارالافتار کی صدارت کے بھی فرائض انجام دئے۔ آپ کے عہد صدارت میں دارالافتار سے ۲۴۸۵۵ فتاویٰ جاری کئے گئے۔ نیز جب حضرت مولانا حافظ احمد صاحب مہتمم دارالعلوم ریاست حیدرآباد کے مفتی اعظم مقرر ہوئے تو انھوں نے ان کی نیابت کی خدمت بھی انجام دی۔

تصنیفی خدمات: حضرت شیخ الادب نے مستقل تصانیف اور اہم علمی مقالات کے علاوہ فقہ اور ادب کی متعدد کتابوں پر مفید حواشی بھی تحریر کئے جن میں ہمارے موضوع سے متعلق یہ ہیں۔ حاشیہ نور الایضاح فارسی، حاشیہ نور الایضاح عربی، حاشیہ کنز الدقائق عربی، حاشیہ شرح نقایہ ملا علی قاری عربی (مقدمہ شرح نفحۃ العرب)

حضرت مولانا مفتی سید مہدی حسن شاہجہانپوری

۱۳۰۱ – ۱۳۹۶ھ

حضرت مولانا مفتی سید مہدی حسن صاحب فقہ، حدیث اور فن رجال حدیث میں اپنے دور کے ممتاز علماء میں شمار ہوتے تھے۔ ان کا سلسلہ تلمذ اگرچہ براہ راست دارالعلوم سے نہیں ہے کیونکہ انھوں نے تمام تر تعلیم حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب سے مدرسہ امینیہ دہلی میں حاصل کی ہے۔ لیکن ۱۳۲۸ھ کے جلسہ دستار بندی میں انھیں دستار فضیلت عطا کر کے اپنے فرزندوں کے زمرہ میں شامل کر لیا۔

تعلیم سے فراغت کے بعد حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب نے انھیں مدرسہ اشرفیہ راندیر ضلع سورت بھیج دیا۔ جہاں انھوں نے اپنی زندگی کے اولین چالیس سالہ ایام افتار اور تدریس و تصنیف میں گزار دئے۔ اور ۱۳۶۷ھ میں دارالعلوم کی طلب پر اس کے شعبۂ دارالافتار کی مسند صدارت کو سنبھالا اور بیس سال تک اس عظیم ذمہ داری کو بحسن و خوبی انجام دیا اور ۱۳۸۷ھ میں اپنی مسلسل طویل علالت کی بنا پر اس خدمت سے سبکدوش ہو گئے۔ آپ کے زمانہ صدارت میں دارالافتار سے ۳۷۲۴۵ فتاویٰ جاری ہوئے۔ مفتی صاحب ایک ماہر مفتی، صاحب نظر فقیہ ہونے کے ساتھ زبردست محدث و مصنف بھی تھے۔ آپ کی مشہور تصنیف «قلائد الازہار شرح کتاب الآثار للامام محمد الشیبانی» اس کی شاہد عدل ہے۔

فقہی تصنیفی خدمات: تقریباً پون لاکھ فتاویٰ کے علاوہ آپ نے علم فقہ میں اہم کتابیں اور حواشی بھی تحریر کئے جن میں بعض یہ ہیں (۱) تصحیح و تعلیق کتاب الحجہ امام محمد۔ مفتی صاحب کی فقہی خدمات کا یہ ایسا عظیم شاہکار ہے جسے قدمار کی کتابوں کے مقابلہ میں بلا جھجک رکھا جا سکتا ہے۔ اس عظیم کتاب کی تحقیق و تعلیق پر آپ نے اپنی زندگی کے بیس سال صرف کئے۔ (۲) التطہیر فی نجاسۃ البیر (۳) اقامۃ القیامہ (مسئلہ طلاق ثلثہ) (۴) البرہان فی اشتراء السلطان (۵) رفع الارتیاب (۶) التحقیق التام (۷) اظہار الصواب (مسئلہ قرأۃ فاتحہ) (۸) انارۃ المعنی فی حدیث لا جمعہ وغیرہ (روزنامہ الجمعیۃ دہلی ماہ)

مولانا عبدالحق نافع پشاوری ۱۳۱۳ / ۱۳۹۳ھ

حضرت مولانا عبدالحق نافع صاحب زیارت کا کا صاحب نوشہرہ ضلع پشاور میں پیدا ہوئے۔ موقوف علیہ تک کی تحصیل اپنے علاقہ کے علمار سے کی تکمیل کے لئے دارالعلوم میں داخلہ لیا۔ حضرت محدث عصر مولانا انور شاہ کشمیریؒ کے حلقۂ درس میں شامل ہو کر فارغ التحصیل ہوئے۔

تکمیل کے بعد کچھ دنوں نواکھالی بنگال میں تدریسی خدمات انجام دیں۔ ۱۳۵۲ھ میں دارالعلوم کے درجہ علیا کے اساتذہ مقرر ہوئے اور پندرہ برس تک نہایت حسن و خوبی کے ساتھ اپنے فرائض منصبی کو انجام دیا۔ تقسیم ہند کے وقت دارالعلوم سے مستعفی ہو کر وطن چلے آئے یہاں بھی تعلیمی و تدریسی مشغلہ قائم رہا اور مظہر العلوم کھڈہ کراچی، دارالعلوم چارسدہ پشاور اور جامعہ اسلامیہ نیوٹاؤن کراچی میں بحیثیت شیخ الحدیث تفسیر اور فقہ کی خدمات انجام دیں۔ آپ کے فتاویٰ "ایضاح الفتاویٰ" کے نام سے شائع ہو چکے ہیں اور علمی حلقہ میں مقبول ہیں۔

(ماہنامہ الرشید ساہیوال، دارالعلوم نمبر ص ۱۵۴)

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی ۱۳۱۴ھ - ۱۳۹۶ھ

مفتیٔ اعظم مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ صحیح معنوں میں اکابر دیوبند کے مزاج و مذاق کے امین اور ان کی علمی، روحانی و اخلاقی اقدار کے نگہبان تھے۔ مفتی صاحب دورِ حاضر کی ان نابغہ شخصیتوں میں سے ایک تھے جن کی زندگی علم دین اور فقہ اسلامی کی نشر و اشاعت میں بسر ہوئی۔ مفتی صاحب نے از اول تا آخر مکمل تعلیم دارالعلوم دیوبند میں حاصل کی اور ۱۳۳۶ھ میں فارغ ہو کر ۱۳۳۷ھ سے دارالعلوم میں تدریسی کام شروع کر دیا اور اپنی خداداد صلاحیت اور علمی استعداد و لیاقت کی بنا پر بہت جلد طبقۂ علیا کے درجہ میں پہنچ گئے۔ آپ کو فقہ، تفسیر اور ادب سے خصوصی مناسبت تھی۔ ۱۳۵۰ھ میں تدریس کے ساتھ دارالافتاء کی صدارت بھی آپ سے متعلق ہو گئی اور درمیان میں مختصر سے وقفہ کے ساتھ ۱۳۶۲ھ تک بڑی لیاقت و حسن و خوبی اس عظیم ذمہ داری کو انجام دیتے رہے۔ آپ کے عہد صدارت میں تقریباً ۲۶۰۸۲ فتاوی جاری ہوئے۔ ۱۳۶۷ھ میں ہندوستان سے ترک وطن کر کے پاکستان چلے گئے۔ قیام پاکستان کے زمانہ میں برابر علمی و اصلاحی خدمات انجام دیتے رہے لیکن اس دور کا سب سے اہم ترین کارنامہ جسے علمی دنیا میں ہمیشہ یاد کیا جائے گا "دارالعلوم کراچی" کا قیام ہے جو دارالعلوم دیوبند کے بعد برصغیر ایشیا کا سب سے اہم علمی و دینی ادارہ ہے۔ مفتی صاحب کا پاکستان کو یہ عظیم عطیہ ہے جس کے احسان سے اہل پاکستان کبھی عہدہ برآ نہیں ہو سکتے۔

فتویٰ نویسی کی عظیم ذمہ داری جو آپ کی اب تک کی زندگی کا جز و بنی ہوئی تھی پاکستان کے زمانۂ قیام میں اور ہمہ گیر ہو گئی۔ دنیا بھر کے ممالک سے فقہی سوالات کا تانتا بندھا رہتا تھا۔ دارالعلوم کراچی میں جن فتاویٰ کی نقول محفوظ ہیں ان کی تعداد ۴۰۹۵۸ ہے۔ اس طرح ہند و پاک کے مجموعی فتاویٰ کی تعداد ۷۷۰۴۰ تک پہنچ جاتی ہے تقریباً ستر ہزار ایسے فتاویٰ ہیں جن کی نقول محفوظ نہ کی جا سکیں۔ اس حساب سے آپ کے تحریر کردہ تمام فتاویٰ کی تعداد ڈیڑھ لاکھ تک پہنچ جاتی ہے۔ تحریر فتاویٰ کی یہ وہ حیرت انگیز تعداد ہے جس کی مثال شاید پوری ملت اسلامیہ میں نہ مل سکے گی۔ فتاویٰ کی اس کثیر تعداد کے علاوہ جو بذات خود ایک بے مثال فقہی کارنامہ ہے مفتی صاحب نے حدیث، تفسیر، فقہ، کلام، تاریخ و سیر اور رد فرق باطلہ وغیرہ موضوعات پر ۱۱۲ کتابیں اور رسالے بھی تالیف کئے جن میں پچانوے صرف فقہی ابواب پر ہیں، مثلاً- فتاویٰ دارالعلوم (امداد المفتیین، چار جلد) (۲) اسلام کا نظام اراضی (۳) آلات جدیدہ کے شرعی احکام (۴) بیمۂ زندگی (۵) مسئلہ سود (۶) آداب المساجد (۷) رفیق سفر (سفر سے متعلق احکام (۸) شب برأت (۹) تصویر کے احکام (۱۰) نکاح و طلاق، اعضاء انسان کی پیوند کاری، (۱۱) پراویڈنٹ فنڈ پر زکوٰۃ اور سود (۱۲) ضبط ولادت کی شرعی حیثیت، (۱۳) احکام حج (۱۴) قرآن میں زکوٰۃ کا نظام (۱۵) احکام دعا (۱۶) جواہر الفقہ دو حصہ وغیرہ

(ماہنامہ البلاغ کراچی کا مفتی اعظم نمبر)

حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب ۱۳۱۵ھ

حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند اپنے علم و فضل، ذہانت و ذکاوت، وعظ و خطابت اور زہد و للہیت کے لحاظ سے اپنے معاصرین میں بلند مقام و مرتبہ کے مالک ہیں۔ آپ نے سات برس کی عمر میں دارالعلوم میں داخلہ لیا اور ۱۳۳۷ھ میں جملہ علوم و فنون کی تحصیل کر کے سند فراغت حاصل کی۔ حضرت محدث کشمیری آپ کے استاذ خاص ہیں۔

تکمیل کے بعد درس تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ ۱۳۴۱ھ میں نائب مہتمم ہوئے اور وسط ۱۳۴۸ھ میں حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب عثمانیؒ کی رحلت کے بعد مہتمم کے منصب پر فائز ہوئے اور اب تک بحمد اللہ اس عظیم ذمہ داری کو انجام دے رہے ہیں۔ دارالعلوم کو آپ کے حسن انتظام اور تنظیمی صلاحیت سے بیش از بیش فائدہ پہنچا۔

دارالعلوم کے انتظامی امور کے علاوہ جن چیزوں سے آپ کو طبعی مناسبت اور دلچسپی ہے وہ تصنیف و تالیف اور دعوت و تبلیغ ہے۔ اس وقت آپ برصغیر کے خطیبوں اور واعظوں میں امتیازی شان رکھتے ہیں آپ کی تقریریں اسلامی حلقوں کے علاوہ جدید طبقہ میں بھی نہایت پسند کی جاتی ہیں۔ تصنیف و تالیف کا مشغلہ بھی انتظامی معاملات سے فراغت کے اوقات میں جاری رہتا ہے۔ اب تک کی مطبوعہ و غیر مطبوعہ تصانیف کی تعداد سو کے قریب ہے جو مختلف اسلامی موضوعات پر ہیں جن میں یہ کتابیں علم فقہ سے متعلق ہیں۔ (۱) شرعی پردہ (۲) داڑھی کی شرعی حیثیت (۳)

المتشبہ فی الاسلام ۔

ان گوناگوں مصروفیتوں کے ساتھ بیعت وارشاد کا سلسلہ بھی جاری ہے۔ آپ کے مریدین کا حلقہ کافی وسیع ہے جو ہند وبیرون ہند میں پھیلے ہوئے ہیں۔

(تاریخ دارالعلوم دیوبند ج ۲ ص ۱۳۴ تا ۱۳۵)

حضرت مولانا سید بدر عالم میرٹھی ۱۳۱۶ھ — ۱۳۸۵ھ

حضرت مولانا سید بدر عالم میرٹھی اپنے علمی کمالات ومحاسن کے لحاظ سے اہم ترین علماء میں شمار ہوتے ہیں۔ مولانا میرٹھی نے اولاً میٹرک تک عصری تعلیم حاصل کی بعد ازاں مظاہر علوم سہارنپور میں درس نظامی کی تحصیل وتکمیل کی اور حضرت مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوری سے دورہ حدیث پڑھ کر سند واجازت حاصل کی۔ تعلیم سے فراغت کے بعد مظاہر علوم میں دو سال تدریسی خدمات انجام دیں پھر مزید حصول علم کی غرض سے دارالعلوم دیوبند پہنچے اور حضرت محدث کشمیری کے حلقۂ درس میں شامل ہوکر دوبارہ دورۂ حدیث پڑھا۔ دارالعلوم سے فراغت کے بعد ۱۳۳۸ھ میں یہیں مدرس ہوگئے اور وسط ۱۳۴۶ھ میں حضرت محدث کشمیری کے ہمراہ دارالعلوم سے الگ ہوکر جامعہ اسلامیہ ڈابھیل چلے گئے جہاں سترہ سال تک تدریسی خدمات انجام دیں۔ یہاں کے بعد ایک سال مدرسہ جامع العلوم بھاولنگر میں رہے۔ جامع العلوم سے علیحدگی کے بعد ندوۃ المصنفین دہلی سے وابستہ ہوگئے، لیکن تقسیم ہند کے آگ وخون کے طوفان میں جب ندوۃ المصنفین تباہ ہوگیا تو یہاں سے دل برداشتہ ہوکر پاکستان چلے گئے۔ پاکستان میں ایک درس گاہ قائم کرکے اپنے تعلیمی تدریسی ذوق کو پورا کرتے رہے آخر میں پاکستان سے بھی ہجرت کرکے مدینہ منورہ میں مقیم ہوگئے تھے۔

مولانا میرٹھی نے علم حدیث میں بڑی گراں قدر تصنیفات اپنی یادگار چھوڑی ہیں۔ ان کے علاوہ فقہ میں بھی یہ دو کتابیں آپ کے آثار علمیہ میں سے ہیں۔ مستند الحضیر حاشیہ زاد الفقیر الشیخ ابن ہمام حنفی اور خلاصۃ المناسک تلخیص زبدۃ المناسک للشیخ گنگوہیؒ (علمائے دیوبند اور علم حدیث)

مولانا سید شمس الدین افغانی ۱۳۱۸ھ

حضرت مولانا سید شمس الدین افغانی پاکستان کے چند نامور محققین علماء میں سے ایک ہیں۔ آپ گیارہ برس تک ریاست ہائے متحدہ بلوچستان قلات، خاران، مکران اور لس بیلہ کے وزیر تعلیم رہ چکے ہیں۔

مولانا افغانی نے اپنے والد ماجد مولانا سید غلام حیدر اور سرحد افغانستان کے دیگر متعدد علماء سے فنون کی تحصیل کرکے دارالعلوم دیوبند کا علمی سفر کیا اور حضرت محدث کشمیری کے حلقۂ درس میں شامل ہوکر ۱۳۲۹ھ میں دورۂ حدیث کی تحصیل وتکمیل کی۔ حدیث کے علاوہ طب کی تعلیم بھی انھوں نے دارالعلوم میں حاصل کی بعد ازاں ایک سال تک بطور خود اساتذہ دارالعلوم کی رہنمائی میں مختلف علوم کے مطالعہ میں مصروف رہے۔

مولانا افغانی نے بھی اپنے اساتذہ وبزرگوں کی طرح درس وتدریس کو اپنا مشغلہ بنایا اور نصف صدی سے زائد مدت تک مختلف مدارس میں فقہ، حدیث اور تفسیر کا درس دیا۔ تین سال تک دارالعلوم دیوبند میں بھی شیخ التفسیر رہے۔ ۱۳۸۲ھ سے تدریسی سلسلہ کو موقوف کرکے تصنیف وتالیف میں مشغول ہیں اور اب تک دو درجن کے قریب کتابیں تصنیف کرچکے ہیں جن میں (۱) معین القضاۃ والمفتی عربی (۲) اور شرعی ضابطہ دیوانی اردو فقہ سے متعلق ہیں۔

(ماہنامہ الرشید ساہیوال کا دارالعلوم نمبر)

حضرت مولانا عبدالرحیم کیمبلپوری ۱۳۸۶ھ

مولانا عبدالرحیم صاحب پنجاب میں کیمبلپور کے رہنے والے تھے ابتدائی تعلیم وطن ہی میں پائی پھر مظاہر علوم سہارنپور میں زیر تعلیم رہے آخر میں دارالعلوم میں داخلہ لیا اور ۱۳۳۳ھ میں دورہ حدیث پڑھ کر سند واجازت حاصل کی۔ آپ حضرت شیخ الہندؒ کے آخری تلامذہ میں سے تھے جملہ علوم متداولہ میں کامل دستگاہ رکھتے تھے بالخصوص فقہ اور حدیث میں آپ کی نظر بڑی وسیع تھی، ساتھ ہی زہد وتقوی، تواضع اور سادگی میں بھی منفرد تھے۔ فراغت تعلیم کے بعد مظاہر علوم میں مدرس مقرر ہوئے اور بڑی نیک نامی کے ساتھ فرائض تدریس کو انجام دیا ۱۳۴۶ھ میں جب حضرت اقدس مولانا خلیل احمد صاحب نے مدینہ منورہ کا قصد فرمایا تو مولانا کیمبلپوری ہی کو اپنی جگہ صدارت تدریس کے لئے منتخب فرمایا تھا۔ تقسیم ملک کے وقت وطن گئے تو پھر واپس نہ آسکے۔ پاکستان میں بھی ٹنڈوالہ یار، ملتان اور اکوڑہ خٹک وغیرہ کی بڑی بڑی درس گاہوں میں شیخ الحدیث رہے۔

مولانا مرحوم نے تقریباً نصف صدی تک علوم دینیہ کی تدریسی خدمات انجام دیں۔ ارشاد و سلوک میں بھی خاص مقام رکھتے تھے۔ تصنیف و تالیف سے چنداں شغف نہیں تھا پھر بھی "اسبال الازار" کے نام سے ایک کتاب تالیف فرمائی جو اپنے موضوع پر نہایت جامع کتاب ہے یہ کتاب ابھی تک طبع نہیں ہو سکی ہے البتہ اس کا کچھ حصہ ماہنامہ "نظام کان پور" میں قسط وار شائع ہو چکا ہے۔

(تاریخ دارالعلوم دیوبند ج ۲ ص ۱۲۰ تا ۱۲۲)

مولانا مفتی محمد اسماعیل بسم اللہ سورتی ۱۳۱۶/۱۳۷۹ھ

مولانا مفتی محمد اسماعیل بسم اللہ صاحب ڈابھیل ضلع سورت کے رہنے والے تھے۔ ابتدائی تعلیم اپنے دیار میں حاصل کرنے کے بعد دارالعلوم دیوبند پہنچے لیکن دوران تعلیم ہی میں بعض اسباب ضروریہ کی بنا پر گھر چلے گئے۔ کچھ دنوں کے بعد پھر تعلیمی سلسلہ شروع کیا اور مدرسہ امینیہ دہلی میں حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب کے حلقۂ درس میں شامل ہو کر درسی کتابوں کی تحصیل کے ساتھ فتویٰ نویسی کی مشق بھی کی۔

۱۳۳۸ھ میں دوبارہ پھر دارالعلوم میں داخلہ لیا اور حضرت محدث کشمیری وغیرہ سے دورۂ حدیث کی تکمیل کی۔

تعلیم سے فراغت کے بعد کچھ دنوں اپنے وطن ہی میں پڑھایا، پھر جوہانسبرگ (افریقہ) چلے گئے۔ مگر وہاں زیادہ عرصہ تک قیام نہ رہ سکا اور جلد ہی واپس لوٹ گئے اور جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں مدرس ہو گئے ۱۳۵۳ھ میں برما میں مفتی مقرر ہوئے۔ وہاں فتویٰ نویسی کے ساتھ مولانا احمد اشرف کی معیت میں جمعیۃ علماء برما کی بنیاد رکھی اور کئی مدرسے مختلف مقامات میں قائم کئے ۱۳۵۹ھ میں برما سے واپس آ کر جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں تعلیمی امور کے نگراں منتخب ہوئے پھر جلد ہی مہتمم مقرر ہو گئے۔

گجرات میں مفتی صاحب کی ذات مرجع خلائق تھی۔ وہاں کے نہ صرف عوام بلکہ علماء کی جماعت میں بھی ان کے فتاویٰ اہمیت کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔ تقریباً ۳۲ سال تک گجرات کے ہفت روزہ اخبار "مسلم گجرات" میں آپ کے فتاویٰ شائع ہوتے رہے ہیں۔ ان فتاویٰ کی تین جلدیں گجراتی زبان میں شائع ہو چکی ہیں۔ کل فتاویٰ کی تعداد ۳۵ ہزار بتائی جاتی ہے۔ (تاریخ دارالعلوم دیوبند ج ۲ ص ۱۳۱، ۱۳۲)

حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی ۱۳۱۹ھ

محدث جلیل، فقیہ نبیل مولانا ابوالمآثر حبیب الرحمٰن اعظمی صاحب ہندوستان کی ان نادرہ روزگار ہستیوں میں سے ہیں جن پر ہندوستان کو بجا طور پر فخر ہے۔ اس وقت حدیث، رجال حدیث اور متعلقات حدیث میں آپ کے انتیازکو ہند و پاک کے علاوہ بلاد اسلامیہ کے علماء محققین بھی تسلیم کرتے ہیں۔ مولانا اعظمی نے مشکوٰۃ تک کی تعلیم اپنے قصبہ ہی کے اساتذہ سے حاصل کی جن میں مولانا ابوالحسن صاحب اور مولانا عبدالغفار صاحب خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ دورہ حدیث کی تکمیل کے لئے ۱۳۳۷ھ میں دارالعلوم دیوبند پہنچے مگر درمیان سال ہی میں بیمار ہو کر گھر چلے آئے۔ ۱۳۳۸ھ میں دوبارہ پھر دارالعلوم میں حاضر ہوئے اور محدث کشمیری کے حلقۂ درس میں شامل ہو کر ترمذی شریف کا معتد بہ حصہ پڑھا مگر اس بار بھی سال تمام ہونے سے پہلے علالت کی وجہ سے گھر لوٹ آئے اور صحت یابی کے بعد قصبہ کی مشہور درسگاہ "دارالعلوم مئو" میں مولانا کریم بخش سنبھلی متوفی ۱۳۶۱ھ سے دورۂ حدیث کی تکمیل کی۔ تکمیل کے بعد دارالعلوم مئو ہی میں مدرس ہو گئے پھر دارالعلوم سے الگ ہو کر ۱۳۴۳ھ میں مظہرالعلوم بنارس میں صدارت تدریس پر فائز ہوئے۔ بعد ازاں اپنے قصبہ کے ایک قدیم مدرسہ "مفتاح العلوم مئو" کی ۱۳۴۹ھ میں نشأۃ ثانیہ کی اور اس وقت سے ۱۳۶۹ھ تک اس کے شیخ الحدیث و صدر مدرس رہے اس کے بعد اپنے تصنیفی مشاغل اور مسلسل علالت کی بنا پر عہدہ تدریس سے سبک دوش ہو گئے۔ ۱۳۷۱ھ میں کانگریس کے ٹکٹ پر اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے۔ ممبری کے زمانہ میں مولانا ابوالحسن علی ندوی صاحب کے اصرار پر ایک سال ندوہ میں بخاری شریف کا درس دیا۔ ۱۳۷۳ھ سے مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند اور مرکزی جمعیۃ علماء ہند کے رکن رکین ہیں۔

محدث اعظمی نصف صدی سے زائد عرصہ سے حدیث کی خدمت انجام دے رہے ہیں اور تلامذہ کی ایک کثیر جماعت کے ساتھ ایک درجن حدیث کی اہم اور ضخیم کتابوں پر تحقیق و تعلیق کا کام مکمل کر چکے ہیں۔

حدیث کے ساتھ فقہ حنفی میں بھی آپ بلند مقام کے مالک ہیں اور حدیث کی طرح فقہ میں بھی آپ کی تحقیقات علماء کی جماعت میں قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں۔ دارالحرب کے موضوع پر آپ کا ایک تحقیقی

مقالہ عرصہ ہوا ماہنامہ البلاغ بمبئی میں قسط وار شائع ہوا تھا جسے علمی حلقوں میں بے حد پسند کیا گیا۔ آپ فقہ کے موضوع پر برابر لکھتے رہتے ہیں ان مضامین کے علاوہ فقہی ابواب سے متعلق آپ کی یہ کتابیں بھی ہیں۔ رہبر حجاج۔ رکعات تراویح، ابطال عزاداری، الاعلام المرفوعہ، الانہار المرجوعہ وغیرہ۔ (علماء دیوبند اور علم حدیث)

حضرت مولانا سید محمد میاں دیوبندی دہلوی

۱۳۲۱ — ۱۳۹۵ھ

حضرت مولانا سید محمد میاں صاحبؒ اس دور کے نامور مصنف مورخ اور عالم دین تھے۔ فقہ اور تاریخ پر ان کی نظر بڑی گہری تھی جمعیۃ علماء ہند کی تاریخ میں ان کی سیاسی و تصنیفی خدمات ہمیشہ یاد رکھی جائیں گی۔ مولانا نے از اول تا آخر مکمل تعلیم دارالعلوم دیوبند میں پائی اور ۱۳۴۳ھ میں فراغت حاصل کی، دورۂ حدیث کے اساتذہ میں حضرت محدث کشمیریؒ، علامہ عثمانیؒ اور مولانا سید اصغر حسین صاحب بطور خاص قابل ذکر ہیں۔ فراغت کے بعد مدرسہ عربیہ شاہ آباد پھر مدرسہ شاہی مراد آباد میں مدتوں تدریسی خدمات انجام دیں۔ ۱۳۴۸ھ میں مدرسہ امینیہ دہلی کے شیخ الحدیث اور صدر مفتی مقرر ہوئے اور تاحیات ان دونوں عہدوں پر فائز رہے۔ ۱۳۷۰ھ سے دارالعلوم کی مجلس شوریٰ کے رکن بھی رہے ان خالص علمی و دینی خدمات کے ساتھ سیاسی امور میں بھی عملی طور سے دلچسپی لیتے تھے جس کی وجہ سے متعدد بار قید و بند کی صعوبتیں بھی برداشت کرنی پڑیں ایک مدت تک جمعیۃ علماء ہند کے ناظم کے عہدے پر بھی رہے۔

مولانا مرحوم کثیر التصانیف مصنف ہیں ان کی تدریسی اور تصنیف و تالیف میں انہماک کو دیکھ کر حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنی رح ازراہ مزاح انھیں حیوان کاتب کہا کرتے تھے۔ مولانا کی کثیر تصانیف میں یہ کتابیں فقہ کے موضوع پر ہیں۔ (۱) شرح نور الایضاح اردو (۲) رسالہ رویت ہلال (۳) دینی رسالہ (کے بعض حصے) (۴) تحقیق دارالاسلام دارالحرب ان کتابوں کے علاوہ عصر حاضر کے جدید مسائل پر مولانا مستقل مقالات و مضامین لکھتے رہتے تھے جو ماہنامہ برہان دہلی، روزنامہ الجمعیۃ دہلی وغیرہ میں شائع ہوتے تھے۔ نیز مدرسہ امینیہ میں لکھے گئے کثیر فتاویٰ بھی آپ کی فقہی خدمات کا روشن باب ہیں۔

(علماء دیوبند اور علم حدیث)

مولانا محمد منظور نعمانی ۱۳۲۳ھ

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی ایک بلند پایہ مناظر، مشہور مصنف، کامیاب مقالہ نگار اور صاحب نسبت عالم دین ہیں۔ مولانا نے بیشتر کتابیں اپنے وطن کے مشہور عالم حضرت مولانا کریم بخش سنبھلی سے پڑھیں؛ ان ہی کے مشورہ سے آخر میں دارالعلوم میں داخلہ لیا اور دو سال رہ کر ۱۳۴۵ھ میں دورۂ حدیث سے فراغت حاصل کی۔

فراغت کے بعد امروہہ کے مدرسہ چلہ میں تین سال تدریس و تعلیم میں گزارے۔ چار سال ندوۃ العلماء لکھنؤ کے دارالعلوم میں بحیثیت شیخ الحدیث کے ترمذی و مسلم کا درس دیا۔ محرم ۱۳۵۳ھ میں بریلی سے "الفرقان" کے نام سے ایک ماہنامہ جاری کیا جو اب لکھنؤ سے نکلتا ہے اور ملک کے مقتدر علمی رسالوں میں شمار ہوتا ہے۔

مولانا نعمانی صاحب اب تک مختلف دینی و علمی موضوعات پر ایک صد کتابیں تحریر فرما چکے ہیں۔ آپ کا طرز نگارش سادہ، شگفتہ اور عام فہم ہوتا ہے فقہی احکام پر مشتمل آپ کی یہ تصانیف ہیں (۱) آپ حج کیسے کریں (۲) آسان حج اردو اس کا ترجمہ بھی انگریزی میں بھی ہو چکا ہے (۳) تحقیق مسئلہ ایصال ثواب۔ (علماء دیوبند اور علم حدیث)

حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی ۱۳۲۵ھ

حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب مدظلہ العالی جودت طبع، کثرت مطالعہ، وسعت علم، جزئیات فقہیہ کے استحضار، زہد و تقویٰ، تواضع اور سادگی میں اس وقت اپنی مثال آپ ہیں۔ مفتی صاحب کی بیشتر تعلیم مظاہر علوم سہارنپور میں ہوئی۔ آخر کے تین سال دارالعلوم دیوبند میں گزارے پھر مزید ایک سال مظاہر میں رہے اور ۱۳۵۱ھ میں تعلیم و تحصیل سے فراغت ہوئی۔

فراغت تعلیم کے بعد مظاہر علوم میں تقریباً ۲۰ سال تک افتاء اور تدریس کی خدمات انجام دیں پھر ۱۳۷۱ھ سے ۱۳۸۴ھ تک جامع العلوم کانپور میں مسند صدارت و افتاء پر فائز رہے۔ کانپور میں بحیثیت مفتی آپ کی بڑی شہرت ہوئی نیز اہل کانپور آپ کے زہد و تقویٰ اور علم و فضل سے بے حد متاثر ہوئے یہی وجہ ہے کہ آج بھی ان کی گرویدگی میں کوئی فرق نہیں آیا ہے اور آپ کے تعلقات کانپور والوں سے ویسے ہی قائم ہیں۔ ۱۳۸۵ھ میں دارالعلوم کی طلب پر شعبہ دارالافتاء کے صدر منتخب ہوئے اور تا ہنوز

اس منصب جلیل پر فائز ہیں۔ فتویٰ نویسی کے ساتھ صحیح بخاری جلد ثانی کا درس بھی حضرت خاتم المحدثین مولانا سید فخرالدین مرادآبادی کے ارشاد پر ان کی حیات ہی سے آپ سے متعلق رہا مگر گزشتہ سال سے آنکھوں میں تکلیف کی وجہ سے یہ سلسلہ منقطع ہوگیا۔ مفتی صاحب کی کوئی مستقل تصنیف فقہی موضوع پر نہیں ہے۔ البتہ ان کے لکھے ہوئے فتاویٰ عرصہ سے ماہنامہ "نظام" کان پور میں برابر شائع ہوتے رہتے ہیں۔ نیز آپ کے فتاویٰ کو محمود الفتاویٰ کے نام سے مرتب کرنے کا کام بھی شروع ہو چکا ہے اور تین جلدیں مکمل ہو چکی ہیں۔ انشاء اللہ جلد ہی ترتیب مکمل ہو جانے کے بعد شائع ہو جائے گا۔

حضرت مولانا سید محمد یوسف محدث بنوری رح

۱۳۲۶ —— ۱۳۹۷ھ

نافعۃ العصر، محدث کبیر علامہ سید محمد یوسف بنوری رح اس دور میں علم و فضل، تقویٰ و طہارت، زہد و قناعت اور توکل علی اللہ کے ایسا پیکر تھے جس کی نظیر ملنی مشکل ہے۔

محدث بنوری نے متوسطات تک کی تعلیم پشاور اور کابل کے مختلف اساتذہ سے حاصل کی ۱۳۴۵ء میں اعلیٰ تعلیم کے لئے دیوبند پہنچے اور یہاں دو سال رہ کر مختلف علوم و فنون کی تکمیل کی۔ اور ۱۳۴۷ھ میں جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں حضرت محدث کشمیری اور علامہ عثمانی وغیرہ سے دورہ حدیث پڑھ کر فارغ التحصیل ہوئے۔ فراغت تعلیم کے بعد حضرت محدث کشمیری کی صحبت میں رہ پڑے اور شب و روز کی مصاحبت میں کمالات انوری سے بھرپور استفادہ کیا۔ بعد میں جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں استاذ حدیث اور مجلس علمی کے رکن بنائے گئے اور ایک عرصہ تک دونوں خدمتوں کو انجام دیا۔ تقسیم کے بعد پاکستان ہی میں قیام اختیار کر لیا اور دارالعلوم ٹنڈوالہ یار میں شیخ التفسیر مقرر ہوئے لیکن چند ہی سال کے بعد وہاں سے الگ ہوکر کراچی چلے آئے اور غالباً ۱۳۷۳ھ میں جامعہ اسلامیہ نیوٹاؤن کی بنیاد رکھی۔ "جامعہ اسلامیہ" اہل پاکستان کو حضرت علامہ بنوری کا وہ عظیم عطیہ ہے جس پر وہ جتنا فخر کریں کم ہے۔ آج یہ ادارہ اپنی بعض اہم خصوصیات میں برصغیر کے اسلامی اداروں میں منفرد مقام رکھتا ہے۔ اس اہم علمی یادگار کے علاوہ علامہ بنوری نے شرح حدیث وغیرہ کے موضوع پر نہایت عظیم الشان تصنیفی خدمات انجام دی ہیں جن کی تحسین بلاد اسلامیہ کے علماء مشائخ نے بھی کی ہیں۔ ہمارے موضوع سے متعلق مولانا کی ایک

معرکۃ الآرا کتاب "بغیۃ الاریب فی احکام القبلۃ والمحاریب" ہے جو علمی حلقوں میں بے حد پسند کی گئی اور اپنے موضوع پر اہم ترین کتاب سمجھی گئی ہے۔

مولانا مفتی نظام الدین اعظمی ۱۳۲۸

حضرت مولانا مفتی نظام الدین صاحب نے وطن کے مکاتب میں پڑھنے کے بعد چند سال مدرسہ احیاء العلوم مبارک پور اعظم گڑھ میں پڑھا بعد ازاں مدرسہ جامع العلوم جین پور اعظم گڑھ، مدرسہ عزیزیہ بہار شریف اور مدرسہ عالیہ فتح پوری دہلی میں درجات ثانوی تک تعلیم حاصل کی آخر میں دارالعلوم دیوبند پہنچے اور ۱۳۵۲ھ میں حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنی رح وغیرہ سے دورہ حدیث کی تکمیل کی۔

تکمیل کے بعد تدریس کا سلسلہ شروع کیا اولاً مدرسہ جامع العلوم جین پور اور گورکھپور کے کسی ادارہ میں پڑھایا پھر مدرسہ دارالعلوم مئو ضلع اعظم گڑھ میں افتاء اور تدریس کے منصب پر مقرر ہوئے۔ ۱۳۸۵ھ میں دارالعلوم دیوبند میں افتاء کا منصب تفویض ہوا جس پر اب تک فائز ہیں فتویٰ نویسی میں آپ کو کامل مہارت حاصل ہے "نظام الفتاویٰ" کے نام سے آپ کے اہم فتاویٰ کا انتخاب ضخیم جلد میں شائع ہو چکا ہے اس کے علاوہ اکثر اہم اور مفصل فتوے ماہنامہ "دارالعلوم" میں بھی شائع ہوتے رہتے ہیں۔ (تاریخ دارالعلوم دیوبند جلد ۲ ص ۲۵۹)

مولانا شمس الحق فرید پوری ۱۳۲۸ — ۱۳۸۸ھ

مولانا شمس الحق فرید پور بنگلہ دیش کے رہنے والے تھے۔ پہلے مظاہر علوم سہارن پور میں تعلیم حاصل کی۔ پھر دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے اور ۱۳۴۹ھ میں فارغ التحصیل ہوئے۔

فراغت کے بعد مولانا نے علمی و اصلاحی خدمات کے لئے ڈھاکہ میں جامعہ قرآنیہ کے نام سے ایک درس گاہ قائم کی جو آج ڈھاکہ کے دینی مدارس میں نمایاں درجہ کی حامل ہے۔ مولانا بنگلہ زبان کے بڑے اچھے مصنف تھے انھوں نے بنگال کے مسلمانوں کو دینی تعلیم سے روشناس کرنے کے لئے بڑی اہم خدمات انجام دیں اور احکام شرعیہ سے انھیں واقف کرنے کے لئے بہشتی زیور کا بنگلہ زبان میں ترجمہ کیا جو وہاں نہایت مقبول ہوا۔

(تاریخ دارالعلوم دیوبند ج ۲ ص ۱۶۰)

مولانا سرفراز خاں صاحب صفدر ر ۱۹۱۴ء ق ۱۳۳۲ھ

حضرت مولانا سرفراز احمد صفدر مدظلہ اپنی علمی و تحقیقی تصانیف کے لحاظ سے اس وقت پاکستان کے علماء میں ممتاز مقام و مرتبہ کے مالک ہیں۔ مولانا صفدر صاحب نے ابتدائی تعلیم اپنے علاقہ میں حاصل کی۔ پھر سیالکوٹ اور ملتان کے علماء سے استفادہ کیا۔ آخر میں دارالعلوم دیوبند حاضر ہوئے اور حضرت شیخ الاسلام رح کے حلقۂ درس میں شامل ہو کر ۱۳۶۱ھ میں فارغ ہوئے۔

فراغت کے بعد گوجرانوالہ کی جامع مسجد میں خطیب مقرر ہوئے اور ساتھ ہی تدریس کا سلسلہ بھی شروع کر دیا۔ ۱۳۷۱ھ سے مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ میں شیخ الحدیث کی حیثیت سے حدیث و فقہ کا درس دے رہے ہیں۔ تدریس کے ساتھ تصنیف کی اعلیٰ صلاحیتوں کے بھی مالک ہیں۔ اب تک ایک درجن سے زائد کتابیں مختلف دینی موضوعات پر تالیف فرما چکے ہیں۔ آپ کی تمام تصانیف نہایت تحقیقی اور ٹھوس علمی مباحث پر مشتمل ہوتی ہیں۔ انداز تحریر بڑا دلکش اور واضح ہے۔ فقہ و حدیث سے متعلق آپ کی یہ تصانیف ہیں (۱) احسن الکلام فی قراۃ خلف الامام ۲ جلد (۲) عمدۃ الاثاث فی طلاق الثلاث (۳) تسکین الصدور فی احوال الموتیٰ والقبور (۴) مسئلہ قربانی (۵) درود شریف پڑھنے کا شرعی طریقہ (۶) حکم الذکر بالجہر۔

(ماہنامہ الرشید ساہیوال کا دارالعلوم نمبر ص ۷۱۶)

مولانا سید بادشاہ گل ۱۳۳۳ھ

مولانا سید بادشاہ گل نے ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد مولانا سید مہربان علی شاہ سے حاصل کی پھر پشاور کے متعدد علماء سے استفادہ کیا۔ ۱۳۵۶ھ میں دارالعلوم پہنچے اور حضرت شیخ الاسلام رح، حضرت علامہ اور اور مولانا سید میاں اصغر حسین وغیرہ سے دورۂ حدیث پڑھ کر فارغ ہوئے تکمیل کے بعد وطن آئے اور جامعہ اسلامیہ اکوڑہ کی بنیاد رکھی اور درس و تدریس کا سلسلہ شروع کر دیا۔ مولانا کے خلوص اور مسلسل جدوجہد کی بدولت آج یہ مدرسہ پاکستان کے بڑے مدرسوں میں شمار ہوتا ہے۔ تدریس کے ساتھ ساتھ تصنیف کا مشغلہ بھی جاری رہتا ہے اور اب تک متعدد کتابیں لکھ چکے ہیں جن میں چار موضوع سے متعلق یہ ہیں (۱) زیارۃ القبور (۲) کتاب الوسیلہ (۳) حفظ الحق من سنن المصطفیٰ۔ (ماہنامہ الرشید دارالعلوم نمبر ص ۷۱۶)

مولانا محمد طاہر مردانی ۱۳۳۵ھ

مولانا محمد طاہر صاحب نے ابتدائی تعلیم اپنے دیار کے علماء سے حاصل کی۔ تفسیر کی تحصیل مولانا حسین علی مفسر قرآن سے کی اور انہیں کے حکم سے مولانا نصیر الدین کیمبل پوری سے دورۂ حدیث پڑھا۔ یہاں سے فراغت کے بعد پھر مولانا حسین علی کے حلقہ درس میں شامل ہو گئے۔ کچھ دنوں ان سے استفادہ کرنے کے بعد دارالعلوم دیوبند آئے اور حضرت شیخ الاسلام رح اور دیگر اساتذہ سے دورۂ حدیث دوبارہ پڑھا۔

فراغت کے بعد حضرت شیخ الادب کی تجویز پر منبع العلوم گلاؤٹھی میں ایک سال تدریسی خدمت انجام دی پھر پاکستان چلے گئے اور ۱۳۵۵ھ سے دارالقرآن پنج پیر مردان میں شیخ الحدیث ہیں اور حدیث تفسیر اور فقہ کا درس دیتے ہیں ساتھ ہی ایک درجن سے زائد کتابیں اور رسالے تحریر کر چکے ہیں جن میں فقہ کے موضوع پر یہ ہیں۔ (۱) البصائر للمتوسلین بالمقابر (۲) الرسالۃ البیضاء فی مسئلۃ الدعاء (۳) المصافحۃ بعد العیدین (۴) النشاط فی حیلۃ الاسقاط۔ (دارالعلوم نمبر ص ۷۱۶)

مولانا مفتی عبدالحکیم سکھروی ۱۳۳۲ھ

مولانا مفتی عبدالحکیم سکھری سندھ کے ممتاز عالم دین اور فاضل دیوبند ہیں۔ افتاء و تدریس کے ساتھ ساتھ متعدد اصلاحی و دینی کتب و رسائل کے مصنف ہیں اس وقت مدرسہ اشرفیہ سکھر کے مفتی اور صدر مدرس ہیں۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رح سے آپ کو اجازت و خلافت کا شرف بھی حاصل ہے۔ فقہ کے موضوع پر آپ کی یہ کتابیں ہیں (۱) دین کی باتیں ۲ حصہ (۲) رمضان المبارک (۳) اعتکاف (۴) مکہ مدینہ (حج و زیارت کے احکام پر) (ماہنامہ البلاغ کراچی کا مفتی اعظم نمبر ص ۹۲۱)

مولانا مفتی سیاح الدین پشاوری ۱۳۳۴ھ

مولانا مفتی سیاح الدین صاحب نے درس نظامی کی تقریباً نصف تعلیم اپنے وطن پشاور کے اساتذہ سے حاصل کی ۱۳۵۲ھ کو دارالعلوم دیوبند پہنچے اور چار سال یہاں رہ کر ۱۳۵۶ھ میں حضرت شیخ الاسلام رح اور دیگر اساتذہ حدیث سے دورہ حدیث پڑھ کر فارغ التحصیل ہوئے۔ فراغت کے بعد سکردرہ ضلع کوہاٹ کے ایک مدرسہ میں ۴ سال مدرس رہے پھر یہاں سے

دار العلوم عزیزیہ سرگودھا آگئے جہاں ۱۹۴۶ء تک درجہ علیا کے مدرس مفتی اور رسالہ شمس الاسلام کے مدیر رہے۔ اسی دوران ایک بحران کی وجہ سے جب دار العلوم دیوبند میں اساتذہ کی سخت ضرورت پیش آگئی تو حضرت مہتمم صاحب کی طلب پر آپ دار العلوم آئے اور چھ ماہ یہاں تدریسی خدمت انجام دی اس وقت مدرسہ اشاعت العلوم لائل پور میں صدر مدرس و مفتی ہیں۔ ۱۹۷۷ء میں عبوری حکومت نے آپ کو اسلامی نظریاتی کونسل کا رکن نامزد کیا جس میں تاحال تدوین قانون اسلامی کی اہم خدمات انجام دے رہے ہیں۔ آپ کے فتویٰ فقہی ابواب پر مرتب ہو کر شائع ہو رہے ہیں۔
(مفتی اعظم نمبر ص ۹۳۱)

مولانا مفتی رشید احمد لدھیانوی ۱۳۴۱ھ

مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی پاکستان کے ممتاز عالم دین مفتی، حضرت مولانا شاہ عبد الغنی پھولپوری کے مجاز بیعت اور اشرف المدارس کراچی کے بانی و مہتمم ہیں۔ آپ کے دادا ماجد مولانا محمد سلیم صاحب کا وطن اصلی لدھیانہ تھا، اسی نسبت سے آپ کو بھی لدھیانوی کہا جاتا ہے پنجاب اور سندھ میں علوم و فنون کی تحصیل کر کے ۱۳۶۱ھ میں دورۂ حدیث پڑھنے کے لئے دار العلوم حاضر ہوئے اور حضرت شیخ الاسلامؒ، حضرت شیخ الادب اور حضرت علامہ وغیرہ سے کتب حدیث پڑھ کر ۱۳۶۲ھ میں فارغ ہوئے۔ فراغت کے بعد مدرسہ مدینۃ العلوم بھینڈو حیدرآباد سندھ میں علیا کے مدرس ہوئے۔ بعد میں ترقی کر کے شیخ الحدیث، صدر مدرس اور مفتی کے عہدوں پر فائز ہوئے۔ ۱۳۷۰ھ تا ۱۳۷۱ھ مدرسہ بھیڑ میں شیخ الحدیث اور مفتی رہے۔ پھر ۱۳۷۶ھ تا ۱۳۸۳ھ دار العلوم کراچی میں بخاری شریف سمیت دورۂ حدیث کی دوسری کتب پڑھانے کا شرف حاصل رہا۔ ۱۳۸۴ھ میں اپنے شیخ و مرشد حضرت مولانا شاہ عبد الغنی پھولپوریؒ کے مشورہ سے ناظم آباد کراچی میں اشرف المدارس کی بنیاد رکھی اور آج کل وہیں خدمات انجام دے رہے ہیں۔

اشرف المدارس کراچی میں بطور خاص فارغ التحصیل ذی استعداد طلبہ کو فتویٰ نویسی کی مشق کرائی جاتی ہے اور ملک و بیرون ملک سے آنے والے استفتاء کے جوابات روانہ کئے جاتے ہیں۔

مولانا لدھیانوی تدریس و فتویٰ کے علاوہ متعدد کتب و رسائل کے مؤلف بھی ہیں جن میں ہمارے عنوان سے متعلق یہ کتابیں ہیں۔ احسن الفتاویٰ۔

یہ آپ کے فتاویٰ کا مجموعہ ہے جو کئی ضخیم جلدوں میں ہے۔ تسہیل المیراث وغیرہ
(مفتی اعظم نمبر ص ۹۳۰)

مولانا عبد الشکور ترمذی ۱۳۴۱ھ

آپ حضرت مولانا مفتی عبد الکریم گمتھلوی کے صاحب زادہ، حضرت مولانا شاہ عبد الغنی پھولپوری کے مرید اور حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے مجاز خلیفہ ہیں۔ آپ کی ابتدائی تعلیم مدرسہ امداد العلوم تھانہ بھون میں ہوئی۔ عربی کی ابتداء مدرسہ علوم الشرعیہ مدینہ منورہ میں کی پھر درس نظامی کی تقریباً نصف کتابیں پٹیالہ، انبالہ اور کرنال کے مدارس میں پڑھیں بعد ازاں ۱۳۶۲ھ میں مظاہر علوم سہارن پور میں داخلہ لیا۔ لیکن آب و ہوا کی ناموافقت کی وجہ سے بیمار پڑ گئے اور مجبوراً عید اضحیٰ کی تعطیل میں مظاہر العلوم کو چھوڑ کر اپنے والد بزرگوار کے پاس قاسم العلوم بھاول نگر چلے گئے اور یہاں ایک سال زیر تعلیم رہ کر ۱۳۶۳ھ میں دار العلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور دو سال یہاں رہ کر تعلیم مکمل کی۔ حدیث کے اساتذہ میں حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنیؒ، حضرت شیخ الادبؒ، حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ وغیرہ ہیں۔ تین ماہ حضرت خاتم المحدثین مولانا سید فخر الدین مرادآبادی سے بھی پڑھنے کا شرف حاصل ہوا کیونکہ ان ایام میں حضرت شیخ الاسلام رخصت پر تھے۔

تعلیم سے فراغت کے بعد کچھ عرصہ راج پورہ ریاست پٹیالہ کے مدرسہ میں تدریسی خدمت انجام دی پھر مدرسہ حقانیہ شاہ آباد کرنال میں مدرس رہے اور تقسیم ملک کے بعد سے تاہنوز ساہیوال ضلع سرگودھا میں قیام ہے اور تعلیمی و اصلاحی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

تصنیفات۔ مولانا ترمذی نے تعلیم و تدریس کے ساتھ تصنیف و تالیف کے ذریعہ بھی نمایاں خدمات انجام دی ہیں اور اب تک تقریباً ۲۴ کتب و رسائل تالیف کر چکے ہیں جن میں علم فقہ سے متعلق یہ رسالے ہیں۔

(۱) فضائل و رسائل رمضان (۲) المسعی المشکور فی احکام العاشور (۳) خلاصۃ الارشاد فی مسئلۃ الاستمداد (۴) تحقیق الجمعہ فی القری (۵) تسہیل الارشاد (۶) فتاویٰ امداد السائل (۷) ارشاد العباد فی عید المیلاد (۸) فتویٰ کی حقیقت اور اس کی شرعی حیثیت۔ ان مستقل کتابوں کے علاوہ آپ کے علمی و تحقیقی مقالات پاکستان کے علمی و دینی مجلات میں اکثر شائع ہوتے رہتے ہیں۔ (مفتی اعظم نمبر ص ۱۰۳۵)

مولانا عبدالحق اعظمی ۱۳۵۱ھ

حضرت مولانا عبدالحق صاحب مشرقی یوپی کی مشہور درس گاہ دارالعلوم مئو اعظم گڑھ کے شیخ الحدیث، صدر مدرس اور مفتی ہیں۔

آپ اعظم گڑھ کے مشہور علمی قریہ جگدیش پور میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گاؤں کے مکتب مدرسہ امداد العلوم میں پائی۔ فارسی اور عربی کی ایک چوتھائی کتابیں مدرسہ بیت العلوم سرائے میر اعظم گڑھ میں حاصل کی پھر دارالعلوم مئو میں موقوف علیہ تک کی بقیہ کتابیں پڑھیں اور ۱۳۷۳ھ دورہ حدیث کی تحصیل کے لئے دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور حضرت شیخ الاسلامؒ، حضرت شیخ الادب، حضرت علامہ بلیاوی اور حضرت مولانا فخرالحسن صاحب وغیرہ سے حدیث کی کتابیں پڑھ کر فارغ التحصیل ہوئے۔

تحصیل و تکمیل کے بعد مدرسہ مطلع العلوم بنارس میں مدرس مقرر ہوئے اور ایک طویل عرصہ تک یہاں بحیثیت صدر مدرس اور مفتی کے تعلیمی خدمت انجام دیتے رہے۔ پھر یہاں سے جامعہ حسینیہ گریڈیہہ بہار میں مذکورہ عہدوں کی حیثیت سے چلے گئے لیکن ارباب مطلع العلوم کے مسلسل اصرار پر ایک سال جامعہ حسینیہ میں رہ کر پھر مطلع العلوم میں چلے آئے اور تقریباً دس سال سے دارالعلوم مئو میں حدیث اور افتاء کی خدمت انجام دے رہے ہیں۔

آپ کو دارالعلوم مئو اور مطلع العلوم بنارس میں تقریباً ۱۵ مرتبہ سے زائد بخاری شریف سمیت دیگر کتب حدیث کے پڑھانے کا شرف حاصل ہے۔ تدریس کے ساتھ آپ ابتداء ہی سے افتاء نویسی کا کام بھی کر رہے ہیں۔ آپ کے لکھے ہوئے فتاوی کی تعداد تقریباً ۵-۶ ہزار ہے جو بڑے سائز کے ایک ہزار صفحات سے زائد پر پھیلے ہوئے ہیں۔ آپ کے فتوی عموماً مفصل اور مدلل ہوتے ہیں۔ اس دیار میں آپ کے فتوی کو بڑی اہمیت کی نگاہ سے دیکھا ہے۔

مولانا مفتی سعید احمد گجراتی ۱۳۵۹ھ ق ۱۹۴۰ء

مولانا مفتی سعید احمد گجراتی دارالعلوم کے جدید اساتذہ میں اپنی علمی صلاحیت و استعداد کے لحاظ سے نمایاں مقام رکھتے ہیں اور تدریسی خدمات کے ساتھ تقریباً ایک درجن کتب و رسائل کے مصنف بھی ہیں۔

مولانا نے ابتدائی تعلیم اپنے وطن میں پھر چند ماہ چھاپی میں حاصل کی پھر ۴ سال پالن پور میں پڑھ کر مظاہر علوم سہارنپور میں داخلہ لیا۔ یہاں تین سال زیر تعلیم رہ کر دارالعلوم دیوبند پہنچے اور تین سال میں نصاب کی باقی ماندہ کتابیں پڑھ کر ۱۳۸۲ھ میں دورہ حدیث پڑھا دورۂ حدیث کے اساتذہ میں حضرت خاتم المحدثین مولانا سید فخرالدین صاحب، حضرت بلیاوی صاحب، حضرت علامہ بشیر احمد خاں صاحب اور حضرت مولانا فخرالحسن صاحب خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔

فراغت کے بعد دو سال دارالافتاء میں فتوی نویسی کی مشق کی پھر ۱۳۸۴ھ سے درس تدریس کا سلسلہ شروع کیا پہلے دارالعلوم اشرفیہ راندیر میں تقرر ہوا یہاں ۹ سال تک تعلیمی خدمت انجام دے کر ۱۳۹۳ھ میں دارالعلوم دیوبند میں مدرس مقرر ہوئے اور تاہنوز اسی مرکز علوم و فنون میں اپنے اساتذہ و اکابر کے زیر سایہ تعلیمی و تدریسی خدمات کے ساتھ تصنیف و تالیف میں مشغول ہیں اور اردو و عربی میں متعدد کتابیں لکھ چکے ہیں جن میں فقہ کے موضوع پر یہ کتابیں ہیں۔

(۱) حاشیہ فتاوی امدادیہ جلد اول و دوم (۲) حرمت مصاہرت (۳) کیا مقتدی پر سورہ فاتحہ پڑھنا واجب ہے (۴) داڑھی اور انبیاء کی سنتیں۔

بقیہ: صـ۱۶۳ دارالعلوم دیوبند اور اردو ادب

اور مقبول عام بنانے سے ہے۔ اردو کا وہ طبقہ جو اردو کی بقاء و تحفظ کے لئے سرگرم کار ہے۔ دارالعلوم دارالعلوم سے یہ شکایت نہیں کر سکتا کہ اس نے اردو کے بارے میں سرد مہری کا رویہ اپنایا۔

عالم اسلام کے اس عظیم ترین دانش کدہ نے اردو ادب کو جس طرح مالا مال کیا اس پر ابھی مفصل تو درکنار مختصر کام بھی نہیں ہو سکا کاش کہ کوئی اسی عنوان پر دارالعلوم کے عظیم کارناموں کو متعارف کرا سکے تو یہ مادر علمی کی ایک بہترین خدمت ہوگی۔

از محمد ظفر الدین، مرتب فتاویٰ دارالعلوم دیوبند

دارالعلوم دیوبند اور حکومت ہند

یہ ملک ایک عرصہ تک مسلمان حکمراں کے زیر سایہ ترقی کرتا رہا، لیکن انگریزوں نے ہمیشہ اس ملک کو للچائی ہوئی نظروں سے دیکھا اور پہلے پہل تجارت کے نام پر اس ملک میں داخل ہونے کی سعی کی، اور وہ اپنی تدبیروں سے اپنے مقصد میں کامیاب بھی ہوا۔ اس کی صورت یہ ہوئی کہ ۱۱ر جنوری ۱۶۱۳ء کو سلطان جہانگیر رحمہ (۱۶۲۷ء) نے ایک شاہی فرمان کے ذریعہ انگریزوں کو سورت احمد آباد وغیرہ میں تجارتی مرکز قائم کرنے کی اجازت دیدی۔

جہانگیر کے بعد شاہجہاں نے بھی ان کے ساتھ مروت اور رعایت کا ہی معاملہ اور تجارتی معاملات میں کافی سہولتیں مرحمت فرمادیں۔ جس سے ان کی آمد میں اور بھی اضافہ ہوا۔ اور تجارت کے نام پر وہ اس ملک میں پھیلتے چلے گئے، جب عالمگیر رح کا دور آیا تو انہوں نے ان کی جا بجا مراکز اور اقتدار کو بڑھتے ہوئے دیکھکر محسوس کیا کہ ان کا اس ملک میں رہنا مفید نہیں، سخت مضر ہے، چنانچہ انہوں نے اپنے دور حکومت میں ۱۶۸۵ء میں انگریزوں کو اس ملک سے نکال دیا۔ اور جب تک [illegible] صاحب آنے والے تھے ان سے ملک کو بچا لیا، لیکن قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا، عالمگیر کے بعد جب فرخ سیر کا زمانہ آیا۔ تو اس نے پھر انگریزوں کو تجارت کی اجازت دیدی جس کے لئے وہ برابر کوشاں تھے۔ اور ۱۷۱۷ء میں ان کی تجارت کو محصول ٹیکسوں اور چنگیوں سے مستثنیٰ قرار دیدیا، اور اسی کے ساتھ غضب یہ ڈھایا کہ کلکتہ کے آس پاس بہت سارے گاؤں بھی کاروبار کرنے کے لئے مفت دیدیئے، انگریزوں نے اس موقع سے خوب فائدہ اٹھایا۔ "فورٹ ولیم" کے نام ایک قلعہ تعمیر کرایا۔ اور اس طرح وہ ہندوستان کے مختلف علاقوں میں جم گئے، اور مضبوط ہوتے چلے گئے۔"

پہلے صوبہ مدراس پر قبضہ کیا۔ پھر بنگال میں اثر و رسوخ قائم کیا اور ۱۷۵۷ء میں موقع پاکر دفعتہً سراج الدولہ پر حملہ کردیا سراج الدولہ کے وزیر مملکت میر جعفر نے غداری کی، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انگریزوں نے پلاسی کا میدان جیت لیا۔ اور سراج الدولہ کو شہید کردیا۔

۱۷۶۹ء میں شاہ عالم ثانی نے جو در اصل انگریزوں کا پنشن خوار تھا۔ بنگال، بہار، اور اڑیسہ کی دیوانی چند شرائط کے ساتھ باضابطہ بمعاوضہ اکیس لاکھ روپے سالانہ ان کے حوالہ

کردی۔ اس کا انجام ظاہر تھا کہ وہ بڑی آسانی کے ساتھ اس ملک کے مالک بن بیٹھے۔ اور الہ آباد سے لیکر آسام کے کنارے تک ان کی حکمرانی قائم ہوگئی۔

جس جس طرح انگریزوں کو عروج حاصل ہو رہا تھا مسلمان کمزور اور ذلیل ہوتے چلے جارہے تھے دیگر دہلی میں مسلمان حکمرانوں کی تھوڑی بہت عزت باقی رہ گئی تھی مگر لارڈ ڈلیک کو یہ بات بھی پسند نہیں آئی۔ اور اس نے ۱۸۰۳ء میں دہلی پر حملہ کر دیا۔ اور مسلمانوں کی عزت خاک و خون میں ملادی۔ شاہ عالم ثانی کو گرفتار کر کے لکھوا لیا گیا۔

"شاہ عالم کی حکومت شہر، قلعہ، اور اطراف دہلی (قطب مینار) تک محدود رہے گی۔ بقیہ ملک کے تمام حصوں پر انگریزوں کا تسلط رہے گا۔ اور اب مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت بادشاہ سلامت کی جگہ کمپنی کے ذمہ ہوگی۔"

شاہ اکبر ثانی کے مسند آرائے حکومت ہونے کے بعد ان محدود شاہی اختیارات میں اور کمی آگئی اور بادشاہ کی حیثیت ایک نمائش سے زیادہ باقی نہیں رہی، اس کے بعد عوام کی زبان پہ جملہ چڑھ گیا تھا۔

"حکومت شاہ عالم، از دہلی تا پالم"

"ملک بادشاہ سلامت کا اور حاکم کمپنی بہادر کا"

یہی حالات تھے کہ ۱۸۵۷ء کا انقلاب شروع اور ہندوستانی باشندوں نے ایک آخری جدوجہد کی کہ انگریزوں سے یہ ملک پاک ہوجائے مگر قدرت کو منظور نہیں تھا۔ اہل ملک مغلوب ہوئے۔ اور انگریز غالب آئے۔ دہلی پر مکمل قبضہ ہوتے ہی انگریزی حکومت نے قتل عام کا حکم دیدیا۔ دہلی کے بازار اس کی سڑکیں، گلیاں اور شاہراہیں لاشوں سے پٹ گئیں، لاکھوں مسلمان تہ تیغ کر ڈالے گئے۔

علماء کی ایک جماعت نے ۱۸۵۷ء کی جنگ میں چونکہ انگریزوں کے خلاف فتویٰ دیا تھا۔ اور صف آرا ہو کر انگریزی فوج کا مقابلہ کیا تھا۔ اس لئے انگریزی حکومت نے علماء کی ایک بڑی تعداد کو پھانسی پر چڑھایا، گولیوں کا نشانہ بنایا۔ اور ایک جماعت کو جزیرہ انڈمان بھیجدیا۔ جہاں انہوں نے بےکسی کے عالم اپنی جان دی۔

یہی زمانہ تھا کہ شاملی کے میدان میں جن علماء نے حاجی امداد اللہ مہاجر مکی (م ۱۳۱۷ھ) کی قیادت میں انگریزی طاقت سے ٹکر لی تھی۔ اور حالات نے ان کی زبانوں پر مہر لگادی تھی۔ امن وامان کے بحال ہوتے ہوئے ہی سوچنا شروع کر دیا کہ اس ملک میں مسلمانوں کو اسلام و ایمان پر ثابت قدم رکھنے کے لئے کیا تدابیر اختیار کی جائے۔ اور کھوئی ہوئی طاقت وشوکت کو کس طرح پر واپس لایا جائے۔

حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ مرشد اور حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی (م ۱۲۹۷ھ) مرید اس سلسلہ میں سب سے زیادہ فکرمند تھے؛ ان حضرات نے غور و فکر کے بعد طے کیا کہ آزاد مدارس دینیہ کا سلسلہ قائم کیا جائے۔ یہ دراصل الہام تھا۔ جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان بزرگوں کے دلوں میں ڈالا گیا۔

حضرت نانوتویؒ کی تحریک سے اہل دیوبند کے ممتاز افراد حاجی محمد عابد صاحب (م ۱۳۳۱ھ) مولانا ذوالفقار علی (م ۱۳۲۲ھ) مولانا فضل الرحمن عثمانی (م ۱۳۲۵ھ) مولانا مہتاب علی اور دوسرے چند ذمہ داروں نے چندہ کیا۔ اور دیوبند میں مدرسہ اسلامی عربی کے نام سے ۱۵ محرم ۱۲۸۳ھ مطابق ۳۰ مئی ۱۸۶۶ء کو حضرت نانوتوی کے ایما سے اللہ کا نام لیکر ایک دینی تعلیم گاہ کی داغ بیل ڈالی، اولاً یہ مدرسہ مسجد چھتہ کے صحن میں جاری ہوا تھا مگر بہت جلد اس کی شہرت پورے ملک میں پہونچ گئی۔ اور چند سالوں کے بعد یہی مدرسہ اسلامی عربی دارالعلوم دیوبند کے نام سے لوگوں میں جانا پہچانا جانے لگا۔ دارالعلوم علم و عمل کا گہوارہ اور علمائے اسلام کا مرکز بن گیا۔ ہندوستان پاکستان، بنگلہ دیش اور برما کے گوشہ گوشہ سے علوم دینیہ کے طالبین آنے شروع ہوگئے۔ برصغیر کے علاوہ اس کی آواز دنیا کے دوسرے ممالک تک پہونچی، افغانستان، سمرقند، بخارا، چین ترکستان، افریقہ، نیوزی لینڈ یمن سعودی عرب، عراق، اور دوسرے دور دراز ملکوں سے علم حدیث وتفسیر اور فقہ کے پڑھنے والے جمع ہوگئے۔

اوپر لکھ چکا ہوں کہ اس مرکزی تعلیمی ادارہ کا قیام ان حضرات کے مشوروں اور دعاؤں سے عمل میں آیا تھا۔ جنہوں نے شاملی کے میدان میں انگریزی طاقت کا مقابلہ کیا تھا اس لئے یہ کیسے ممکن تھا کہ انگریزوں

اور انگریزی حکومت کی مخالفت اس ادارہ کی خمیر اور سرشت میں پیوست ہے۔ یہ مرکزی ادارہ جہاں علم و فن اور اسلامی علوم کا قلعہ تھا۔ وہیں یہ آزادئ ہند کی چھاؤنی بھی تھا۔ اشاعت کتاب و سنت کے ساتھ اس کا مرکزی اور بنیادی مقصد ملک کی آزادی بھی تھا۔ یہی وجہ ہے کہ دارالعلوم دیوبند کے موسس حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رح نے جو اصول ہشت گانہ دارالعلوم اور دوسرے مدارس اسلامیہ کے لئے مرتب فرمایا ہے۔ ان میں ایک اصل یہ بھی ہے کہ حکومت کی کوئی امداد قبول نہ کی جائے۔ بلکہ عام مسلمانوں کے چندے سے اس کو چلایا جائے۔ اور اس کا نتیجہ ہے کہ دارالعلوم اور اس کے منتظمین نے ایک سو اٹھارہ سال میں حکومت سے ایک پیسہ بھی لینا گوارہ نہیں کیا۔ اس کے اساتذہ کارکنان اور خدام بہت معمولی حق المحنت پر جو خدمات انجام دیتے ہیں۔

دارالعلوم کی بنیاد میں چونکہ اسلامی تعلیم کی اشاعت کے ساتھ آزادی ملک کا جذبہ بھی کارفرما تھا۔ اس لئے اس دینی تعلیم گاہ سے نکلنے والا ہر فاضل آزادی سے سرشار نظر آتا تھا۔ اور جب تک انگریزی حکومت رہی ٹکر لیتا رہا۔

دارالعلوم کے سب سے پہلے طالب علم شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی قدس سرہٗ تھے۔ آپ جب مسند صدارت تدریس پر فائز ہوئے تو جہاں آپ کی درسگاہ سے محدث، مفسر، فقیہ، متکلم، مبلغ اور مناظر اسلام پیدا ہوئے۔ وہاں، قائدین آزادی، مجاہدین ملک و ملت بھی پیدا ہوئے۔ خود شیخ الہند رح نے ملک کی آزادی کی خاطر ریشمی رومال کی تحریک شروع کی اور اس جرم میں مالٹا کی اسارت حصہ میں آئی۔ اور ساڑھے تین سال یا چار سال آپ نے وطن سے دور مالٹا میں قید و بند کی زندگی گذاری، آپ نے اپنی زندگی میں مجاہد جلیل مولانا عبیداللہ سندھی اور قائد ملت مولانا منصور انصاری کو کابل بھیجا جہاں ان حضرات نے بیٹھکر انگریزی حکومت کے خلاف محاذ تیار کیا۔ آپ کے تلمیذ خاص شیخ الاسلام مولانا مدنی رح مالٹا میں آپ کے ساتھ تھے اور اسی کے بعد پوری زندگی جہاں خدمت حدیث میں لگائی۔ وہیں آزادئ وطن میں بھی جانیں کھپاتے رہے اور قید کی زندگی گذارتے رہے اور کبھی اور کسی لمحہ اس سے بے فکر نہ رہے۔

حضرت مولانا مناظر احسن گیلانی فرماتے تھے کہ شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ جب بخاری شریف میں کتاب الجہاد پر پہونچتے تھے تو آپ پر عجیب کیفیت طاری دیکھی جاتی تھی۔ آنکھیں سرخ ہو جاتیں چہرہ تمتما جاتا اور غضب آلود لہجہ میں فرماتے جاتے، آگے بڑھو مسلمانوں کے یہاں یہ حصہ یوں ہی بخاری میں شامل ہو گیا ہے اس حصہ کا ان کے یہاں کوئی منشا ہی معلوم نہیں ہوتا۔ بار بار فرماتے غور تو کرو۔ کتاب الجہاد کے ابواب پر گہری نظر رکھ کر سوچو کس اہتمام سے حدیث نبوی میں جہاد کے مختلف پہلوؤں پر بحث کی گئی ہے اور اس کے تمام رموز پر روشنی ڈالی گئی ہے یہ واقعہ ہے کہ قومیں جہاد سے ہی زندگی پاتی ہیں ان کو دنیا کی منصب و مقام بھی اسی کی بدولت حاصل ہوتا ہے۔ جس قوم میں جہاد کی اسپرٹ ختم ہو جاتی ہے وہ ذلیل و خوار ہوتی ہے۔ دنیا کی دوسری قوموں کی نگاہ میں وہ گر جاتی ہے، اور عزت کا کوئی مقام دینے کے لئے کوئی آمادہ نہیں ہوتا ہے۔

شیخ الہند رح یہ بھی فرماتے تھے کہ حضرت الاستاد نانوتوی رح نے دارالعلوم اس لئے بھی قائم کیا تھا کہ ملک کو آزادی کی دولت حاصل ہو۔ چنانچہ شیخ الہند رح کے تلامذہ کی زندگی کا جائزہ لیجئے تو اندازہ ہوگا کہ ان میں سے ایک انگریزی حکومت کا سخت دشمن تھا۔ اور اس نے آزادی کی خاطر اپنی جان جوکھوں میں ڈالی، شیخ الاسلام مولانا مدنی رح مفتی اعظم مولانا کفایت اللہ رح شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی رح مجاہد جلیل مولانا عبیداللہ سندھی رح مجاہد عظیم مولانا محمد میاں منصور انصاری رح حضرت مولانا عبدالوہاب بہاری رح، حضرت مولانا صادق کراچوی رح مولانا عبدالرزاق پشاوری رح مولانا فضل ربی رح مولانا فخرالدین احمد مرادآبادی رح ان میں کون ہے جو آزادئ ملک کی خاطر میدان میں نہ آیا ہو، اور اس نے جدوجہد نہ کی ہو، اور اس سلسلہ میں اذیت برداشت نہ کی ہو، بعد کے علماء بھی برابر حکومت سے لڑتے رہے اور جیل جاتے رہے یا اور جب تک ملک آزاد ہو گیا۔ انھیں چین نہیں آیا۔

یہی وجہ ہے کہ انگریزی حکومت جب تک رہی دارالعلوم دیوبند

پر اس کی نگاہ غضبناک رہی، اور اسکو اپنے مخالفین کا مرکز سمجھتی
رہی، اور یہ واقعہ ہے کہ آزادی سے جو مسرت علماء دیوبند کو ہوئی
کسی کو نہیں ہوئی۔

گو یہ بھی حقیقت ہے کہ جب ملک آزاد ہوا تو تقسیم کی وجہ سے
یہاں آگ و خون کی بارش ہوئی۔ اور لاکھوں انسان اس آگ میں
جل بھن گئے۔ ملک کی کروڑوں کی دولت برباد ہوگئی، امن و
امان نام کی کوئی چیز کچھ دنوں باقی نہیں رہی انسان جامۂ
انسانیت سے باہر آگئے تھے۔

دارالعلوم دیوبند، اس کے ذمہ داروں اور فضلائے اگست
۱۹۴۷ء کی جلتی اور دہکتی ہوئی فضاء میں بھی ملک و ملت کے لئے
جان پر کھیل کر بڑی اہم خدمات انجام دیں، جب اس ملک
کے گوشہ گوشہ میں آگ و خون کی بارش موسلا دھار ہو رہی
تھی تو شیخ الاسلام حضرت مدنی قدس سرہٗ اور مجاہد ملت
مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ مولانا محمد میاں دیوبندیؒ مولانا
نورالدین بہاریؒ اور آپ کے دوسرے معتقدین سر سے کفن
باندھکر پورے ملک کا دورہ کر رہے تھے۔ ایک طرف مسلمانوں کو
صبر و ثابت قدمی کی تلقین فرماتے تھے اور دوسری طرف اس وقت
کے حکمرانوں کو ان کے فرائض کی طرف پوری قوت کے ساتھ متوجہ
کر رہے تھے۔ اور پاگل متعصب انسانوں کو انسانیت کی تعلیم دے
رہے تھے۔ اگر دارالعلوم اور اس کے علماء ۱۹۴۷ء کے بعد میدان
میں نہیں آتے اور اپنی جانوں سے بے پرواہ ہو کر ملک کی اور حکومت
کی خدمت نہ کئے ہوتے تو ملک کا بڑا حصہ مسلمانوں سے خالی
ہوچکا ہوتا اور امن و امان جلد بحال ہونا مشکل ہو جاتا۔

۱۹۴۷ء کے بعد شیخ الاسلامؒ یہ دیکھا گیا کہ عجیب کیفیت
طاری ہے، کہنا چاہیئے کہ ان حالات نے ہی آپ کی صحت کو مضمحل
کیا۔ افسردہ خاطر رہا کرتے تھے۔ اور اسی کے ساتھ مسلمانوں کو
جوش و ہمت کی تلقین فرماتے تھے۔ حکومت کے آدمیوں میں پیدا
ہوگئی تھی، کل جو لوگ جیل کے ساتھی تھے وہ حکمرانی کر رہے تھے۔
مگر انہوں نے اپنا وعدہ فراموش کر چکے تھے۔ اور شاید فراموش کرنے
پر مجبور تھے۔

اسی زمانہ میں دارالعلوم کی تلافی بھی کی گئی اور حکومت نے یہ
جرأت کی جس کا سب سے زیادہ رنج شیخ الاسلام اور مجاہد ملت
مولانا حفظ الرحمٰن اور دوسرے ذمہ داروں کو ہوا، جس مقدس ادارہ
پر انگریزی حکومت نے کبھی ہاتھ ڈالنے کی ہمت نہیں کی تھی، اپنی
حکومت نے اس کی توہین کی،

اگست ۱۹۴۷ء کے بعد جب ہندوستان آزاد ہوا، تو یہ بھی سوال
اٹھایا گیا کہ اب دارالعلوم کو حکومت کی امداد قبول کرنا چاہیئے۔
مگر دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ نے بڑی پامردی کے ساتھ اس
وقت بھی بانی کی وصیت پر عمل کیا اور حکومت کی امداد قبول کرنے سے
سختی کے ساتھ احتراز کیا، بلکہ یہ بھی برداشت نہیں کیا کہ دارالعلوم
کی ڈگری حکومت سے تسلیم کرائی جائے، اسے بھی دارالعلوم کے
منشاء کے خلاف سمجھا گیا۔

ملک کی آزادی کے بعد جب فضا ذرا پُرسکون ہوئی، تو صدر
جمہوریہ ہند آنجہانی ڈاکٹر راجندر پرشاد وزیر تعلیم حضرت مولانا
ابوالکلام آزاد مرحوم اور دوسرے بہت سے حکومت سے متعلق افراد
و اشخاص دارالعلوم میں تشریف لائے اور اس کے مہمان ہوئے۔
ڈاکٹر راجندر پرشاد کی خواہش ہوئی کہ ان کی آمد کی یادگار
کے لئے دارالعلوم حکومت کے پیسے سے ایک لائبریری ہی بنالے
لیکن دارالعلوم نے اسکو بھی پسند نہیں کیا اور خوش اسلوبی سے اسے
ٹال گیا۔

حکومت وقت کی ہر امداد و اعانت اور عزت و اعزاز سے
بے نیاز و بے تعلق رہنے کا ایک اور واقعہ بھی قابل ذکر ہے۔ جب
آزادی کے بعد حکومت ہند نے سنہ ۵۴ء میں ملک کے سرکردہ لوگوں دانشوروں
اہل علم و کمال کو قومی اعزازات دینے کا سالانہ سلسلہ شروع کیا تو
پہلے سال کی فہرست میں حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین
احمد مدنیؒ کو "پدم بھوشن" کا اعزاز عطاء کیا گیا ہرچند کہ یہ
اعزاز اس حکومت کی طرف سے تھا جس کے قیام کی جد و جہد
میں خود حضرت کی گرانقدر نمایاں شامل تھیں۔ مگر حضرت
رحمہ نے اسے بلا تامل واپس کرنے کا اعلان کر دیا اور اس طرح اپنے
اسلاف کی عظیم روایات کو برقرار رکھا۔

دارالعلوم حکومت کی اخلاقی امداد کی حد تک مجبور ہے مالی
امداد کے لئے قطعاً راضی نہیں ہے اور نہ ہونا چاہیئے۔ لیکن یہ

بھی حقیقت ہے کہ آزادی کے بعد دارالعلوم کو اپنی حکومت سے کوئی بغض و عناد نہیں، بلکہ اس کی خواہش و تمنا ہے کہ حکومت صحیح طور پر اپنے فرائض و اختیارات استعمال کرے اور ادا کرے، جہاں غیر مسلموں کے لئے حکومت اور حکمرانوں کے دل میں جگہ ہے، مسلمانوں کے لئے بھی ان کے دلوں میں جگہ ہو۔ ان کی دینی تعلیم اور ان کا احترام ہو، مذہبی آزادی میں کوئی خلل پڑنے نہ پائے، جان و مال اور عزت و آبرو کی ضمانت ہو۔

ایمرجنسی کے دور میں جب جبری نس بندی کا زور بڑھا اور خصوصی طور پر مسلمانوں کو نشانہ بنایا گیا تو اسے دارالعلوم نے پسند نہیں کیا، افسران سے شکایت کی، حکومت کو متوجہ کیا کہ غلط پالیسی روکی جائے۔ بہت سے افسران نے چاہا کہ دارالعلوم دیوبند نس بندی کی موافقت میں فتویٰ دیدے لیکن دارالعلوم نے کبھی ایسا نہیں کیا۔ اور اس معاملہ میں کبھی ایک لمحے کے لئے حکومت کی پرواہ نہیں کی، دارالافتاء سے ناجائز ہونے کے فتوے برابر دیتے جاتے رہے۔

مسلم پرسنل لا کا مسئلہ آیا اور کچھ مذہب بیزار مسلمانوں نے اس میں دخل اندازی کا حکومت کو مشورہ دیا، تو اس نازک وقت میں بھی دارالعلوم حکومت کے سامنے آیا اور حکومت کو دین ناجائز اقدام سے روکنے کی قانونی سعی کی، وزیر اعظم ہند مسز اندرا گاندھی نے اس زمانہ میں حضرت مہتمم صاحب کو بلایا اور آپ نے جا کر مسئلہ کی صحیح نوعیت سمجھائی۔

پھر دارالعلوم کی تحریک پر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کا قیام عمل میں آیا، اور اس کے لئے دارالعلوم نے حکومت کو مسلمانوں کے صحیح جذبات سے آگاہ کیا۔ اور مسلمانوں کی ترجمانی کا حق ادا کیا۔

سیاسی معاملات سے چونکہ دارالعلوم کو براہ راست کوئی دلچسپی نہیں ہے اور نہ ہونی چاہئے۔ کہ یہ ایک تعلیمی ادارہ ہے، یہاں سکون و اطمینان کی فضا درکار ہے، یہ فریضہ جمعیۃ علماء ہند اور اس کے ذمہ دار ادا کرتے ہیں، جو دارالعلوم ہی کے فرزندان اور فضلاء ہیں اور جن کو دارالعلوم سے دلی محبت اور شفقت ہے آزادی کے بعد جتنے ذمہ داران حکومت یہاں تشریف لائے

اور اپنے تاثرات کا اظہار فرمایا۔ چند ملاحظہ فرمائیے۔

ڈاکٹر راجندر پرشاد صاحب بحیثیت صدر جمہوریہ ہند جولائی سنہ ۱۹۵۷ء کو تشریف لائے تو آپ نے فرمایا۔

"دارالعلوم نے صرف اس ملک کے بسنے والوں ہی کی خدمت نہیں کی، بلکہ اس نے اپنی خدمات اتنی شہرت حاصل کرلی ہے کہ غیر ممالک کے طلبہ بھی یہاں آتے ہیں اور یہاں سے تعلیم پاکر جو کچھ انہوں نے یہاں سیکھا ہے، اپنے ممالک میں اس کی اشاعت کرتے ہیں، یہ بات اس ملک کے سب ہی باشندوں کے لئے قابل فخر ہے

دارالعلوم دیوبند کے بزرگ علم کو علم کے لئے پڑھتے اور پڑھاتے ہیں ایسے لوگ پہلے بھی ہوتے ہیں مگر کم، ان لوگوں کی عزت بادشاہوں سے بھی زیادہ ہوتی تھی۔ آج دارالعلوم کے بزرگ اسی طرز پر چل رہے ہیں۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ صرف دارالعلوم یا مسلمانوں کی ہی خدمت نہیں بلکہ پورے ملک اور دنیا کی خدمت ہے۔ آج دنیا میں مادیت کے فروغ سے بے چینی پھیلی ہوئی ہے اور دلوں کا اطمینان اور چین مفقود ہے اس کا صحیح علاج روحانیت ہے، میں دیکھتا ہوں کہ سکون و اطمینان کا وہ سامان یہاں بزرگ دنیا کے لئے مہیا فرما رہے ہیں، اگر خدا کو اس دنیا کو رکھنا منظور ہے تو دنیا کو بالآخر اسی لائن پر آنا ہے۔ میں دارالعلوم میں آکر بہت مسرور ہوا۔ اور یہاں سے کچھ لیکر جا رہا ہوں"

تاریخ دارالعلوم صفحہ ۳۸ ج ۲

۸ر جنوری سنہ ۱۹۴۹ء کو حضرت مولانا ابوالکلام آزاد بحیثیت وزیر تعلیم ہند تشریف لائے۔ آپ نے اپنے معائنہ میں تحریر فرمایا۔

"اسلامی تعلیمات کے اس ادارے میں نہ صرف ہندوستان کے مختلف حصوں سے طلباء کھچے چلے آتے ہیں۔ بلکہ انڈونیشیا، ملیشیا، افغانستان، وسط ایشیا اور چین جیسے دور دراز ممالک سے بھی یہاں طلباء آتے ہیں۔ اس قدر وسیع رقبے میں دارالعلوم کی ہر دلعزیزی اس کی عظمت کا ثبوت ہے یہ ادارہ صحیح معنی میں اسلامی تعلیمات کی ایک بین الاقوامی یونیورسٹی ہے"

تاریخ دارالعلوم صفحہ ۳۸ ج ۲

پروفیسر ہمایوں کبیر وزیر سائنسی تحقیقات و ثقافتی امور حکومت ہند جب تشریف لائے تو انہوں نے فرمایا۔

"مجھے یہ دیکھکر بڑی حیرت ہوئی آج جبکہ دنیا بھر کی یونیورسٹیاں سالانہ کروڑوں روپے خرچ کرتی ہیں۔ یہ دار العلوم بہت ہی کم خرچ میں اس قدر بڑی اور قابل قدر خدمات انجام دے رہا ہے یہ واقعہ ہے کہ اگر اس کے بانیوں اور کارکنوں میں خدا ترسی اور خدمت خلق کا جذبہ نہ ہوتا تو وہ اس پر ہر سال کروڑوں روپے خرچ کرتے، مگر ان کے ایثار اور خلوص کا یہ عالم ہے کہ انہوں نے کبھی حکومت سے امداد کے لئے ایک پیسہ نہیں مانگا اور صرف خدا کے بھروسے اور غریب مسلمانوں کی امداد پر اسے چلاتے رہے ہیں۔ اگر ایسے دار العلوم کو کوئی مشنری سوسائٹی چلاتی تو اس کا سالانہ بجٹ کسی ریاستی سے کم نہ ہوتا۔ مگر دنیا سنکر حیرت کریگی کہ دار العلوم ایک سو سال کم سے کم مصارف کے ساتھ اعلیٰ سے اعلیٰ خدمات انجام دے رہا ہے۔ وہ علماء جو کسی سرکاری یونیورسٹی میں پروفیسر بنکر ہزاروں روپے شاہرہ پاتے وہ اس میں اقل قلیل تنخواہ لیکر کام کرتے ہیں۔ اور بوریہ نشینی کے ساتھ وہ کام انجام دیتے ہیں جو ائر کنڈیشنڈ کمروں اور کرسیوں پر بھی نہیں دیا جا سکتا۔ یہ دار العلوم دوسری یونیورسٹیوں کے لئے ایک مثالی یونیورسٹی ہے اس کی سادگی اور اس کے ارباب کار کا خلوص و ایثار اور مقصد کی لگن دوسروں کے لئے نمونہ بن سکتا ہے۔

جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ علمی اور مذہبی ادارہ فرقہ پرستی کا قائل یا حامی ہے، وہ چمکتے ہوئے سورج کی کرنوں کا انکار کرتے ہیں، نہ صرف یہ ادارہ بلکہ اس کے فضلاء اور مدرسین فرقہ پرستی کے ہمیشہ مخالف رہے ہیں۔ اس ادارے نے تو سارے ملک میں حریت وطن کی شمع روشن کی۔ اور قوم کو آزادی کے لئے بیدار کیا۔ اگر اس کے اکابر اس وقت آزادی کا نعرہ نہ لگاتے جبکہ کانگریس کا وجود تک نہ تھا تو آج ہندوستان کی تاریخ یہ نہ ہوتی۔ جو آج نظر آرہی ہے یہ ادارہ آزادی کا معلم اور استقلال وطن کا شمع بردار رہا ہے، آزادی کا جو تخم اس نے بویا تھا آج ہم اس کا پھل کھا رہے ہیں"

تاریخ دار العلوم ص ۳۸۹ / ج ۲

بیسیوں حکومت کے ذمہ داروں نے دار العلوم کو قریب آکر دیکھا اور بے ساختہ داد و تحسین کے کلمات بلند کرنے پر مجبور ہوئے، کالج اور یونیورسٹیوں کے ذریعہ زیادہ مالداروں نے علم حاصل کیا ہے۔ مگر دار العلوم اور دوسرے مدارس نے ان غرباء اور مفلسوں کے بچوں کی تعلیم و تربیت کا فریضہ ادا کیا ہے جو تعلیم حاصل کرنے کے درجہ میں نہیں تھے۔ ملک کے ہزاروں غریب بچے دار العلوم جیسے تعلیمی اداروں میں مفت تعلیم حاصل کرتے ہیں ان کی تمام تر کفالت دار العلوم قبول کرتا ہے۔ یہ بھی دراصل حکومت اور ملک کی مدد کرنے کے ہم معنی ہے اور حکومت کو ان مدارس کا شکر گذار ہونا چاہئیے۔ کہ جو کام اس کے ذریعہ نہیں ہو رہا تھا۔ دار العلوم اس فریضہ سے حکومت کو سبکدوش کر رہا ہے۔

آنجہانی اجیت پرشاد جین وزیر حکومت ہند نے یہاں آکر اعتراف کیا تھا۔

"دار العلوم کی تاریخ بڑی شاندار ہے آجکل تعلیم کے لئے جن چیزوں اور عظیم سرمایہ کی ضرورت ہوتی ہے آپ نے اس کو چھوڑ کر بڑی سادگی اختیار کی ہے اور اس ادارے میں غریب آدمیوں کا زیادہ لحاظ رکھا جاتا ہے، آپ نے دار العلوم میں سادگی کا جو نمونہ پیش کیا ہے۔ میں سمجھتا ہوں اصل سوشل ازم یہی ہے، لوگ سوشل ازم کا نام تو لیتے ہیں، مگر اس کے تقاضوں پر عمل پیرا نہیں ہیں۔ مگر آپ نے اس پر عمل کرکے دکھایا ہے۔ اور ایک بڑی اچھی مثال پیش کی ہے۔ آپ نے دار العلوم کے ذریعہ ملک کی عزت بڑھائی ہے اور اس طرح آپ نے ہندوستان کی جو شاندار خدمت انجام دی ہے، میں اس پر آپ کو مبارکباد پیش کرتا ہوں"

تاریخ دار العلوم ص ۳۹۸ / ج ۲

بہر حال دار العلوم دیوبند حکومت کے لئے تعلیمی اور اخلاقی مواد فراہم کرتا ہے۔ وہ پورے ملک کے لئے باعث صد افتخار ہے۔ اللہ تعالے اس ادارے کو تا قیامت قائم رکھے۔ (آمین)

دار العلوم کی خصوصیات و امتیازات

انظر شاہ الکشمیری۔ استاذ حدیث و ناظم تعلیمات دار العلوم دیوبند

ایک نا آشنائے کوچہ نثر بلکہ نابلد از شاہراہ انشاء و تحریر سے مطالبہ ہے ہندوستان کے موقر اخبار "الجمعیۃ" کے مدیر شہیر کا کہ اجلاس صد سالہ "دار العلوم دیوبند" کی خصوصی اشاعت میں مذکورۃ بالا عنوان پر خاکسار کی بھی ہیچ پوچ تحریر شریک اشاعت ہو، خدا جانے یہ کرم و عنایت کا کوئی بے محابانہ مظاہرہ ہے یا ایک ظلوم و جہول کی رسوائی کا غیر ارادی اقدام اور مطالبہ بھی کیسے حال میں؟ راقم الحروف کا وقت مصروف بلکہ فرصت کے لمحات اس علاقہ سکون سے اتنے دور کہ ان کی تلاش بھی بے سود ہے اس لئے منتشر خیالات کو یکجا کر کے کوئی دیدہ زیب و جاذب نظر مرقع نہ سہی دھندلی اور ناقص تصویر ہی پیش کرنے کی کوشش کرتا ہوں تکمیل اسی تدبیر و تاثر ربانی کے فضل و رحمت پر موقوف ہے جس نے چودہ سال پہلے "ما تشاؤن الا ان یشاء اللہ" کا حقیقت طراز کلمۂ عالم آشکارا کیا تھا کسی قدیم عربی شاعر نے کہا تھا اور بالکل صحیح کہ خدا کے تعالیٰ کے لئے یہ کچھ مشکل نہیں کہ کسی شخص واحد میں ایک عالم کی گوناگوں خصوصیات جمع کر دے کیا کبھی ہوتی یہ بات کسی جیتے جاگتے انسان ہی کے لئے ہے؟ یا قدرت کی یہ فیاضیاں کسی کوہ پیکر ادارہ کے لئے بھی مائل بہ کرم ہیں میں سمجھتا ہوں کہ حضرت حق جل مجدہ کی

ان بیکراں رحمتوں کو اشخاص و انسانوں کے ساتھ خاص کرنے کی کوئی معقول وجہ نہیں بلکہ ادارے بھی اس سرمدی نعمت سے سرفراز ہو سکتے ہیں اگر ناقص کی یہ ناقص رائے قبول ہو تو پھر اس حقیقت کے اظہار میں کوئی تامل نہیں کہ ایک سو سترہ سالہ دارالعلوم ہندوستان کی وسیع سرزمین پر خصوصیات و امتیازات کا وہ حسین گلدستہ ہے جس کی شمیم انگیزیاں عالم اسلام کو معطر کئے ہوئے ہے۔ بلاشبہ دارالعلوم نے نہ کبھی اپنی خدمات کا شہرہ پسند کیا نہ اس کے جلیل کارناموں کو منضبط کرنے کے لئے حیات آفریں قلم متوجہ ہوئے مگر کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ اس خلاء کے ہوتے دارالعلوم اپنے حدود اربعہ میں عظیم کارناموں سے تہی دست اور جلیل خدمات سے محروم کوئی ادارہ ہے؟ خیر اندیش حلقہ کو جانے دیجئے معاند طبقہ بھی اس ہرزہ سرائی کی ہمت نہیں کرے گا۔ تاریخ کے طویل و عریض و نا تر انسانی قلم کی نمی جیرٹری کا وشیں پتہ دیتی ہیں کہ قلم کی جادو نگاری اور بیان کی قدرت نے کبھی ہمالیہ کو پر کاہ دکھایا ہے اور کبھی تنکوں کو پہاڑوں کا روپ دیا ہے بہتے ہوئے دریاؤں کو رکا ہوا پانی بنایا اور پانی کے مکدر ذخیرے کو رواں دواں دریا ثابت کیا مگر قلم کی اس عنایت یا ظلم سے ذرا ہٹ کر دیکھئے تو پھر کھوکھلا مضبوط حقائق اپنی واقعی شکل میں نظر آئیں گی۔

الحاصل دارالعلوم کو ان نگارشات میں مت ڈھونڈئے جو سحر البیان قلموں کا کرشمہ یا تنگ حوصلہ مورخ کا بھیانک ظلم ہے اس بے مثال و تاریخی کردار کے حامل ادارے کو ان وسیع اثرات میں دیکھئے جو سو سال کے طویل عرصے میں دارالعلوم نے ثبت کئے ہیں آسمان کے نیلگوں افق میں آفتاب ایک معمولی طشتری کی شکل میں نظر آتا ہے لیکن اسی گول مول نظر آنے والی ٹکیا نے کائنات کے ایک ایک ذرہ کو جس فیاضی کے ساتھ منور کیا اس کی عظمتیں تابناک شعاؤں میں

تلاش کرنا صحیح ہو گا اس تمہید کے بعد قلم اب اصل مقصد کی جانب متوجہ ہے۔

جاننے والے جانتے ہیں کہ "اکبری الحاد" کی سرکوبی کے لئے ہندوستان میں حضرت مجدد الف ثانی علیہ رحمۃ الرحمٰن نے سب سے پہلے پُر عزیمت اقدام فرمایا اس مجاہدانہ کارنامہ کا طول و عرض کس قدر ہے؟ وہ تاریخ کا ایک محفوظ سرمایہ بن کر رہ گیا ہے حضرت مجدد کے آتشین نفوس نے بدعت و محدثات کے خس و خاشاک کو بھسم کر دینے والی آگ لگائی قیام سنت کا ہنگامہ مومنانہ برپا کیا لیکن اس سب کچھ کے باوجود بدعت کی بیخ کنی کے لئے بحیثیت امام دارالعلوم نے جو لازوال منصب حاصل کیا وہ قدرت نے کسی دوسرے کو عنایت نہیں کیا پس دارالعلوم کی پہلی اور اولین خصوصیت یہ ہے کہ وہ فاراں کی پہاڑی سے طلوع کرنے والے اس آفتاب نبوت کی شعاعوں کو کائنات میں پھیلانا چاہتا ہے جس کی نمود پر کفر و شرک کی تاریکیاں اور بدعت و محدثات کی اندھیریاں سمٹنے پر مجبور ہو گئیں تھیں اگر ناگوار خاطر نہ ہو تو آج ہندوستان اور ہند سے باہر بریلویت کے انبار کو خاکستر کرنے کے لئے ایک کامیاب حریف کی حیثیت سے صرف دارالعلوم ہی کا نام متعارف اور روشناس ہے اور

این سعادت بزور بازو نیست

محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کے فلسفۂ توحید کو پھیلانے اور وسیع کرنے کے لئے صرف مشرکین مکہ کی طاغوتی طاقت پر حملہ نہیں کیا تھا بلکہ آپ یہود و نصرانیت کے قلعوں پر بھی کامیاب حملے فرما رہے تھے سبحان اللہ دارالعلوم کو اپنے ابتدائی عہد میں اس پاکیزہ سنت کے قیام کی بھی سعادت ارزانی ہوئی۔ چنانچہ اس مقدس کارواں کے قافلہ سالار حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رح نے یورپ سے درآمد عیسائیت پر دو تابڑ توڑ حملے کئے کہ عیسائی

متنبیوں کو پھر گوشۂ عافیت یورپ کی تثلیث
لینے زمین ہی میں مل سکا فداہ روحی خاتم النبیین
صلی اللہ علیہ وسلم نے دم بنایا مسیلمہ کذاب کا باطل و مستانہ
نعرۂ نبوت کو اپنے مقدس کانوں سے سنا لیکن حیات
مستعار کے آخری مرحلے میں ہونے کی بناء پر اس ابطال
کا قلع قمع بنفس نفیس نہ فرماسکے خدام ازل نے
رفیق ثانی اثنین فی الغار، ابوبکر صدیق رضی اللہ
تعالیٰ عنہ کے لئے محفوظ فرمائی اور عہد صدیقی میں مسیلمہ
اس جہنم کی جانب لوٹا دیا گیا جو شقاوت سے لبریز انسانوں
کا محفوظ ٹھکانہ ہے۔ دارالعلوم دیوبند کو بھی ہندوستان
کی زمین پر ایک باطل نبوت کے تار و پود بکھیرنے کی
سعادت حاصل ہے۔ چنانچہ غلام احمد قادیانی علیہ
ما علیہ نے ختم نبوت کے تقدس کو اپنی ازلی شقاوت
سے پامال کیا تو دارالعلوم کے دور ثالث کے امام
حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیری نے اپنے جذبۂ
ایمانی تجربۂ علمی اور مردانہ جرأت سے کام لے کر
اس فتنۂ رنگمیا کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا اس موضوع
پر آپ کی مشہور تالیفات کے علاوہ آپ کے
تلامذہ کی گراں قیمت تصنیفات کتب خانۂ مسلم
کے گوہر [illegible] ہیں۔ آپ نے بھاولپور کے مشہور
مقدمہ میں قادیانیت کے کفر پر وہ محکم دلائل قائم
فرمائے کہ اب اس طاغیہ فرقے کا کفر کوئی دقیق
حقیقت نہیں بلکہ سامنے کی ایک چیز ہے علامہ
کشمیری کے سانحۂ وفات پر چالیس سال کے بعد
عالم اسلام کا یہ فیصلہ کہ قادیانی فرقہ کھلے بندوں کافر ہے
مرحوم کی اسی صدا کی بازگشت حق ہے جو بھاولپور
کی تاریخی عدالت میں ایمانی ولولوں کے ساتھ بلند کی
گئی تھی مرحوم دارالعلوم کے ساختہ و پرداختہ تھے
اس لئے اس شاد کارنامے کو اسی مکتبۂ فکر کی جانب
منسوب کرنے میں کوئی تذبذب محسوس نہ کرنا چاہئے
خلیفۂ ثانی شجاعت و استقامت میں لاثانی حضرت
عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک عقل پرست کے سر پر
فاسد عقل کو راہ راست پر لانے کے لئے کوڑے
لگائے تھے ٹھیک اسی طرح چودھویں صدی کے نصف
حصہ گزرنے پر جب سید ابوالاعلیٰ مودودی کے
کاسۂ فکر مغالطہ آمیز تحریک اور گمراہ کن قیادت
کے نتیجے میں اسلام کے آہنی حصار پر سفاکانہ حملہ
ہوا تو اس وقت اسلام کی جانب سے دفاع کے
لئے دارالعلوم دیوبند کے دور رابع کے پیشوائے اعظم
حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی علیہ الرحمہ کا علم و زہد
تقدس و تقویٰ، جوش و ولولہ سامنے آیا۔ غلام احمد
قادیانی کی تحریک ختم نبوت پر براہ راست حملہ کی حیثیت
رکھتی لیکن تحریک جماعت اسلامی کا امتزاج خارجیت
مذموم تجدد و ناروا حریت فکر کا ایک ملغوبہ ہے جس
کی مثال اسلام کی چودہ سو سالہ تاریخ میں نہیں ملتی
حضرت مولانا مدنی رح کی حیات طیبہ کا ایک ایک
لمحہ دارالعلوم دیوبند کی امانت تھا۔ اس لئے جماعت
اسلامی کے تعاقب میں مرحوم کی مجاہدانہ مساعی کو
اسی ادارے کا فیض قرار دیا جائے گا اور یہ تو دارالعلوم
دیوبند کی چند خدمات کا مختصر تذکرہ ہے ورنہ حضرت
نانوتوی رح کے عہد میں آریہ سماجیوں کے اٹھائے
طوفان کی مزاحمت شدھی سنگٹھن کا پامردی سے
مقابلہ علامہ مشرقی کے فکری مغالطوں پر قدغن، پرویز
اور برق جیلانی کے انکار حدیث کے ہنگامہ کا
استیصال اور ہندوستان کے وسیع رقبہ میں بریلوی
فرقے کی قیامت سامانیوں کا علاج کامیاب بلکہ بدعات
کے جھگڑوں میں قندیل سنت کو بدستور روشن
رکھنا فضلائے دارالعلوم کا کارنامہ اور اس عہد آفریں
ادارے کی خصوصیت ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے میمون عہد سے
لے کر خلافت راشدہ کے خاتمہ اور پھر اموی دور حکومت
عباسی خلافت ترکوں سلجوقیوں، تیموریوں کے ادوار میں

امت مرحومہ کے امتیازی اشخاص کو اسلامی ممالک کی حفاظت اور ان کی حریت کے لئے کن جاں گسل مراحل سے گزرنا پڑا؟ تاریخ کا ہر طالب ان تفصیلات سے واقف ہے، "چشم بارور" دارالعلوم دیوبند اپنے روز اول سے جن اساسی مقاصد کو سینے سے لگائے ہوئے ہے ان میں ہندوستان کی آزادی عالم اسلام کی یورپین تسلط سے واگزاری کا منصوبہ ارادہ کے درجے میں نہیں بلکہ حدود عمل میں داخل پُر حوصلہ اقدام ہے یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ بانی دارالعلوم اور اس مقدس قافلہ کے ثانی اثنین حضرت گنگوہی علیہ الرحمہ نے اپنے رفقاء کی معیت میں زیر سیادت سید الطائفہ حضرت اقدس مولانا حاجی امداد اللہ علیہ الرحمہ شاملی کی رزمگاہ میں برطانوی طاقت سے ایک تاریخی ٹکرلی بلاشبہ نتیجہ مطابق مقصد نہ نکلا لیکن ع مقابلہ تو دل ناتواں نے خوب کیا۔

اور حریت پسندی کی یہ دہکتی ہوئی آگ جو ان اکابر نے روشن کی تھی پس ماندگان کے سینہ کی انگیٹھی ایک بھڑکتا شعلہ بن گیا حضرت شیخ الہند مرحوم کی ریشمی رومال کی تحریک اور اس تحریک کے سیکڑوں و ہزاروں اعضاء و اراکین نہ صرف قید و بند کی صعوبتیں اٹھاتے رہے بلکہ دوسرے ممالک میں پہونچکر انہوں نے ہندوستان کی آزادی کا صور پھونکا ہندوستانی سیاست کے مدوجزر کی قلم بند تاریخ میں سبھاش چندر بوس کے اس عمل کو کتنی نمایاں جگہ ملی کہ اس آنجہانی نے ہندوستان سے باہر جلا وطن گورنمنٹ قائم کی لیکن مورخ کا قلم شیخ الہند رح کی تحریک کے اس زریں باب کو کوئی نمایاں حیثیت نہیں دے سکا کہ مرحوم کے ایک رفیق مولانا عبید اللہ سندھی نے کابل میں سب سے پہلی آزاد ہندوستانی حکومت کی طرح ڈالی اور اس حکومت کا

خمیر ایسے فراخ دلانہ حوصلوں سے تیار کیا گیا کہ بھارت کے ایک ہندو فرد راجہ مہندر پرتاپ اس کے پہلے آئینی سربراہ تھے پھر ۴۷ء ۱۹ کی صبح تک جنگ آزادی کے طویل سفر میں کوئی منزل ایسی نظر نہیں آئے گی جہاں فضلائے دارالعلوم کے بیتاب حوصلے آتشی جذبات جلیل کارنامے اور مجاہدانہ عزائم قدم قدم پر موجود نہ ہوں۔

جمعیۃ علماء ہند کیا ہے؟

دارالعلوم دیوبند فکر و عمل کی ایک حسین تصویر دل فریب بنانے میں فضلائے دارالعلوم کی صنعت گری کو دخل ہے غلام ہندوستان میں جمعیۃ العلماء کے کارناموں سے کون ناواقف ہے اور آزاد ہندوستان کے ادھر ۳۳ سالہ دور میں اجڑتی ہوئی ملت اور تباہ حال انسانیت کے لئے اس برخوردار ادارے نے جو خدمات انجام دیں یا دے رہا ہے اسے دارالعلوم ہی کا رشحۂ کرم قرار دیا جائے گا۔

اسلام اور تبلیغ میں اگر دامن وچولی کا ساتھ ہے اور چودہ سو سال کے عرصے میں اسلام کے برق رفتار قافلہ کی معیت میں تبلیغ ہمیشہ شریک سفر رہی تو موجودہ ہندوستان میں متعارف تبلیغی جماعت سے پہلے بھی دارالعلوم تبلیغ کا بھرپور کام انجام دیتا رہا مشہور تبلیغی جماعت کے سربراہ اول مولانا محمد الیاس کاندھلوی رح دارالعلوم سے فیض یافتہ ہیں اور حالیہ قیادت کے دوسرے رکن مولانا محمد عمر صاحب پالن پوری اسی دارالعلوم کے نام آور فارغ التحصیل ہیں ترقی کر کے یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ اس جماعت میں صف اول کے سیکڑوں افراد دارالعلوم کے فضلا ہیں اس لئے شرق و غرب شمال و جنوب میں تبلیغ کا موجودہ سیل رواں دارالعلوم کے سمندر سے اٹھنے والے بادلوں کا کرشمہ ہے۔

عالم اسلام بشمول ہند و پاکستان میں ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں مدارس و مکاتب اور علمی ادارے ہیں اس لمبے چوڑے سلسلے میں کوہ پیکر عمارتیں بھی ہیں اور قدیم ایسے تاریخی مدرسے بھی جہاں مستفیدین کا ہجوم ہے ان میں کسی کا امتیاز تحقیق علمی کا فیضان ہے کسی کی خصوصیت تبلیغ کی بے قرار آرزو ہے کہیں جدید علوم کی اشاعت کا شور اور کسی کا وصف خصوصی قدیم و جدید کے درمیان سرگشت لیکن اسے تسلیم کرنا ہوگا کہ دار العلوم منفرد خصوصیات کا مرجع اور ہمہ جہتی امتیازات کا وہ پیکر حسین ہے جس کی نظیر محال نہیں تو مشکل ضرور ہے۔

اسلام کی پوری تاریخ میں تعلیم بلاشبہ آزاد رہی لیکن کج کلاہ شہنشاہوں کے گراں بار عطیات نے فی الجملہ اسے زیر بار رکھا تھا [illegible] الاسلام حضرت مولانا قاسم علیہ الرحمہ وہ [illegible] زبردست [illegible] انسان ہیں جنہوں نے تعلیم کو پسندیدہ و ناپسندیدہ ہر تسلط سے آزاد رکھنے کے لئے کائنات علم کو نہ گل ہونے والی روشنی [illegible] کی۔ آزاد ہندوستان میں بھی جب چھوٹے اور بڑے بہت سے ادارے حکومتی تعاون کے نتیجے میں اپنی آزادی کھو چکے تو دار العلوم اس تنگ و تاریک ماحول میں وہ اپنا وہ قندیل رہبانی روشن کئے ہوئے ہے جسے چلنے والے جھکڑ اور اٹھنے والے طوفان مدھم نہ کر سکے۔

ہر قربانی سے بالاتر ادارہ علم کی خدمت جس قدر پرکشش اور مفید انجام دے سکتا ہے اس کی قدر وہی کچھ جان سکیں گے جنہوں نے ریاستی و حکومتی امدادی تعاون کی جکڑ بندیوں میں اپنا ضمیر بکتے دیکھے کے لئے بے تکلف دے دیا۔ اعلاء کلمۃ الحق، قیام سنت، بدعات و محدثات کا تعاقب، اسلامی تعلیمات کی اشاعت، گمراہ فرقوں کا استیصال، تبلیغ کے لئے جذبات کی پرورش، سیاسی شعور کی بالیدگی کے دوش بدوش یہ بھی دار العلوم کا امتیاز ہے کہ آزاد تعلیم کا داعی اور اس تخیل حریت کا مؤسس اول ہے ہند و پاکستان اور بنگلہ دیش میں قریہ قریہ ایسے مدارس بھی موجود ہیں جو طلباء دین کو ایک ہاتھ سے دیتے ہیں اور یہ آذوقہ دوسرے ہاتھ سے لیتے ہیں لیکن دار العلوم کی اس خصوصیت کو بھولنا نہیں چاہئے کہ اس نے تعلیم کو کبھی قید و بند کی ناگوار زنجیروں سے جکڑا نہیں بلکہ طالب علم کے لئے طالب علمانہ زندگی میں جائز اور مناسب ضرورتوں کا پورا تکفل کیا ہے۔

دینی تعلیمات کو قبول عام دینے کے لئے دین سے غفلت کے تنگ و تاریک ماحول میں یہ طریقہ کار کتنا بار آور اور کیا مثمر ہے۔ اس پر کچھ کہنے سننے کی ضرورت نہیں ہندوستان میں موجود بہت سے اداروں اور تعلیم گاہوں کے نصب العین پر کسی تبصرے کے بغیر دار العلوم کی ایک اور خصوصیت کا جائزہ لینا ضروری ہے وہ یہ کہ کچھ ایسے مدارس بھی ہیں جن کو مدرسہ قرار دینے کے بجائے اگر خانقاہ کہئے تو صحیح ہوگا اور وہ بھی تعلیم گاہیں ہیں جن کی تعلیم کی سمت کے پیش نظر انہیں [illegible] گاہ ہی کہنا ضروری ہے لیکن دار العلوم ایک ایسی بے رنگ خانقاہ نہیں ہے جس کے مستفیدین ہو حق کے نعروں میں مصروف لیکن ہنگامہ عالم سے یکسر ناآشنا ہوں یہاں روشن ضمیری کے ساتھ روشن دماغی بھی ہے قلب بیدار کی رفاقت میں کارگاہ عالم کے لئے فعال و متحرک انسان بھی، دار العلوم کے فضلاء اگر تدریس و تعلیم کے ماہر ہیں تو ملک کی سیاست میں پڑی ہوئی گرہوں کو کھولنے سے ان کے ناخن تدبیر عاجز نہیں وہ نہاں خانہ باطن کی نزہت کے ساتھ عالمی سیاست کو سمجھنے اور برتنے کا سلیقہ بھی رکھتے ہیں۔ انہیں تقریر کا ملکہ راسخہ بھی ہے اور تحریر کا قرینہ بھی، وہ صحافت و انشاء کے ہتھیاروں سے بھی مسلح ہیں اور زمام کار کو سنبھالنے کی صلاحیتوں سے بھی بہرہ مند

غرضیکہ دارالعلوم نے ایسے پرزے نہیں ڈھالے جو کسی ایک مشین میں کارآمد ہوں اس کی تیار کردہ کھیپ صبا رفتار زمانے کی ہر ضرورت میں کارکردگی کا جاندار مظاہرہ کرسکتی ہے، ہند، پاکستان، بنگلہ دیش افغانستان اور یورپین ممالک میں موجود ہزاروں فضلاء کا مثالی کردار اس دعوے کی ناقابل تردید شہادت ہے بلکہ فضلاء دارالعلوم نے مشہور قانون ساز اداروں میں جس چابک دستی و سرگرمی سے حصہ لیا وہ ان کی خصوصی صلاحیتوں کا نادر نمونہ ہے چند سطور کے اس متن کو تشریح کے لب و لہجہ میں بہت دور تک پھیلایا جاسکتا ہے دارالعلوم کی ایک اور خصوصیت جس کا ذکر نہ کرنا ظلم ہے قناعت گزینی کی وہ دولت ہے جس کی مثالیں موجودہ وقت میں کمیاب بلکہ نایاب ہیں یہاں کے فضلاء قلیل مشاہروں پر علم کی دل آویز خدمت شاندار ماضی میں ہی نہیں تاریک حال میں بھی انجام دے رہے ہیں راقم السطور جگ بیتی نہیں آپ بیتی کے طور پر بنیت تحدیث النعمت لکھ سکتا ہے کہ اس نے ایک بار پاکستان میں ایسے تدریسی مواقع کو بھی نظر انداز کیا جس میں بھاری بھرکم مشاہرہ کے ساتھ ایک پرتکلف رہائشی مکان بھی بطور گنج بادآورد مل رہا تھا خود ہندوستان میں ایک عظیم ادارے کے شعبہ دینیات میں اس اسامی کو بھی قابل التفات نہیں گردانا جس میں انٹرویو کی کڑی شرط سے بھی اس بے بضاعت کو مستثنیٰ کردیا گیا تھا۔ یہ تو اس کا حال ہے جس کی زندگی کا ایک ایک گوشہ دنیا طلبی کی اندھیری سے گھٹا ٹوپ ہے پھر ان واقعی قناعت پیشہ فضلاء کا کیا عالم ہوگا جو سلف صالحین کے جادۂ مستقیم سے سرمو انحراف کا بھی تصور نہیں کرپاتے ؎ نیا آئی کن زگلستان من بہار میرا

ارباب حقیقت کی اس موہبت کبریٰ کا ذکر بھی کیا چھوڑئیے کہ آج بھی دارالعلوم کا مستفید اپنے ماحول پر چھا جانے کی صلاحیت سے محروم نہیں وہ جہاں پہنچا ہے برق رفتاری کے ساتھ اس کا گرد و پیش زیر نگیں ہوتا ہے دارالعلوم نے اپنے ان فضلاء کو دیکھا ہے جو جدید تعلیم کے چمپئن انسانوں میں بیٹھ کر اپنی نابغیت کا لوہا منوا چکے ہیں تصنیف و تالیف کی جولان گاہ میں فضلاء دارالعلوم کے کارنامے کسی سخن سازی کے محتاج نہیں حدیث و قرآن فقہ و کلام نظم و نثر، صحافت و انشاء تبلیغ و تزکیہ سلوک و تصوف، خطابت و مواعظ، تاریخ و جغرافیہ، تمدن و عمران، تحقیق و تاریخ، سیاسی اور بین الاقوامی، ان سب عنوانات پر منتسبین دارالعلوم کے شاہکار موجود ہیں ان کے حلقہ انتساب میں حکیم الامت مولانا تھانوی بھی شریک ہیں جن کے قلم نے اس امت کو ایک ہزار تصانیف کا بے بہا خزانہ عطا کیا ہے۔

فضلاء دارالعلوم کا ایک خصوصی مزاج محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی ترویج و اشاعت ہے۔ وہ اس راہ میں کسی مصالحت کے روادار نہیں یہ فضلاء زمانہ با تو نسازد تو با زمانہ ستیز پر ہمیشہ عامل رہے بارہا دیکھنے میں آیا ہے کہ معاشی شدید الجھنوں میں مبتلا ہونے کے باوجود تیار رزق کو وہ بدعت سے صلح نہ کرنے کے عزم میں نظر انداز کر بیٹھے۔

مولانا شاہد فاخری مرحوم نے ایک بار مولانا سلطان الحق صاحب ناظم کتبخانہ سے بجا کہا تھا کہ تمہارے تیار کردہ پرزے ہندوستان کے گوشے گوشے میں فاتحہ حرام، قیام حرام، میلاد حرام، وغیرہ کے نعرے اس شور سے بلند کرتے ہیں کہ بریلویت کا اکثری عدد ان کے سامنے مغلوب و مقہور ہے ہندوستان میں ایسے مدارس کی کمی نہیں جہاں کے منتسبین مدارس ان کی نسبت کو اپنے سینے سے لگائے ہوئے ہوں لیکن تنگ و ترش ماحول میں

اپنی نسبت علمی کے تقاضوں کو بدستور قائم رکھنا صرف دارالعلوم کے فاضل کی جواں مردی ہے۔

دارالعلوم نے تعلیمی حدود و خطوط میں جس جدت طرازی کا مظاہرہ کیا اس کی داستان تو بہت لمبی ہے لیکن اس کی یہ خصوصیت تمام خصوصیتوں پر بھاری ہے کہ اس ادارے سے فیضیاب اشخاص نے ہندوستان میں حنفیت کی ترجیح کو ایسا مذہبی مسئلہ بنا دیا کہ اب ابوحنیفہ النعمان کوفی کے فقہ کی گہرائی و گیرائی راز سربستہ نہیں بلکہ پھولوں کی مہک سے زیادہ شمیم انگیز ہے۔

یہ حقیقت تو اپنی جگہ مسلمہ ہے کہ ہندوستان کی آب و ہوا میں حنفی فقہ میں غلبہ و استیلا کی پوری صلاحیت رکھتا تاہم اس قانونی غذا کو خوشگوار تر بنانے کا دارالعلوم کا کارنامہ ہے۔ تقلید اور عدم تقلید کی آویزشوں نے دارالعلوم کو ایک ہمیشہ کا کام دیا اور وہ حقیقت کے راہ وار کو تیز تر کرنے میں کامیاب ہو گئے۔

بلاشبہ حنفیت کی ترجیح کا کام حضرت نانوتوی قدس سرہ کے عہد مبارک سے شروع ہو گیا تھا لیکن اس مہم کے بلند قامت خاتم حضرت مولانا محمد انور شاہ الکشمیری ہیں جنہوں نے حلقہ درس ہی میں نہیں بلکہ تالیفات کے اسفار میں بھی حنفی فقہ کی برتری اور اس کی واقعی فوقیت نمایاں تر کر دی دارالعلوم کی اثر آفرینیاں کہ اب ہندوستان و پاکستان بلکہ جہاں کہیں کوئی فاضل دارالعلوم ہے حنفیت کے استحکام کے پھریرے اڑا رہا ہے۔ رہا مفتی محمد شفیع صاحب کا وہ بیان کہ حضرت شاہ صاحب مرحوم خاتمہ عمر پر اپنی پچاس سالہ کوششوں کو لاحاصل سمجھتے تو درحقیقت یہ تاثر لادینیت کے سیل رواں کے مقابلہ میں ایک مومن کے قلب کی کربناک آہ سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی اس سے یہ سمجھنا کہ علامہ کشمیری حنفیت کی ترجیح کے خیال کو خیال خام قرار دے چکے تھے بداہۃً غلط ہے۔

اور یہ بھی ملحوظ رہے کہ دارالعلوم نے حنفیت میں غلو کے باوجود دوسرے فقہا کے واقعی احترام میں نہ کوئی کوتاہی برتی اور نہ کوتاہی برتنے کو روا رکھا خود امام کشمیری کے تحریری دستاویز میں امام شافعی نور و کتاب ابو داؤد ظاہری تک کو بھی اذکیاء امت میں شمار کیا گیا ہے سیدنا الحاج امداد اللہ قدس سرہ نے ہر چہار طریقہ تصوف میں ہنگامہ کو چاروں سلسلوں میں بیعت لینے کے طریقے قائم کر کے ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا اور اس آخری خاتم المحدثین نے حلقہ درس میں چاروں فقہا کی یکساں عظمت کا بگل بجا کر فقہی مباحث میں ناگوار مباحث کا ہمیشہ کے لئے دروازہ بند کر دیا۔ اور چونکہ الحاج کی و علامہ کشمیری دونوں ہی دارالعلوم کے دو شاہسوار ہیں اس لئے یہ کارنامہ دارالعلوم کی تاریخ کا زریں عنوان ہے۔

ابتدائی سطور میں جس قلت، فرصت کا واقعی عذر پیش کیا گیا تھا اس کے ہوتے ہوئے یہ عجالہ دارالعلوم کی معنوی و ظاہری برکات کا ایسا مشاہدہ ہے جس کے طویل سلسلے کو دیکھنے کے لئے مخصوص بصیرت و بصارت کی ضرورت ہے اور رہا دارالعلوم کی خصوصیات و امتیازات کا جیتا جاگتا مرقع تو اس جاں گسل ذمہ داری سے یہ کہہ کر جان بچانے کے سوا کوئی چارہ کار نہیں کہ ع

سفینہ چاہیئے اس بحر بے کراں کے لئے

●●

دارالعلوم کے کتب خانہ کی سیر

(مولانا سلطان الحق صاحب قاسمی ناظم کتبخانہ دارالعلوم دیوبند)

دارالعلوم دیوبند جس کو ہندوستان میں مسلمانوں کی زندگی کا سب سے عظیم الشان کارنامہ قرار دیا گیا ہے۔ دہلی میں مسلمانوں کی حکومت کے سقوط کے ۹ سال بعد وجود میں آیا تھا۔ یہ ادارہ سرزمین ہندوستان میں دین وملت کے بقاء وتحفظ کے لئے برگزیدہ بندگانِ خدا کی سب سے کامیاب سعی ہے اور اس وقت ہند وپاک میں دین کے جتنے چرچے اور احیاء سنت کی جتنی بہاریں ہیں وہ سب اسی شجر طوبیٰ کی لائی ہوئی ہیں۔

دورِ اول سے دارالعلوم دین صحیح کی اشاعت دین میں شامل کی جانے والی غلط باتوں کی تردید اور دین پر کئے جانے والے حملوں کی کامیاب جواب دہی میں مصروف ہے لیکن ان تمام خدمات میں دارالعلوم کا سب سے بڑا امتیاز علم ہے، یہاں کی دعوت وتبلیغ، یہاں کے مجاہدات، یہاں کی تربیت، یہاں کی سیاست اور باطل کی تردید کے تمام کام علم کی سرزمین پر انجام دیئے جاتے ہیں۔

غالباً یہی وجہ ہے کہ دین کی اس ہمہ گیر تحریک کے کاموں کا آغاز تعلیم وتدریس سے کیا گیا ہے۔ پھر یہ کہ تعلیم وتدریس میں اساتذہ اور طلبہ کو کتابوں کی جتنی ضرورت ہوتی ہے وہ محتاجِ بیان نہیں، نیز یہ کہ دارالعلوم عوامی چندے کی بنیاد پر چلنے والے آزاد مدارس عربیہ میں وہ پہلا مدرسہ ہے جس میں طلبہ کو ہر طرح کی سہولتیں دی جاتی ہیں اور ان کے لئے تعلیم کا مفت انتظام کیا جاتا ہے، اس لئے جس وقت سے دارالعلوم قائم ہوا ہے اسی وقت سے یہاں کے کتبخانہ کو بھی قائم سمجھنا چاہیئے۔

عملاً بھی ایسا ہی ہوا کہ ذمہ دارانِ دارالعلوم نے ابتدا ہی سے کتابوں کی فراہمی کا کام شروع کر دیا تھا لیکن چوں کہ کام کا بالکل آغاز تھا اور انتہائی بے سروسامانی کی حالت میں ایک بہت بڑے کام کی طرح ڈالی گئی تھی۔ اس لئے ابتداءً مقامی اور قرب وجوار کے علماء سے کتابیں مستعار دینے کی فرمائش کی گئی کچھ لوگوں نے کتابیں عاریتہً مرحمت فرما دیں۔ اور کچھ بزرگوں نے مستقل طور پر کتابیں عنایت فرما دیں، آہستہ آہستہ کتابیں جمع ہونا شروع ہو گئیں۔ پھر اکابر دارالعلوم نے درسی وغیر درسی کتابوں کی فراہمی کے لئے اپیل کی اور پورے ہندوستان نے ان کی آواز پر لبیک کہا، کتابوں کی آمد کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ کتنی ہی کتابیں جمع ہو گئیں اور کتنے ہی لوگوں نے کتابوں کی خریداری کی مد میں رقمیں عنایت کیں۔

ابتداءً یہ کتابیں احاطہ نودرہ کے کمروں میں رکھی جانے لگیں پھر تاسیس دارالعلوم کے تقریباً چالیس سال بعد ۱۳۲۵ھ میں موجودہ عمارت کی تعمیر شروع ہوئی۔ دو کمرے تعمیر کیے گئے۔ اور ان میں کتابوں کو منتقل کر دیا گیا۔ پھر آہستہ آہستہ اس میں حسب ضرورت اضافہ ہوتا رہا۔ اور اب عمارت تقریباً بارہ بڑے بڑے کمروں پر مشتمل ہے اور ایک لاکھ سے زاید کتابیں اس کی زینت ہیں، کتابوں کے روز افزوں اضافہ نے مجبور کر دیا ہے کہ اس عمارت میں مزید توسیع کی جائے۔ اس کے ساتھ ہی یہ حقیقت بھی پیش نظر رہنی چاہیئے کہ کتابوں کی فراہمی کے اس عظیم کام میں دارالعلوم کی خرید کردہ کتابوں کی تعداد عشر عشیر بھی نہیں ہے۔ بلکہ ان کا اکثر وبیشتر حصہ وہ ہے جو خدا وند قدوس کے

علم دوست حضرات کے قلوب کو دارالعلوم کی جانب متوجہ کرنے کے
نتیجہ میں جمع ہوتا رہتا ہے۔ گویا دارالعلوم علم کا وہ مرکز ہے یا علم
کے نظامِ شمسی کا وہ مرکزی آفتاب ہے جہاں دیدہ ور اساتذہ
اور باذوق طلبہ ہی نہیں کھنچے بلکہ وہ کتابیں بھی خود بخود اس مرکز
نقل کی جانب کھنچتی چلی آتی ہیں جنہیں بظاہر اس کا شعور نہیں
ہے۔

کتب خانہ کا مقصد تمام علم دوست حضرات کو سہولت
بہم پہنچانا ہے، چنانچہ دارالعلوم کے اساتذہ اور طلبہ کی علمی
تشنگی بجھانے میں سب سے زیادہ کارآمد یہی ایک خاموش
شعبہ ہے جس کی ہر کتاب بے زبان مقرر بے ضرر ہمنشیں،
حال میں رہتے ہوئے ماضی بعید تک سے ہر طرح ربط قائم
کرنے کا مضبوط رشتہ اور عالمِ آخرت میں منتقل ہو جانے
والی روحوں سے نہایت آسانی سے استفادے کا کامیاب ذریعہ ہے
اور یہاں کے اساتذہ اور طلبہ روزانہ ہی اس چشمۂ فیاض سے
سیراب ہوتے ہیں۔

طلبۂ عزیز کو اُن کی مطلوب تمام درسی کتابیں عاریۃً فراہم
کی جاتی ہیں۔ درسی شروح یا مطالعہ کی دیگر کتابوں کے لئے اُن
کو دارالمطالعہ میں آنے کی مکمل آزادی ہے۔ طلبہ کی رعایت
سے کتب خانہ تعلیم کے علاوہ دیگر اوقات میں کھلا رہتا ہے۔

اساتذہ کرام کو تمام کتابوں سے استفادے کی مکمل
آزادی ہے وہ جتنی کتابیں چاہیں لے سکتے ہیں۔ البتہ ان کے
متعلقات درس اُن کو پورے سال کیلئے دی جاتی ہیں اور
غیر درسی کتابوں کو موقت طور پر دیا جاتا ہے۔ اس طرح جن
کتابوں کے کتب خانہ میں متعدد نسخے ہیں وہ کتابیں بلا قید
ان کو دی جاتی رہتی ہیں اور جن کتابوں کا صرف ایک ہی نسخہ ہے
وہ کتابیں صرف کتب خانہ کے اندر بیٹھ کر ہی مطالعہ کیلئے دی
جاتی ہیں۔ ایسی کتابیں احاطہ کتب خانہ سے باہر نہیں دی جاتیں۔
لیکن اگر کوئی شدید ضرورت ہو تو حضرت مہتمم صاحب کی خصوصی
اجازت سے اُن کو بھی دیا جا سکتا ہے۔ تاکہ انتظام اور کتابوں
کی حفاظت کے تقاضے بھی پورے ہوتے رہیں اور علم کی اشاعت
پر کسی طرح کی پابندی عائد نہ ہو۔

طلبہ اور اساتذہ کے علاوہ ملک اور بیرونِ ملک کے علماء
دانشور، علم دوست، اور ریسرچ اسکالر مسلسل یہاں کے
علمی ذخیروں سے استفادہ کرتے رہتے ہیں۔ متعدد موضوعات
ایسے ہیں کہ ان سے متعلق بہتر معلومات دارالعلوم کے کتب خانہ
کے علاوہ دنیا کی کوئی لائبریری فراہم نہیں کر سکتی جیسا کہ متعدد
ریسرچ اسکالروں نے اس کا اعتراف بھی کیا ہے۔ خلاصہ
یہ ہے کہ علم پروری اور اس کی اشاعت کے لئے دارالعلوم کا
یہ بے نظیر کتب خانہ اپنے وسائل کے مطابق ہمیشہ مصروف
عمل رہتا ہے۔

دارالعلوم کا یہ عظیم الشان کتب خانہ انتظامی طور پر
دو شعبوں میں تقسیم ہے۔ ایک شعبہ سے درسیات متعلق
ہیں اور دوسرا شعبہ غیر درسی کتابوں پر مشتمل ہے، اساتذہ اور
طلبہ کے درمیان تقسیم کی جانے والی درسی کتابوں اور ان کے
شروح و حواشی کی تعداد تقریباً پندرہ ہزار سالانہ ہے جبکہ
شعبۂ **دارالمطالعہ** میں آکر مطالعہ کرنے والوں کا افراد
سالانہ ۲۵ تا ۳۰ ہزار کے درمیان رہتا ہے۔

کتابوں کے اس بے شمار لین دین کے لئے صرف نو افراد
کا عملہ مصروفِ کار رہتا ہے۔ اتنے بڑے کام کو اتنے کم وقت
میں انجام دینے میں دارالعلوم کے کتب خانہ کی اچھی
ترتیب بہت بڑا عامل ہے۔ اس لئے کہ کسی بھی کتاب تک آسانی
کے ساتھ پہنچنے کے لئے ترتیب کا جو طریقہ اختیار کیا گیا ہے وہ
بے نظیر ہے کتابوں کو سب سے پہلے زبان وار تقسیم کیا گیا ہے
یعنی یہاں سب سے زیادہ کتابیں عربی زبان کی ہیں پھر اردو
اور پھر فارسی کی تعداد ہے، ہر زبان کی کتابوں کے لئے الگ الگ
کمرے ہیں، پھر ان تینوں زبانوں کے الگ الگ کمروں میں کتابوں
کو فن اور موضوع کے مطابق ترتیب دیا گیا ہے جن موضوعات
کے مطابق کتابوں کو تقسیم کیا گیا ہے اُن کی تعداد ننانوے ہے۔
ہر کتاب پر چٹ لگی ہوتی ہے جس پر فن، سلسلہ نمبر، موضوع
رجسٹر اندراج کا نمبر درج ہوتا ہے۔ اور اسی چٹ کے مطابق
رجسٹروں میں اندراج کیا جاتا ہے اور اس میں مزید کچھ اندراجات
بھی ہوتے ہیں۔ رجسٹر اندراج میں کتاب کا نام، نمبر، علم، زبان

مصنف کا نام، مطبع، سنِ طباعت اور کتاب کے صفحات درج کئے جاتے ہیں۔ ان اندراجات کا فائدہ یہ ہے کہ مطلوبہ کتاب تک بڑی آسانی سے چند منٹ میں پہنچا جا سکتا ہے۔ اس کے علاوہ جدید طریقہ کے مطابق کارڈ سسٹم سے بھی کام لیا گیا ہے اور یہ کارڈ مروجہ طریقہ کے مطابق حروف تہجی کے اعتبار سے ترتیب دیئے گئے ہیں۔

عربی اردو اور فارسی کے علاوہ، انگریزی، روسی، یونانی، ترکی، انڈونیشی، سنسکرت، ہندی، ٹیمل، بنگلہ، گجراتی، گورمکھی، مرہٹی، کنٹری، پشتو اور پنجابی وغیرہ کی کتابیں بھی مختلف موضوعات پر موجود ہیں اور بوقت ضرورت ان سے استفادہ کیا جا سکتا ہے۔

مطبوعات کے علاوہ قلمی کتابوں کا بھی ایک بہت بڑا ذخیرہ ہے جس میں متعدد نادر چیزیں موجود ہیں۔ بعض کتابیں خود مصنفین کے قلم سے لکھی ہوئی ہیں بعض مصنفین کے نسخوں سے منقول ہیں، بعض کتابیں کتابت کے لحاظ سے ندرت رکھتی ہیں، بعض کتابیں مصوری اور نقاشی میں لاجواب ہیں۔ بعض کتابیں شاہی کتب خانوں یا دیگر تاریخی مقامات پر رہ چکی ہیں۔ اس نادر ذخیرے میں بعض کتابیں ایسی بھی ہیں جن کے بارے میں یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ دنیا میں ان کا کوئی اور نسخہ نہیں ہے۔ چنانچہ دنیا کے مختلف علم دوست حضرات یا علمی کتب خانوں نے یہاں کی بعض قلمی کتابوں کی مائیکرو فلمیں لی ہیں۔ ان کتابوں کے تعارف سے متعلق دو جلدیں طبع کی جا چکی ہیں پہلی جلد میں تفسیر، حدیث، فقہ، عقائد، کلام کی کتابوں کا تعارف ہے اور دوسری جلد میں تصوف، تاریخ، معانی، ادب عربی، لغت فلسفہ، منطق، ہیئت، صرف، نحو، مناظرہ، ریاضی، طب ادب فارسی اور ادب اردو کی مخطوطات کا تعارف ہے۔

بعض قلمی کتابوں کو حفاظت کے ساتھ شیشے کے فریم میں رکھ دیا گیا ہے۔ اور ان پر مختصر تعارف لکھ دیا گیا ہے۔ اس طرح کتابوں کی حفاظت کے ساتھ عام زائرین کے ذوق کی تسکین کا سامان فراہم ہو گیا ہے۔ (باقی ص۲۰ پر)

بقیہ ص — شاخ طوبیٰ

۱۳۲۲ھ میں دار العلوم کا جلسہ دستار بندی ہوا تو اس میں آپ کی تقریر کی جادو بیانی اور وفور علم سے دیوبند کے اکابر وا عاظم متاثر ہوئے۔ اور اسی سال حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ اور آپ کے دیگر اساتذہ نے آپ کے دار العلوم دیوبند ہی میں بحیثیت استاد تقرر کا فیصلہ فرمایا اور درس نظامی کی اہم کتابیں آپ کے سپرد کر دیں ۱۳۳۳ھ میں حضرت شیخ الہند رح صاحب کے حجاز مقدس تشریف لیجانے پر دورہ حدیث کی مسلم شریف کا درس آپ سے متعلق ہوا جس کی وجہ سے ملک کے درسی حلقوں میں آپ کو غیر معمولی شہرت حاصل ہوئی۔

۱۳۴۴ھ میں موتمر الانصار کے اجلاس مراد آباد میں آپ نے ایک علمی مقالہ "الاسلام" کے نام سے پڑھا۔ جس میں وجود باری توحید رسالت، حشر و نشر، اثبات ملائکہ وغیرہ جیسے اہم مسائل پر محققانہ بحث کی۔ جس نے علمی دنیا میں آپ کے انداز بیان۔ قوت مقال اور طریق استدلال کا سکہ بٹھا دیا۔

اسی سال آپ اپنا رہائشی مکان فروخت کر کے حج بیت اللہ تشریف لے گئے۔ پھر دوبارہ ۱۳۴۴ھ میں شاہ حجاز کی دعوت پر جمعیۃ علماء ہند کے نمائندہ بنکر آپ حجاز تشریف لے گئے۔

۱۳۴۶ھ میں دار العلوم دیوبند میں کچھ ایسی ناگفتہ بہ حالات پیدا ہوگئے جن کی داستان طولانی اور نہایت دردناک ہے اور وہی آپ کے دار العلوم سے انقطاع کا سبب بنی۔ پھر آپ نے ۱۳۴۶ھ میں جامعہ اسلامیہ ڈابھیل ضلع سورت میں تشریف لے گئے۔ ۱۳۵۴ھ میں آپ دوبارہ بحیثیت صدر مہتمم دار العلوم میں تشریف فرما ہوئے۔ لیکن اکابر دیوبند میں سیاسی اختلافات کی وجہ سے ۱۳۶۲ھ میں اس عہدہ سے سبکدوش ہوگئے۔ ۱۳۶۶ھ میں آپ پاکستان کی افتتاح کی تقریب کی شرکت کے لئے کراچی تشریف لے گئے۔ جشن آزادی میں شرکت کی اور پھر ہمیشہ کے لئے وہاں کے ہی ہو گئے۔ عمر کے بقیہ ایام میں پوری جد و جہد کی تاکہ پاکستانی خواب کی عملی تصویر سامنے آئے لیکن یہ ممکن نہ ہو سکا۔ مجھے آپ کے کراچی کے قیام میں ملاقاتوں کی سعادت حاصل ہوئی اور اس کا پورا احساس ہوا کہ حضرت مرحوم کے ذہن میں پاکستان کا جو نقشہ تھا۔ اس میں وہ اپنی ناکامی کو اچھی طرح محسوس کر رہے ہیں۔ پاکستان کو ایک صحیح اسلامی ریاست بنانے کیلئے آپ نے پورے ملک کے دورے کئے لیکن بالآخر ۲۱ صفر ۱۳۶۹ھ بروز شنبہ اثنار سفر میں گیارہ بجکر ۴۰ منٹ پر بہاولپور میں اپنی حسرتوں اور تمناؤں کو ساتھ لئے ہوئے داعی اجل کو لبیک کہدیا۔ جنازہ کراچی لایا گیا اور وہاں سپرد خاک کر دیا گیا۔ یہ ہماری بدقسمتی تھی کہ دار العلوم دیوبند کا ایک مایہ ناز بزرگ دار العلوم سے جدا ہو کر ایسی جگہ مدفون ہوا۔ جہاں ہم جیسا کوئی نیا زمند جستجو کے بعد ہی قبر تک پہونچکر فاتحہ پڑھ سکتا ہے۔

رحمۃ اللہ علیہ کے اوصاف اور جملہ علوم و فنون تحریر کرنے کے لئے دفتر بکراں کی ضرورت ہے۔ آپ نے جو علمی آثار چھوڑے ہیں ان کے ذکر کی بھی اس مختصر مضمون میں گنجائش نہیں ہے لہٰذا اسی اختصار پر ہم اکتفا کرتے ہیں۔　　فقط والسلام

بقیہ ص ۲۰ — دار العلوم کے کتب خانے کی سیر

ایک کمرہ علماء دیوبند کی تصانیف کے لئے مخصوص کر دیا گیا ہے جس میں اکابر دار العلوم کی ہزاروں تصانیف مصنفین کی فہرست کے مطابق جمع کر دی گئی ہیں۔ ان اکابر میں حضرت شاہ ولی اللہ رح سے لے کر اس وقت تک کے مشاہیر شامل ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ علم کی ترویج و ترقی، علم دوست حضرات کی خدمت، کتابوں کی حفاظت اور ان کی بے نظیر ترتیب کے لحاظ سے ایشیا کا یہ عظیم الشان کتب خانہ اپنی نظیر آپ ہے۔

دارالعلوم میں زبان وقلم کی انجمنیں

محمد اطہر ظفر القاسمی متعلم دورۂ حدیث دارالعلوم دیوبند

ایشیا کی عظیم اسلامی درسگاہ دارالعلوم دیوبند آج چنداں محتاج تعارف نہیں، جس سے علم وعمل اخلاق ومعرفت للہیت واخلاص، اتباع سنت، مجاہدۂ نفس کے نوری سوتے، پھوٹے جن سے آج برصغیر کا چپہ چپہ منور اور آشنا ہے تمامی علوم ومعارف آج بحر بیکراں کی طرح موجزن ہیں۔

دارالعلوم کے چار اہم مقاصد اس کے اجزاء ترکیبی میں اساسی عناصر کی حیثیت سے شامل ہیں،

(۱) اس کا پہلا مقصد احیاء سنت، سنن نبوی کی تجدید اور فرق باطلہ کے رائج کردہ غلط رسومات ورواج کا ابطال،

(۲) احادیث نبوی کی عالمانہ وعارفانہ تشریحات سے دین کو اجاگر کرنا۔

(۳) تواضع للہ اور کسر نفس کے دواعی اور اخلاق فاضلہ کو انسانوں میں پیدا کرنا۔

(۴) دعوت وارشاد کے جذبات سے دلوں کو گرما کر ان کی سرد مہری دور کرنا، اور دین کی خدمت پر آمادہ کرنا

گویا دارالعلوم محض درس وتدریس کا مرکز اور قاسمیت صرف پڑھنے پڑھانے کا نام نہیں۔ بلکہ یہاں کے پڑھنے والوں پر اس کے علاوہ اور بھی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں، جس لئے طلبۂ دارالعلوم اپنے اندر گوناگوں دیگر علمی وعملی، سیاسی، وسماجی، اخلاقی ومعاشرتی صلاحیتیں پیدا کرنے کے لئے اپنے اپنے اساتذہ کے مشوروں اور کردار سلف کی روشنی میں مختلف طرق واسباب اپناتے ہیں، چنانچہ ان نوخیز نوعمر کمسن اور بھرپور شباب والے طلبا میں شاعر بھی ہوتے ہیں۔ نثار بھی، انشاء پرداز بھی اور مقالہ نگار بھی فصیح اللسان مقرر اور دندان شکن مناظر بھی، اعلاء کلمۃ اللہ کے جذبے سے سرشار اور اتباع سنت کے ذائقہ دار بھی،

یہ قلمی دیواری رسالے لگاتے ہیں اس میں ان کے جوہر کھلتے ہیں۔ یہ ہر ہفتہ مشقیہ پروگرام کرتے ہیں تو ان کی تیغ زبان کے جوہر سامنے آتے ہیں۔ انہیں مقاصد کے لئے انہوں نے مختلف صوبہ جات ومختلف اضلاع کی الگ الگ انجمنیں قائم کر رکھی ہیں۔ جنھیں بعض پورے دارالعلوم

کی نمائندہ انجمن بھی شمار کی جاتی ہیں۔
دارالعلوم چونکہ اس مکتب فکر کا نام ہے جو موسسین دارالعلوم کی نسبتوں سے ہم تک پہونچا، اس لئے اسلاف دارالعلوم کے پیغام کو عام کرنا سبھی انجمنوں کے اہم مقاصد میں شامل ہے۔ اس کے علاوہ جملہ انجمنوں کے قدرے مشترک مختلف اغراض ومقاصد ہیں۔

(۱) طلباء کی ذہنی فکری صلاحیتوں کو ابھار کر میدان عمل میں لانا، (۲) باہمی تنظیم اور آپس میں اتحاد واتفاق پیدا کرنا (۳) دارالعلوم کی زندگی میں دستور قوانین کے مطابق عمل کرنا، (۴) اصلاح طرز معاشرت کے ساتھ ساتھ تحریر وتقریر کی اچھی طرح مشق کرانا، تاکہ شعلہ بیان مقرر، صاحب قلم مصنف تیار کئے جائیں، جو آگے چل کر ملک وقوم کی زبان وقلم سے خدمت کریں، اور باطل پرستوں کے مقابلہ میں سینہ سپر ہوں (۵) حالات حاضرہ کے تقاضوں سے باخبر رہنا اور ملک کے جدید تعلیم یافتہ سے باہم ربط رکھنا، انہیں دین کی دعوت احسن طریقہ سے دینا، (۶) تحصیل علوم دینیہ میں ہمیشہ ہمیشہ سرگرم رہنا زیادہ سے زیادہ مطالعہ کا شوق پیدا کرنا (۷) نووارد طلبہ کے ساتھ بسلسلہ داخلہ ہر ممکن اعانت کرنا، اور وقتی طور سے ان کے قیام وطعام کا انتظام بھی انجمنوں کے مقاصد میں سے ہے۔ مندرجہ بالا مقاصد کو بروئے کار عمل میں لانے کے لئے سبھی انجمنوں کے مختلف شعبہ جات ہیں۔

(۱) شعبہ نشریات :- طلباء اپنے اندر صحافتی وتحریری صلاحیتیں پیدا کرنے کے لئے ہر ماہ بلند ومعیاری قلمی دیواری رسالے نکالتے ہیں۔ جن میں طلباء کی ادبی، ثقافتی، ٹیکنولوجی، سماجی اور دیگر عالمی معلومات سے معمور اور دیگر انوکھے نکاتی وتحقیقاتی اصلاحی ودینی مضامین ہوتے ہیں۔ جو ان کی خوابیدہ صلاحیتوں کی بیداری، ان کی عقابی ذہن کے ترجمان ہیں ان رسائل کی تزئین وترقیم، ترتیب وتصحیح اپنے اساتذہ کی نگرانی میں طلباء خود ہی کرتے ہیں یہی اس شعبہ کا کام ہے۔

(۲) شعبہ خطابیات :- جمعرات کو پابندی اہتمام سال پر اگر آپ کبھی گلشن قاسمی کی سیر کریں تو اس چمنستان قاسمی کے عنادل کو گلستان دارالعلوم میں چہچہاتے سنیں گے ان کی شیریں زبانی سے آپ مسحور ہوں گے، اگر مسلمانوں کی حالت زار اور انسانیت کی خستہ حالی ہر معہد اخلاقی کی پامالی پر جب آپ پُر درد، پُر خلوص شعلہ فگاں تقاریر، سنیں گے تو بے خود ہو جائیں گے، یہ جلسہ مشقی پروگرام شعبہ خطابت کے تحت منعقد ہوتے ہیں۔

(۳) شعبہ مالیات :- اس شعبہ کی ضرورت اس لئے بھی ہوتی ہے۔ تاکہ طلباء امور انتظامی واجتماعی تقریری وتحریری سرگرمیوں کا نظم قائم رکھ سکیں۔ ہر انجمن کا اپنا ایک مستقل فنڈ ہے۔ جس شرکاء مجلس اپنی حسب حیثیت یا مقرر کردہ سالانہ یا ماہانہ فیس دیتے ہیں۔ تاکہ باقاعدہ سلیقگی کے ساتھ مجلس کا نظم ونسق اور ڈسپلن قائم رکھا جاسکے۔

(۴) شعبہ کتابیات :- عربی کا مشہور مقولہ ہے "خیر الجلیس فی الزمان کتاب" طلبہ دارالعلوم بھی اپنے بہترین رفقاء وہمنشین جلساء کی کثیر تعداد رکھتے ہیں۔ اس کے ہر انجمن کی اپنی مستقل لائبریری ہے جہاں سے طلبہ دستور انجمن کے مطابق یومیہ، ہر ہفتہ، یا ہر ماہ کتب حاصل کر کے اپنی عطش طلب وتشنگی علم کی بڑھتی ہوئی پیاس کو بجھاتے ہیں، بعض انجمنوں کی لائبریریوں میں مختلف اخبار ورسائل بھی آتے ہیں۔ جن سے طلباء سیاسی سماجی، اور دیگر ملی وملکی معلومات سے متعلق واقفیت وآگاہی حاصل کرتے ہیں۔

ان شعبوں کے علاوہ ہر انجمن کے چند عہدہ جات ہیں، جن پر فائز طلباء کا انتخاب بذریعہ ووٹ ہر سال جدید، ہوتا ہے۔ اس لئے ان منتخب طلباء کے اسماء کا ذکر کرنا زائد از ضرورت ہے۔
عہدے یہ ہیں صدر انجمن، نائب صدر، ناظم اعلیٰ، نائب ناظم، ناظم تقریر، ناظم کتب خانہ، خزانچی،

جملہ انجمنان دارالعلوم اپنے اپنے سرپرستوں کی زیر سرپرستی پروان چڑھ رہی ہیں۔ سبھی سرپرست حضرات اساتذۂ کرام میں سے منتخب شدہ ہیں۔ جو گاہ گاہ طلبہ کی اس سلسلہ میں بہترین راہنمائی فرماتے رہتے ہیں۔

شاید آپ بھی ان انجمنوں کے ضروری و مجمل تعارف کے منتظر ہوں، اس لئے دارالعلوم کی تمام انجمنوں کا طائرانہ مختصر تعارف پیش خدمت ہے۔

(۱) النادی الادبی :— عطر بیز چمن زار نامی میں تحریر و صحافت، تقریر و ثقافت کی عربی شاہراہ پر گامزن یہ ایک عظیم انجمن ہے۔ اس کے بانی و سرپرست ہندی نژاد عربی ادیب استاذی الشفیق حضرت مولانا وحید الزماں صاحب مدظلہ کیرانوی استاذ دارالعلوم دیوبند ہیں۔ اس انجمن کے مختلف شعبہ جات ہیں۔

(الف) شعبہ اجتماعات :— اس شعبہ کے تحت عربی میں تقریری مشق کے لئے ہفتہ واری پروگرام کے تقریباً بارہ حلقے ہیں۔ ہر حلقہ کا ذمہ دار الگ ہوتا ہے جس کو "مراقب" کہتے ہیں۔ نیز ان پروگراموں کے علاوہ ہر ماہ ایک شہری جلسہ ہوتا ہے جس میں منتخب طلباء عربی میں تقریریں، مقالے، اناشید پیش کرتے ہیں۔ اور اختتام سال پر ایک سالانہ عظیم الشان اختتامی جلسہ ہوتا ہے۔ جس میں علماء مدرسین کے علاوہ کسی نامہ ناز شخصیت کو مدعو کیا جاتا ہے۔

(ب) شعبہ نشر و اشاعت :— اس شعبہ کے زیر اہتمام عربی میں پندرہ روزہ دس عدد قلمی دیواری پرچے نکلتے ہیں۔ ان کی تزئین و ترتیب ذمہ داران پرچہ خود ہی کرتے ہیں۔ پرچے کے نام یہ ہیں۔

(۱) المسیرۃ : اس کو تخصص ادب کے طلبا نکالتے ہیں۔ یہ دفتر النادی الادبی کا ترجمان ہوتا ہے۔ (۲) الربیع (۳) النهضة (۴) دعوة الحق، ان کو تکمیل ادب کے طلبا نکالتے ہیں (۵) المشعل (۶) الیقظة (۷) الصوت۔ ان کو صف ثانوی اور (۸) المطلع (۹) الوضع ان کو صف ابتدائی کے طلبار نکالتے ہیں۔ اور ایک پرچہ الریحان، بنام اصدقاء نکلتا ہے۔ جن کے ان درجات کے علاوہ زیر تعلیم طلبار نکالتے ہیں۔

ان پرچہ جات کے مضامین کی ایڈٹ و تصحیح کے لئے روساے اور ایک مجلس ادارت ہے جس کو "اللجنة العلمية" کہتے ہیں۔

(ج) شعبہ لائبریری :— اردو عربی وغیرہ پر مشتمل لائبریری ہے۔ جس کے دو حصے ہیں اس میں تقریباً تین ہزار کتب ہیں۔

(۱) مکتب التوزیع :— اس مکتبہ سے طلبار کو ہر روز بعد نماز عصر برائے مطالعہ کتب تقسیم کی جاتی ہیں۔

(۲) دار المطالعہ :— اس میں ہر روز بعد نماز عشاء رد ہیں بیٹھکر طلبہ اپنی پسندیدہ کتابوں کا مطالعہ کرتے ہیں۔

(د) الارشاد الدینی :— اسے شعبہ تبلیغ بھی کہہ سکتے ہیں۔ اس کا اہم کام طلبہ کے جھگڑے طے کرنا ہے مزے کی بات یہ ہے کہ اس کے نظار کار قاضی وکلار اور پیشکار کی حیثیت سے مدعیان کو اپنے سامنے کھڑا کر کے شہادت شاہدین کی روشنی میں شرعی فیصلے دیتے ہیں جسے دیکھنے سے خیر القرون کی عدالت شرعیہ کا منظر سامنے آتا ہے۔

(۲) مجلس علمیہ قاسمیہ :— ایسے ہی مادر علمی دارالعلوم میں کل طلبار کی نمائندہ انجمن، مجلس علمیہ قاسمیہ طلبا دارالعلوم ہے۔ اس کا قیام ۱۳۷۵ھ مطابق ۱۹۵۶ء میں باصلاحیت خلوص و للٰہیت کے پیکر چند طلبار ضلع سہارنپور کے ہاتھوں عمل میں آیا تھا، جس کا انتساب حجۃ الاسلام، حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ کے نام نامی سے کیا گیا۔ مگر ۱۳۹۱ھ میں مجلس کے سالانہ اجلاس میں خطاب فرماتے ہوئے سرپرست مجلس حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب

صاحب مدظلہ نے ارشاد فرمایا کہ میری دلی تمنا ہے کہ جس طرح حضرت نانوتوی کی شخصیت و علوم کسی خاص ضلع و صوبہ اور ملک سے وابستہ نہیں بلکہ تمام عالم کے لئے دعوت عام ہے، اسی طرح آپ بھی اس مجلس قاسمیہ کو تمام طلباء دارالعلوم کے لئے عام کریں۔

حضرت کے اس ارشاد کو طلباء ضلع سہارنپور نے خندہ پیشانی سے قبول کیا اور اب بحمد للہ دارالعلوم کے ہر طالب علم کے لئے اس کا دروازہ کھلا ہوا ہے مجلس کے دیگر مقاصد میں سے ایک خاص مقصد یہ ہے کہ حضرت نانوتویؒ کے فکر و فلسفہ اور علوم قاسمی سے عقلی و نقلی دلائل کے تجمیع کر کے عام اور سہل زبان میں ہر خاص و عام تک پہونچانا، مجلس علمیہ قاسمیہ کے شعبۂ نشریات سے دو قلمی پرچے نکلتے ہیں (۱) القاسم بیادگار حضرت نانوتوی نور اللہ مرقدہٗ، (۲) الرشید، بیادگار حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ۔

قاسمی اکیڈمی کے نام سے مجلس کی اپنی مستقل لائبریری ہے جس میں تقریباً سات سو کتب مع رسائل وغیرہ کا ذخیرہ موجود ہے تاہم مجلس کی ہمہ گیر حیثیت کے پیش نظر ذمہ داران انجمن دیگر اور مفید کتابوں کے لئے کوشاں ہیں۔

(۳) تقویۃ الاسلام — برائے مشق مناظرہ حضرت مولانا قمر الدین صاحب نے ۱۳۹۰ھ مطابق ۱۹۷۰ء میں اس انجمن کو قائم کیا، اور آج بھی اس کی سرپرستی فرما رہے ہیں۔ اس کے شعبہ جات میں بنیادی شعبہ مناظرہ ہے جس کے تحت ہر جمعہ کو بعد نماز جمعہ طلبہ آپس میں مناظرہ کرتے ہیں۔ اور آخر میں حملہ مدرسین میں سے چنے گئے فیصل صاحب کا فیصلہ حتمی ہوتا ہے اس سے نکلنے والے پرچہ کا نام دلائل حق ہے۔

احقاق حق، ابطال باطل مسلک دارالعلوم کی اشاعت بدعت و خرافات کی تردید، باطل معاندین کا دنداں شکن جواب، اس انجمن کے اساسی مقاصد ہیں۔ اس کی لائبریری میں اپنی ذاتی تقریباً دو سو پچاس کتب ہیں۔

(۴) جمعیۃ الثقافۃ القاسمیہ — ۱۳۹۷ھ مطابق ۱۹۷۷ء بیادگار حضرت الامام النانوتوی قائم ہوئی، جس میں تقریباً ۷۰ کتابیں ہیں۔ اس کا ماہانہ پرچہ "ثقافت" کا جواب ناسازگار حالات کی نذر ہو گیا ہے۔

(۵) لجنۃ الاصلاح — یوں تو سبھی انجمنوں کے مقاصد میں سے تبلیغ و ارشاد ہے۔ لیکن اس کی عملی تشکیل کے لئے سال رواں میں جو وجود پائی انجمن "لجنۃ الاصلاح" ہے۔ جس کا کام طلباء کو ہر ہر کمرہ جا کر بالخصوص فجر اور ظہر میں نمازوں کے لئے بیدار کرنا ہے

(۶) طبی سوسائٹی — مذکورہ کل طلباء دارالعلوم کی نمائندہ انجمنوں کے علاوہ ۱۳۸۰ھ مطابق ۱۹۶۰ء سے قائم شدہ طلباء جامعہ طبیہ دارالعلوم کی بھی ایک انجمن "طبی سوسائٹی" ہے۔ جس کی جانب سے ماہانہ دو پرچے نکلتے ہیں۔ شفاء اور زندگی اس کی لائبریری میں آٹھ سو کتب کا ذخیرہ ہے۔

(۷) شیخ الاسلام لائبریری — کل طلباء کی نمائندہ انجمنوں کے علاوہ طلبائے قاسمی کی اپنی مستقل کئی لائبریریاں ہیں۔ چنانچہ طلبہ صوبہ یوپی کی اکیڈمی، شیخ الاسلام لائبریری ہے۔ جو "مدنی دارالمطالعہ" کے نام سے مشہور ہے۔ یہ لائبریری ۱۳۶۷ھ مطابق ۱۹۴۷ء کو قائم ہوئی، اور آج شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی رح کی یاد سے منسوب ہے۔ اس میں کل کتابوں کی تعداد مع رسائل سوا دو ہزار ہیں۔ اس سے نکلنے والے پرچہ کا نام آزاد ہے۔ پہلے اس کا نام مدنی دارالمطالعہ تھا۔ لیکن اب یہ دونوں انجمنیں ایک کر دی گئی ہیں۔

(۸) انجمن تہذیب الاخلاق — طلباء بجنور کی قائم کردہ انجمن تہذیب الاخلاق، مادر علمی دارالعلوم دیوبند میں سب سے قدیم انجمن ہے۔ جو ۱۳۳۶ھ مطابق ۱۹۱۸ء میں قائم ہوئی تھی، مولانا منت اللہ صاحب اور مرغوب صاحب ممبران مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند اور مولانا سلطان الحق صاحب ناظم کتب خانہ دارالعلوم جیسی عظیم ہستیاں اس انجمن کے خوشہ چینوں میں رہی ہیں، اس کے ماہانہ پرچہ کا نام

"المجاهد" ہے دوسو پچیس کتابوں پر مشتمل اس کی اپنی لائبریری ہے۔ یہ انجمن مجاہد ملت حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب سیوہاروی کی یاد سے نسبت رکھتی ہے۔

(۹) تحسین الکلام :— بیادگار حکیم الحق رمضان صاحب سابق پرنسپل جامعہ طبیہ دارالعلوم طلباء لکھیم پور نے ۱۳۷۵ھ مطابق ۱۹۵۵ء میں اس انجمن کو قائم کیا جس میں کل کتب کی تعداد دوسو اور ماہانہ پرچہ کا نام "محشر" ہے۔

(۱۰) تہذیب الکلام :— یہ طلباء ضلع بستی کی انجمن ہے۔ جو ۱۳۷۸ھ مطابق ۱۹۵۸ء میں قائم ہوئی اور اب اس کی لائبریری میں تقریباً تین سو کتب ہیں۔ اس کا ماہانہ پرچہ "نقاب" ہے۔

(۱۱) اصلاح اللسان :— ۱۳۷۹ھ مطابق ۱۹۵۹ء میں بیادگار قاری عبدالوہاب صاحب طلباء گونڈہ کی قائم کردہ انجمن ہے جس کے ترجمان کا نام "الوہاب" ہے اور اس کی لائبریری میں کل پچاس کتابیں ہیں۔

(۱۲) جمعیۃ التہذیب :— اس انجمن کو ۱۳۸۰ھ مطابق ۱۹۶۰ء میں طلبہ مظفر نگر نے حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کی یاد میں قائم کیا تھا۔ جس کا شہری پرچہ "مسالک" ہے کل پچیس کتابیں اس کی لائبریری کی رونق ہیں۔

(۱۳) هدایۃ البیان :— اس انجمن کا ماہانہ پرچہ "نقاد" ہے یہ ۱۳۸۲ھ مطابق ۱۹۶۲ء میں قائم [illegible] طلباء ضلع مرادآباد کی انجمن ہے۔ اس کی لائبریری میں تین سو پچاس کتابیں ہیں۔ حضرت مولانا فخرالدین صاحب مرادآبادی سابق شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند کے نام [illegible] ہے۔

(۱۴) بزم ادب :— شیخ الاسلام حضرت مدنی رحمہ [illegible] کی یاد میں طلبہ [illegible] کی قائم کردہ انجمن ہے جس کو انہوں نے ۱۳۸۲ھ مطابق ۱۹۶۲ء میں قائم کیا تھا اور اس کی لائبریری [illegible] سو کتابوں پر مشتمل ہے۔ "الحسنین" اس کا ماہانہ پرچہ ہے۔

(۱۵) نادیۃ الاتحاد :— طلباء اعظم گڑھ کی یہ انجمن ۱۳۸۳ھ مطابق ۱۹۶۳ء میں قائم ہوئی جو علامہ شبلی نعمانی کی یادگار ہے اس کا شہری پرچہ "پاسبان" ہے۔ ۱۷۵ کتابیں اس کی لائبریری کی زینت ہیں۔

(۱۶) تنظیم البیان۔ اس انجمن کو ۱۳۸۳ھ مطابق ۱۹۶۳ء میں طلباء سیتاپور نے حضرت مولانا فضل حق خیرآبادی کی یاد میں قائم کیا ہے اس میں تقریباً تین سو کتابیں ہیں اس کا پرچہ "تنظیم" ہے۔

(۱۷) بزم نامی :— بیادگار حضرت مولانا محفوظ الرحمٰن صاحب نامی کی یاد سے منسوب طلبہ بہرائچ کی انجمن ہے جو ۱۳۹۱ھ مطابق ۱۹۷۱ء میں قائم ہوئی۔ اس کی لائبریری تین سو جلد کتابوں پر مشتمل ہے۔ پرچہ کا نام "آواز" ہے۔

(۱۸) اصلاح البیان :— اس انجمن میں تقریباً ۱۷۵ کتابیں ہیں۔ "البدر" اس کا پرچہ ہے۔ طلباء ضلع میرٹھ نے ۱۳۹۲ھ مطابق ۱۹۷۲ء حضرت مولانا بدر عالم صاحب میرٹھی کی یاد میں اس انجمن کو قائم کیا تھا۔

(۱۹) نادیۃ الادب :— یہ مجلس ۱۳۹۲ھ مطابق ۱۹۷۲ء میں قائم ہوئی اس کا ماہانہ پرچہ "الابرار" ہے۔ طلباء ہردوئی نے اس انجمن کو حضرت مولانا قاضی مبارک علی گوپاموی کی یاد میں قائم کیا تھا۔ اس میں اسی کتابیں ہیں۔

(۲۰) ندائے اسلام :— طلباء پرتاب گڑھ کی یہ انجمن ۱۳۹۵ھ مطابق ۱۹۷۵ء میں بیادگار حضرت مولانا قاری حفظ الرحمٰن صاحب پرتاب گڑھی قائم ہوئی اس کی لائبریری میں کل ۵۰ کتابیں ہیں۔ پرچہ اس کا کوئی نہیں ہے۔

(۲۱) بزم اشرف :— اس کی لائبریری میں تقریباً سو کتب ہیں۔ اس کا پرچہ "دین و معرفت" تھا جو ناسازگی حالات کی نذر رہا ہے طلباء الٰہ آباد نے ۱۳۹۶ھ مطابق ۱۹۷۶ء میں بیادگار مولانا اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ اس انجمن کو قائم کیا تھا۔

(۲۲) قاسم المعارف:—— یہ طلباء سیتاپور کی انجمن ہے جو ۱۳۹۱ھ مطابق ۱۹۷۱ء میں قائم ہوئی تھی اس کا ماہانہ پرچہ کوئی نہیں ہے اور نہ ہی ابھی تک اس کی لائبریری میں کوئی کتاب ہے۔

(۲۳) اعجاز البیان:—— اس انجمن کو ۱۳۹۸ھ مطابق ۱۹۷۸ء میں طلباء بارہ بنکی نے قائم کیا تھا اگر شروع ہی سے طلبہ کی کثرت نہ ہونے کے سبب نہ اس کا کوئی پرچہ ہے اور نہ اس میں کتابیں ہیں۔

(۲۴) وصیۃ الاسلام:—— اس انجمن کو طلبہ فیروزآباد (آگرہ) نے اسی سال قائم کیا ہے قلت افراد کے سبب اس کا کوئی پرچہ نہیں ہے۔ اور نہ ہی ابھی تک کتب کی خریداری ہوئی ہے۔

(۲۵) سجاد لائبریری:—— کل طلبائے صوبہ بہار کی بھی اپنی اکیڈمی بنام سجاد لائبریری ہے یہ لائبریری ۱۳۴۲ھ مطابق ۱۹۲۲ء میں قائم ہوئی تھی اس کا شہری پرچہ البیان ہے۔ یہ لائبریری حضرت مولانا ابوالمحاسن سجاد صاحبؒ کی یاد میں قائم کی گئی ہے اس میں ایک ہزار دو سو کتابوں کا عظیم ذخیرہ برائے مطالعہ موجود ہے۔

(۲۶) انجمن اصلاحی:—— طلباء پورنیہ و کٹیہار کی یہ انجمن ۱۳۷۶ھ مطابق ۱۹۵۶ء میں قائم ہوئی ہے۔ ۵۷۰ کتب اس کی لائبریری کی رونق بنی ہوئی ہیں۔ اس کا شہری پرچہ الاصلاح ہے

(۲۷) اصلاح الکلام:—— طلباء ضلع گیا نے اپنی اصلاح کلام کے ۱۳۷۳ھ مطابق ۱۹۵۳ء میں اس انجمن کو قائم کیا جو مولانا ابوالکلام آزادؒ کی یاد سے منسوب۔ ندائے الکلام اس کا پرچہ ہے ۱۵۰ اس میں کتابیں ہیں

(۲۸) اصلاح اللسان:—— اپنی اصلاح لسان کے لئے ۱۳۷۵ھ مطابق ۱۹۵۵ء میں طلبہ چمپارن نے بیادگار حضرت مولانا ریاض الدین صاحبؒ سابق ... دارالعلوم دیوبند اس انجمن کو قائم کیا جس آج تقریباً ۵۲۵ کتابیں ہیں۔ اور اس کے شہری پرچہ کا نام ریاض ہے۔

(۲۹) تہذیب الافکار:—— ۱۳۷۶ھ و ۱۹۵۶ء میں طلباء دربھنگہ نے اس انجمن کی بنیاد ڈالی تھی۔ اس کی لائبریری میں تقریباً ۱۵۰ کتابیں ہیں اس کا پرچہ افکار ہے۔

(۳۰) تہذیب البیان:—— بیادگار حضرت مولانا محمد علی صاحب مونگیری طلباء مونگیر و بیگوسرائے کی قائم کردہ انجمن ہے جو ۱۳۷۹ھ مطابق ۱۹۵۹ء میں قائم ہوئی، اس کا پرچہ ہلال ہے اور پانچ سو کتابیں اس کی لائبریری میں ہیں۔

(۳۱) نادیۃ الاصلاح:—— یہ اصلاحی مجلس طلباء مظفرپور و سیتامڑھی کی قائم کردہ ہے جو ۱۳۷۹ھ مطابق ۱۹۵۹ء سے قائم ہے اس کا پرچہ صبح نو کے نام سے نکلتا ہے کتابیں اس میں تقریباً ۵۰۰ سو ہیں۔

(۳۲) بزم سہول:—— حضرت مولانا مفتی سہول صاحب کی یادگار طلباء بھاگلپور کی ۱۳۸۲ھ مطابق ۱۹۶۲ء میں قائم کردہ انجمن ہے۔ جس کا پرچہ آبشار ہے۔ اور اس کی لائبریری میں تقریباً ۲۵۰ کتابیں ہیں۔

(۳۳) تربیت اللسان:—— طلباء ہزاری باغ نے ۱۳۸۲ھ مطابق ۱۹۶۲ء میں اپنی تربیت لسان کے لیے اس انجمن کو قائم کیا جو مولانا عبدالرشید صاحب رانی ساگریؒ کی یادگار ہے۔ اس کا پرچہ آفتاب ہے۔ کتابیں اس میں نہیں ہیں۔

(۳۴) اصلاح اللسان:—— ۱۳۹۱ھ مطابق ۱۹۷۱ء میں طلباء غازی پور نے اپنی اصلاح لسان کے لئے اس انجمن کو قائم کیا تھا جس میں تقریباً ۲۲۵ کتابیں ہیں اور اب اس کا کوئی پرچہ نہیں ہے۔

(۳۵) بزم کلام:—— حضرت مولانا ابوالکلام آزاد کی یاد میں طلباء رانچی نے ۱۳۹۵ھ مطابق ۱۹۷۵ء میں اس انجمن کو قائم کیا ہے۔ چند محدود اس کی لائبریری

میں کتابیں نہیں۔ پرچہ کوئی نہیں ہے۔

(۳۶) منتدی ادیب اللسان: — یہ طلباء سہرسہ کی انجمن ہے، جس کا پرچہ "المحفوظ" ہے اس کی لائبریری میں ابھی چند گنی چنی دس پندرہ کتابیں ہیں۔ اسی سال رواں میں مولانا مفتی عبدالحفیظ صاحب سہرساوی کی یاد میں قائم کی گئی ہے۔

(۳۷) ندوۃ التربیت: — شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن صاحب نوراللہ مرقدہ کی یادگار ۱۳۶۲ھ مطابق ۱۹۴۳ء میں قائم شدہ طلباء سورت (گجرات) کی انجمن ہے۔ جس میں تقریباً ۱۰۰ کتابیں ہیں پرچہ کوئی نہیں ہے۔

(۳۸) حمایت الاسلام: — یہ مغربی بنگال طلبہ کی انجمن ہے۔ جو ۱۳۶۶ھ مطابق ۱۹۴۷ء میں قائم ہوئی طلباء بنگال اپنی زبان میں ہی ماہانہ دو پرچے نکالتے ہیں۔ حمایت اور دینداری اس کی لائبریری میں تقریباً ۸۰۰ کتابوں کا ذخیرہ ہے۔

(۳۹) انجمن امدادیہ: — یہ ۱۳۷۵ھ مطابق ۱۹۵۵ء میں طلبہ آسام کی قائم کردہ انجمن ہے اس نے بھی ماہانہ دو پرچے نکلتے ہیں۔ بزبان آسام، مسیرت المدنی اور اشاعت الاسلام اس کی لائبریری میں تقریباً ۴۰۰ کتابیں ہیں۔

(۴۰) اصلاح الخطابت: — طلباء میوات نے اپنی اصلاح خطابت کے لئے ۱۳۷۹ھ مطابق ۱۹۵۹ء میں اس انجمن کو قائم کیا تھا جس میں تقریباً ۱۱۰ کتابیں ہیں چونکہ یہ انجمن حضرت مولانا محمد الیاس صاحب بانی تبلیغ کی یادگار ہے اس لئے اس کا پرچہ بھی، "البلاغ" ہے۔

(۴۱) اتحاد الطلبہ: — یہ طلباء آندھرا پردیش کی ۱۳۸۰ھ مطابق ۱۹۶۰ء میں قائم کردہ انجمن ہے جس کی لائبریری ۵۰۰ کتب پر مشتمل ہے۔ اس کا [illegible]

(۴۲) مفتاح العلوم: — اس کی لائبریری میں تقریباً ۳۵۰ کتابیں ہیں پرچہ اس کا "المفتاح" ہے ۱۳۳۲ھ مطابق ۱۹۱۳ء میں طلبہ راجستھان کی قائم کردہ انجمن ہے۔

(۴۳) دعوت الحق: — اس کی لائبریری میں تقریباً ۹۰۰ کتب کا عظیم ذخیرہ موجود ہے اس کو طلباء پالن پور نے ۱۳۸۵ھ مطابق ۱۹۶۵ء میں قائم کیا ہے۔ اس کا اپنا ترجمان شہری "دعوت" ہے۔

(۴۴) احیاء السنۃ: — یہ طلبہ کشمیر کی انجمن ہے جس کو انہوں نے ۱۳۸۵ھ مطابق ۱۹۶۵ء میں قائم کیا ہے۔ یہ انجمن حضرت علامہ انور شاہ کشمیری کی یاد میں قائم ہے۔ اس لئے اس کا پرچہ "الانور" ہے ۱۰۰ کتابیں ہیں۔

(۴۵) فلاح دارین: — ۱۳۸۱ھ مطابق ۱۹۶۱ء میں قائم شدہ طلباء مہاراشٹر کی انجمن ہے جس کا پرچہ "الفلاح" ہے اس کی لائبریری میں ۵۰۰ کتابیں موجود ہیں۔

(۴۶) بزم حبیبیہ: — ۱۳۹۲ھ مطابق ۱۹۷۲ء میں صاحبزادہ مولوی ظریف احمد صاحب انبالوی اور مولوی جمشید علی صاحب سہارنپوری نے طلباء پنجاب کے لئے اس انجمن کو قائم کیا تھا مولانا حبیب الرحمن صاحب لدھیانوی کی طرف منسوب ہے۔ اس کا ماہانہ پرچہ "الاحرار" ہے کتابیں اس میں تقریباً ۱۵۰ ہیں۔

(۴۷) حلقۃ البیان والبلاغ: — یہ طلباء میسور کی انجمن ہے جو ۱۳۹۲ھ مطابق ۱۹۷۲ء میں قائم ہے اس کی لائبریری میں ۲۳۵ کتب ہیں، اور "البیان" اس کا ماہانہ پرچہ ہے۔

(۴۸) [illegible] الحدیث: — یہ طلباء کیرالہ کی انجمن ہے جس کی تاسیس ۱۳۹۶ھ مطابق ۱۹۷۶ء میں ہوئی اس کا ماہانہ پرچہ "النجم" ہے اس کی لائبریری میں تقریباً ۴۱۰ کتابیں ہیں یہ اپنی زبان ہی میں یہ پروگرام

(۴) ضیاء الاسلام :— یہ طلباء دیناجپور کی قائم کردہ انجمن ہے جو ۱۳۹۶ھ مطابق ۱۹۷۶ء میں قائم ہوئی، اس کی لائبریری میں تقریباً ۳۰۰ کتب ہیں، ضیاء الاسلام کے نام سے اس کا ماہانہ پرچہ نکلتا ہے۔

(۵) اسوۃ الاسلاف :— اسلاف کی یادگار، یہ طلباء دربھنگہ کی انجمن ہے۔ جس کا پرچہ اسی نام سے نکلتا تھا اور اب شاید ناسازگئ حالات کی نذر ہوگیا ہے۔ ۱۵۰ اس میں کتابیں ہیں۔

طلباء دارالعلوم میں زبان وقلم کا کام کرنے والی انجمنوں کے اس مختصر تذکرے کو اس وقت تک مکمل نہیں کیا جا سکتا جب تک کہ ماضی میں اس خدمت کو انجام دینے والی چند مزید انجمنوں کا ذکر نہ کر دیا جائے۔

اس سلسلے میں سب سے اہم انجمن "جمعیۃ الطلباء" تھی جو تمام طلبائے دارالعلوم کی نمائندہ انجمن تھی لیکن انتخاب کے دوران پیش آنے والے اختلافات اور اس کو مختلف سیاسی مقاصد کے لئے استعمال کرنے کے سبب ذمہ داران دارالعلوم نے اس کو ختم کر دینا مناسب سمجھا۔ اور اب اس کا کام دیگر انجمنوں کے ذریعہ لیا جا رہا ہے گویا اس وقت پوری جماعت طلبہ کا کوئی ایک امیر نہیں ہے۔ بلکہ امارت کو علاقہ وار تقسیم کر دیا گیا ہے۔ اور اس طرح اختلافات کی زمین بھی کم ہوگئی ہے اور فوائد بدستور حاصل ہیں۔

دوسری ایک انجمن "الهیئۃ العربیۃ" کے نام سے موسوم تھی آج سے تقریباً پچیس سال پہلے طلبائے عربی کے درمیان عربی زبان کی ترویج واشاعت کے لئے اس انجمن کا انعقاد عمل میں آیا تھا اس انجمن نے طلبائے عزیز کے درمیان عربی زبان کا ذوق بیدار کیا۔ پھر جب دارالعلوم نے اس طرف توجہ کی اور ایک دوسری ہمہ گیر انجمن "النادی الادبی" وجود میں آگئی، تو اس انجمن کو "النادی الادبی" میں ضم کر دیا گیا، باقی چھوٹی چھوٹی کتنی انجمنیں ہیں جو اس مضمون میں ذکر نہیں کی جا سکیں، اس

(آگے صفحہ ۲۱۶ پر)

علی گڑھ اور دیوبند

نیا دور — نئے چیلنج

(اختر الواسع، لیکچرر شعبۂ اسلامیات، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ)

۱۸۵۷ء کے انقلاب کی ناکامی کے بعد "علی گڑھ" اور "دیوبند" ہندوستانی مسلمانوں کی نشاۃ الثانیہ کے لئے کوشش کرنے والی دو عظیم تحریکوں کا ثمرہ بھی ہیں اور مرکز بھی۔ دونوں کا مقصد ایک لیکن فکر و عمل کے طریقے جداگانہ رہے ہیں۔ ہندوستان میں انیسویں صدی کے نصف آخر میں سیاسی بساط کے الٹ جانے سے یہاں کی قومی نشاۃ کی بین عام طور پر اور مسلمانوں میں خاص طور سے جو اضطراب مایوسی اور احساس کمتری پیدا ہوا اسی نے سرسید احمد خاں (۱۸۹۸ — ۱۸۱۷ء) اور مولانا محمد قاسم نانوتوی (۱۸۸۰ — ۱۸۳۳ء) جیسے بزرگوں کے ذہنوں میں اس دور کے چیلنج اور اس عہد کے پیدا شدہ مسائل سے نبرد آزما ہونے کے لئے جس منصوبہ بند کوشش کا احساس پیدا کیا، علی گڑھ کا مدرسۃ العلوم اور دیوبند کا دارالعلوم اسی کا نتیجہ تھے۔

سرسید کے سامنے سوال یہ تھا کہ نئے سیاسی ڈھانچے کے تحت جو بحران پیدا ہو گیا ہے اس میں مسلمانوں کی اقتصادی حالت کی بہتری کی صورت کیا ہو اور کس طرح ماضی کی حکمراں قوم (مسلمان) اور نئے حکمرانوں (انگریزوں) میں حریفانہ کشمکش کی جگہ حلیفانہ یگانگت پیدا ہو تاکہ ایک بہتر مستقبل کی

کی امید کی جاسکے اور مسلمانوں کی منتشر صلاحیتوں
اور قوتوں کی شیرازہ بندی ہو؟ ان میں سے
احساس کمتری اور مایوسی کو دور کیا جاسکے۔ اس کا
واحد حل ان کی سمجھ میں یہی آیا کہ وہ نئے علوم کی
تحصیل کریں، نئے حکمرانوں کی زبان سیکھیں اور
نئی تہذیب کے صالح عناصر کو قبول کریں۔

حضرت سید احمد شہیدؒ کی تحریک بالاکوٹ
اور ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کی ناکامی نے مشہور
مورخ پروفیسر خلیق احمد نظامی کے بقول اس
حقیقت کو واضح کر دیا تھا کہ "ان ناکامیوں میں مغربی
علوم و فنون اور جدید طریقۂ حرب سے ناواقفیت
کو بڑا دخل تھا" ان حالات نے سرسید کے دل و
دماغ میں اس احساس کو راسخ کر دیا تھا کہ اب
ایک خوشحال مستقبل کا انحصار اعلیٰ تعلیم کے
حصول پر ہی منحصر ہے۔ ۲۹ر جنوری ۱۸۸۴ء کو
امرت سر میں تقریر کرتے ہوئے انہوں نے
کہا تھا:

"اگر گورنمنٹ نے ہمارے کچھ حقوق
اب تک ہم کو نہیں دیئے ہیں جن کی ہم
کو شکایت ہے تو بھی ہائی ایجوکیشن
وہ چیز ہے کہ خواہ مخواہ طوعاً و کرہاً ہم کو
دلا دے گی"

یہ بات سوچنا غلط بھی ہے اور سرسید کے
ساتھ سراسر زیادتی بھی کہ وہ عربی زبان یا
مشرقی علوم کی تعلیم کے مخالف تھے۔ اس سلسلے
میں ان کا موقف یہ تھا کہ:

"مسلمانوں کو یہ لازم ہے کہ عربی زبان
کی تحصیل نہ چھوڑیں۔ یہ ہمارے باپ
دادا کی مقدس زبان اور ہمارے
قدیم ملک کی زبان ہے۔ جو فصاحت
و بلاغت میں ٹھیک ٹھیک باتوں میں لاتی ہے
اگر افراط و تفریط نہ ہو۔ اس زبان میں
ہمارے مذہب کی ہدایتیں ہیں۔ لیکن
جب کہ ہماری معاش، ہماری بہتری،
ہماری زندگی کا آرام بسر ہونے کے ذریعے
بلکہ ہمارے اس زمانے کے موافق
انسان بننے کے وسائل انگریزی زبان
سیکھنے ہی میں ہیں تو ہم کو اس کی طرف بہت توجہ
کرنی چاہیے"

لیکن جدید تعلیم کے نظام کو وہ حکمران قوم کے
بجائے خود اپنی قوم کے ہاتھ میں دیکھنا چاہتے
تھے۔ ان کا خیال تھا کہ:

"کوئی قوم جس کو اپنے بچوں اور قوم کی
تعلیم کی خواہش ہو جب تک وہ تعلیم اپنے ہاتھ
میں نہ لے لے اس کا پورا ہونا غیر ممکن ہے"

ایک اور جگہ کہتے ہیں:

"مسلمانوں کو یہ شرم نہیں آتی کہ
مشنری تعلیم گاہوں میں وہ اپنے لڑکوں کو
بھیجتے ہیں۔ ان کو جوش پیدا نہیں ہوتا۔ ان
کو غیرت نہیں آتی"

اس لیے انہوں نے علی گڑھ کے مدرسہ اور کالج کی
بنیاد ڈالی۔ لیکن ان کا مقصد صرف ڈگری لیے ہوئے
نوجوان پیدا کرنا نہ تھا بلکہ وہ چاہتے تھے کہ:

"اے دوستو! مجھ کو یہ بات کچھ زیادہ
خوش کرنے والی نہیں ہے کہ کسی مسلمان
نے بی۔ اے یا ایم۔ اے کی ڈگری
حاصل کرلی ہے۔ میری خوشی قوم کو قوم
بنانے کی ہے"

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ کے
سامنے بھی یہی مسائل تھے۔ لیکن ان کی فکر کا محور
اور عمل کا انداز مختلف تھا۔ اگر ایک طرف

سیاسی محاذ پر انگریزوں کی بربریت نے یاس و پژمردگی کے احساسات کو مسلمانوں میں جاگزیں کر دیا تھا، تو دوسری طرف عیسائی مشنریاں اسلام کے خلاف زہر افشانی کر کے مسلمانوں کی دل آزاری میں مصروف تھیں۔ اور برطانوی پارلیمنٹ کے دارالعوام میں اعلان کیا جا رہا تھا کہ:

"خداوند تعالے نے ہمیں یہ دن دکھایا ہے کہ ہندوستان کی سلطنت انگلستان کے زیر نگین ہے تاکہ عیسیٰ مسیح کا جھنڈا ہندوستان کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک لہرائے۔ ہر شخص کو اپنی تمام تر قوت تمام ہندوستان کو عیسائی بنانے کے عظیم الشان کام کی تکمیل میں صرف کرنی چاہئے اور اس میں تساہل نہ کرنا چاہیئے۔"

تیسری طرف ایک نئے نظام تعلیم کی داغ بیل تمامتر جارحانہ عزائم کے ساتھ ڈالی جا رہی تھی جس کا مقصد لارڈ میکالے کے بقول ایسے نوجوان پیدا کرنا تھا، "جو رنگ و نسل کے اعتبار سے ہندوستانی ہوں تو دل اور دماغ کے اعتبار سے فرنگی"

ان حالات کا جائزہ لے کر حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے جہاں ایک طرف مسلمانوں کے اندر پیدا شدہ احساس کمتری کو دور کرنے اور دین حق کو پادریوں کے نرغہ میں سے نکالنے کے لئے ان سے مناظرے کئے وہیں دوسری طرف انہوں نے دارالعلوم دیوبند کو اسلام کا ایک ایسا دفاعی قلعہ بنا دیا، جس نے ان تمام حملوں کا دندان شکن جواب دیا جو دین برحق اور ان کے لانے والے دین پر کئے جا رہے تھے انہوں نے دارالعلوم سے دین کے ایسے جانباز سپاہی پیدا کئے جنہوں نے اپنے بانی کے عظیم مشن کو پورا کرنے کے لئے ہر ممکن جدوجہد کی۔

اب اگر ہم معروضی انداز نظر اور غیر جانبداری کے ساتھ دونوں تحریکوں اور اداروں کے مقاصد پر غور کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ سرسید اور مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ دونوں ہی مسلمانوں کے واسطے ایک "باعزت زندگی" کے لئے فکر مند ہیں۔ دونوں اس کیمیا کے متلاشی ہیں جس کے ذریعہ مسلمانوں کو ایک بار پھر آبرو اور وقار کے ساتھ سر بلند کر سکیں اور عزت و خود داری کے ساتھ نئے حالات میں نئی منزلوں کی طرف سفر کر سکیں۔ یہ خاص بات ہے کہ سرسید مذہبی اور مشرقی تعلیم کے حامی ہیں اور مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ علوم جدیدہ کے حصول کے قائل۔ مولانا سعید احمد اکبر آبادی اپنے ایک مضمون (بعنوان "دیوبند اور علی گڑھ" مطبوعہ علی گڑھ تحریک۔ مرتبہ نسیم قریشی) میں "سوانح قاسمی" کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی کا علوم جدیدہ کے حصول کے بارے میں موقف یہ تھا کہ:

"مقدم مذہبی دینی تعلیم ہے، تاکہ سیرت و عقیدت پختہ ہو جائے اور دارالعلوم میں اس کا بندوبست کیا گیا ہے۔ جو طلباء یہاں سے فارغ ہو کر علوم جدیدہ کی تعلیم حاصل کریں گے، وہ بہ نسبت دوسروں کے ان کو جلدی بھی حاصل کر لیں گے اور ساتھ ہی ان مفاسد سے بھی محفوظ رہیں گے، جو علوم جدیدہ سے پیدا ہوتے ہیں۔۔ مولانا کا دعویٰ تھا کہ اگر اس ترتیب سے مسلمان طلباء تعلیم حاصل کریں گے تو سرکار کو بھی معلوم ہوگا کہ استعداد اسے کہتے ہیں۔"

لیکن یہ سچ ہے کہ دونوں بزرگوں کی شخصیتیں جس طرح جدا ہیں اسی طرح ان کے انداز مختلف ہیں۔ جو ان کی اپنی اپنی فکر اور طبیعتوں کے غماز ہیں۔

اس بات سے کسے انکار ہو سکتا ہے کہ دونوں تحریکوں اور اداروں نے اپنے اپنے دائروں میں اپنے بانیوں کے خوابوں کو شرمندۂ تعبیر کرنے میں بڑی حد تک کامیابی حاصل کی ہے۔ دونوں نے اپنے اپنے متعینہ میدانوں پر متاثر کن کامیابیوں کے ریکارڈ قائم کئے ہیں۔ اپنے اپنے انداز سے اسلام اور مسلمانوں کی عظمت، سربلندی اور تشخص کے لئے انتھک کوششیں کی ہیں۔ چودھویں صدی میں آنے والے سیاسی زلزلوں، سر اٹھانے والے فتنوں اور کٹھن مراحل میں مسلمانوں کی طرف سے پامردی اور استقامت کا مظاہرہ کیا، سدِّ باب کیا اور اپنے اپنے طریقوں سے رہنمائی کی ہے۔

لیکن اب علی گڑھ اور دیوبند، دونوں ایک صدی سے زیادہ مدت کی مسافت طے کر چکے ہیں۔ اور اب آگے کی سمت چلنے اور اگلے سفر کا آغاز کرنے سے پہلے انہیں ایک نیا لائحہ عمل طے کرنا چاہئے۔ کیونکہ اب چودھویں صدی تو رخصت ہو رہی ہے، نئی صدی کا آغاز ہونے جا رہا ہے اس نئے دور کے مسائل بھی نئے ہیں۔ اس لئے ضروری ہے کہ اب حکمت عملی بھی نئی ہو، انداز کار بھی نیا ہو، منزلیں بھی نئی ہوں اور جادہ بھی نیا۔ کیونکہ ؎

کیفیت باقی پرانے کوہ و صحرا میں نہیں
ہے جنوں تیرا نیا پیدا نیا ویرانہ کر
(اقبال)

سو یہ بات پیش نظر رہنی چاہئے کہ اب انفرادیت سے زیادہ زمانہ کا تقاضا اور مسلمانوں کی ضرورت اجتماعیت ہے۔ اب علی گڑھ اور دیوبند دونوں کو الگ الگ راہوں پر چلنے کے بجائے باہمی اشتراک و تعاون کی نئی راہیں پیدا کرنی ہوں گی۔ اس حقیقت سے کسے انکار ہو سکتا ہے کہ کسی بھی معاشرے کی حالت کبھی ایک جیسی نہیں رہتی۔ تغیر اور تبدیلی کا عمل برابر جاری رہتا ہے۔ فرق بس اتنا ہوتا ہے کہ یہ کبھی معمولی ہوتی ہے اور کبھی ہمہ گیر۔ دوسرے یہ بھی سچ ہے کہ کوئی گزرا زمانہ اپنی گذشتہ شکل میں واپس نہیں آتا۔ اور نئے زمانے میں نئے تقاضوں کے مقابلے سے کوئی فرار کا راستہ نہیں اور آج مسلمان اس سلسلے میں سخت قسم کی ذہنی کشمکش کا شکار ہے۔ ان کے سامنے ایک طرف ماضی کی اقدار ہیں، پرانے اصول تو دوسری طرف نئے عہد کے تقاضے ہیں اور نئے زمانے کے نئے چیلنج۔ اور جب زیادتی بھی دونوں انتہا پسند گروہوں میں بڑھی ہوئی ہو تو اس کشمکش کا اپنی انتہا کو پہنچنا ایک لازمی امر ہے۔

آج جب مسلم دنیا میں نشاۃ الثانیہ کے آثار نمایاں ہو رہے ہیں۔ اس بات کی اہمیت اور زیادہ ہو گئی ہے کہ دین سے محبت رکھنے والے وہ تمام عناصر جو چاہے علی گڑھ کی جدید تعلیم کے ذریعہ پروان چڑھے ہوں یا دیوبند کی قدیم تعلیم سے بہرہ ور ملی جل کر مسلمانوں کی رہنمائی کا فریضہ انجام دیں۔ ورنہ مولانا محمد تقی امینی صاحب کے قلم سے نکلے ہوئے اس شکوہ سے کوئی فائدہ نہ ہوگا کہ:

"مسلم قوم کا حال یہ ہے کہ نشاۃ الثانیہ کی تاسیس میں اس نے مذہب سے رہنمائی حاصل کرنے کے بجائے "یورپ" کو رہنما بنایا ہے۔ جس کی بنا پر اسلام کی حیثیت ایک گم کردہ راہ قافلہ کی ہو گئی ہے۔ کہ جس کا نہ کوئی نصب العین باقی رہتا ہے اور نہ بلند مقصد"

ترقی اور تنزل کے آثار بظاہر تو ایک دم ظاہر ہونے

ہیں لیکن یہ کسی اچانک رونما ہونے والے واقعہ کی طرح سبب نہیں ہوتے۔ بلکہ ان کا سفر آہستہ آہستہ جاری رہتا ہے اور ان کے اس سفر کی کوئی آہٹ یا دستک کوئی پہچان کسی کو سنائی نہیں دیتی۔ مولانا ابوالکلام آزاد نے "ترقی نصاب کمیٹی" کے ارکان کو فروری ۱۹۴۷ء میں لکھنؤ میں خطاب کرتے ہوئے اس حقیقت کی طرف بڑے لطیف پیرایہ میں اس طرح بیان کیا کہ:

"ترقی اور تنزل کا معاملہ ایک عجیب معاملہ ہے۔ کتنی کھلی ہوئی اس تنزل کی باتیں ہوں، یا ترقی کی باتیں ہوں، ان کو آپ یا آپ کا زمانہ فوراً نہیں پکڑ سکتا، یا محسوس نہیں کرسکتا۔ ترقی اور تنزل حقیقتاً دونوں بڑی دھیمی چال چلتے ہیں۔ ایسی دھیمی چال چلتے ہیں کہ آپ کو پتا ہی نہیں چلتا کہ کوئی چل رہا ہے۔ لیکن وقت کافی گذر جاتا ہے اور کافی مسافت جب زمانہ طے کرلیتا ہے۔ تب آپ چونکتے ہیں، مورخ چونکتا ہے، اور لکھتا ہے کہ حقیقت یہاں سے یہاں آگئی لیکن وہ اچانک نہیں آئی ہے۔ پچاس ساٹھ یا سو برس میں یہاں آئی ہے۔ لیکن اس سو برس میں اس کی چال اتنی دھیمی تھی کہ اس چال کو کوئی نہیں پکڑ سکتا تھا۔"

ترقی اور تنزل کے معاملہ کے عجیب ہونے کے ساتھ ہی یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ یہ ان ہی کے تابع فرمان ہوتے ہیں جو کہ وقت اور زندگی کی چال کے ساتھ ہم آہنگ ہوں۔ ہم اگر مسلم معاشرہ پر نگاہیں ڈالیں تو معاملہ اس کے بالکل برعکس نظر آتا ہے وقت اور زندگی کی چال کے ساتھ ہم آہنگی تو بڑی بات ہے۔ آج مسلم معاشرہ میں جذباتی ہم آہنگی بھی مفقود ہے اور معاملہ یہ ہے کہ [illegible] عالم دین اور مفکر مولانا محمد تقی امینی نے کہا تھا کہ:

"مسلمانوں میں دین و مذہب کا جو [illegible] عام طور سے قائم ہے وہ بڑی حد تک [illegible] تعلیم [illegible] جس میں یہ [illegible] دین و دنیا کی تقسیم ہوگئی ہے ہر قدیم شے دین بن گئی اور ہر جدید شے دنیا کے نام سے موسوم ہوگئی۔ منطق و قدیم فلسفہ دین ہے اور سائنس و جدید فلسفہ دنیا ہے۔ [illegible] دین ہے اور [illegible] تربیت دنیا ہے۔ انفرادی ملکیت کا تصور دین ہے اور اجتماعی تنظیم کا تخیل دنیا ہے مکتب و مدرسہ کی ملازمت دین ہے اور کالج و یونیورسٹی کی ملازمت دنیا ہے۔ عبادات و اخلاق کی تبلیغ دین ہے اور ریسرچ و تحقیق کی تلقین دنیا ہے۔ حکومت الٰہیہ کی دعوت دین ہے اور حالات زمانہ کی رعایت دنیا ہے۔ غرض جس پر قدامت کی چھاپ ہو وہ سب دین ہے اور جس میں جدت کی بو آگئی وہ سب دنیا ہے۔

نہایت دکھ کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ یہ تصور مسلمانوں کو زندہ رہنے کے قابل کبھی نہیں بنا سکتا۔ لامحالہ اس تصور کی وجہ سے مذہب کو مسجد و مدرسہ کی چہار دیواری میں محدود رہنا پڑے گا اور صرف سکون حاصل کرنے کے لئے مذہب کے "آستانہ" پر حاضری ہوتی رہے گی۔"

اس لئے اس وقت کی سب سے بڑی ضرورت یہ ہے کہ قدیم و جدید اور دنیا و دین کی اس کشمکش سے نجات حاصل کی جائے۔ اپنے حالات کی سنجیدہ [illegible] یعنی

کہئے یا دو متضاد نظریات کا منطقی نتیجہ کہ قدامت پسندی اور جدت طرازی کے مثیل ہماری مسلم سوسائٹی میں "دیوبند اور علی گڑھ" بن گئے ہیں۔ یہ دین اور دنیا کے دو مختلف دھارے ہیں جو مختلف سمتوں میں ایک دوسرے سے الگ الگ بہہ رہے ہیں۔ کیا ان کا سنگم کہیں ممکن ہو گا — ؟ یہی سب سے بڑا سوال ہے۔

آج نئے علوم کی یلغار اور زمانے کی تحدّی کا جواب دینے اور اسلام کو غالب کرنے کے لئے ضروری ہے کہ قدیم و جدید کی کشمکش سے آزاد ہو جائے۔ ہمیں اس سے انکار نہیں کہ اس کی ضرورت کا احساس سب کو ہے لیکن وہ روبہ کار نہیں آ پا رہی ہے۔ ایک سوال جو اس راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے وہ یہ ہے کہ ان تمام مسائل کے حل کے لئے متحدہ اور متفقہ کوششوں کی عملی شکل کیا ہو۔ اس کا جواب یہ ہے کہ علی گڑھ اور دیوبند کے ذمہ دار بیٹھیں اور ایک نئے ربط و تعلق کی بنیاد ڈالیں رکھیں۔ اس احساس کے ساتھ کہ دنیا، دین کا حصہ ہے اور دین، دنیا کی ضرورت آج جب کہ مستشرقین کی تحقیقی کاوشوں کے نتیجے میں جدید تعلیم یافتہ مسلم نوجوان تشکیک کا شکار ہو رہا ہے تو ضروری ہے کہ علامہ سید رشید رضا کی اس تقریر کو رہنما بنایا جائے جو انہوں نے ۱۵ اپریل ۱۹۱۲ء کو دارالعلوم دیوبند میں کی تھی۔ انہوں نے کہا تھا:

"ایک جماعت ہم میں ایسی بھی ہونی چاہیے جو ان شبہات کو رفع کرے، جو اسلام پر کئے جاتے ہیں اور خصوصاً وہ شبہات جو موجودہ زمانے کے علوم و فنون کی بنا پر کئے جاتے ہیں۔ مگر ایسے شبہات کا رفع کرنا بغیر فلسفۂ جدید کی واقفیت کے ناممکن ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ اس جماعت کے اشخاص فلسفۂ جدید کے اہم مسائل سے واقفیت رکھتے ہوں۔"

میری ناچیز رائے میں یہی وہ اہم ضرورت ہے کہ جہاں علی گڑھ اور دیوبند کا اشتراک ممکن بھی ہے اور دونوں کے لئے ناگزیر بھی۔ جدید علوم سے استفادہ کے لئے دیوبند کے فاضلین علی گڑھ آئیں اور دین کی اساسی بنیادوں اور تعلیمات کے سمجھنے کے لئے علی گڑھ والے دیوبند جائیں۔ چونکہ آج اس علمی افلاس کو بھی دور کرنے کی ضرورت ہے۔ جس سے دونوں طرف کے لوگ دوچار ہیں۔ آج اگر ایک طرف شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ کے بقول جہاں یہ بات صحیح ہے کہ:

"یہ بدیہی امر ہے کہ مسلمان اگر کیسی ہی ترقی مال و دولت، حکومت و تجارت وغیرہ میں کریں مگر اسلام اور اس کے احکام سے نابلد اور ناواقف ہوں تو وہ اسلام اور مسلمانوں کی ترقی نہیں کہی جا سکتی۔"

وہیں مولانا آزاد کی یہ رائے بھی صداقت پر مبنی ہے کہ:

"وقت اور زندگی کی چال کے متعلق کوئی تعلیم کامیاب نہیں ہو سکتی، اگر وہ وقت اور زندگی کی چال کے ساتھ نہ ہو۔ جو تعلیم ہو وہ ایسی ہونی چاہئے کہ زمانہ کی جو چال ہے، وہ اس کے ساتھ جوڑ سکتی ہو، اگر آپ دونوں کو دنیا کو الگ رکھیں گے، تو وہ تعلیم کامیاب نہیں ہو سکتی۔"

اس لئے ضروری ہے کہ علی گڑھ اور دیوبند آگے بڑھیں اور اس جذبۂ صادق کے ساتھ کہ انہیں

نئے دور کے نئے مسائل کا سامنا کرنا ہے۔ اور یہ کام مل جل کر انجام دینا ہے۔ آج یہ بات ممکن ہو سکتی ہے کہ دارالعلوم دیوبند کے اکابر جدید تعلیم یافتہ مسلم نوجوانوں کے لئے اپنے یہاں مروجہ ۹ سالہ نصاب کے بجوڑ کو تیار کر کے ایک کم مدت کا نصاب تیار کریں۔ ہماری اطلاع کے مطابق جنوبی افریقہ وغیرہ کے طالب علموں کی سہولت کے لئے دارالعلوم اس قسم کی آسانی فراہم کر چکا ہے اور علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے ذمہ داروں کو بھی چاہیئے کہ اب تک انہوں نے دارالعلوم دیوبند کی اسناد کو جس طرح ضمنی طور پر تسلیم کیا ہے وہ اس دائرے کو وسیع کریں۔ مثال کے طور پر عربی، فارسی اور اسلامی علوم میں تحقیقی کاموں کے لئے دیوبند کی "فضیلت" کی سند کو ایم۔ اے کے مساوی تسلیم کیا جا سکتا ہے۔ یہ کوئی نئی بات نہیں مغرب کی بعض عظیم دانش گاہیں ندوۃ العلماء کے دارالعلوم کی سند فضیلت کو اپنے یہاں علوم مشرق میں تحقیق کے لئے ایم۔ اے کے مساوی تسلیم کرنے لگی ہیں۔ اکابر دیوبند ایک کام یہ بھی کر سکتے ہیں کہ وہ اپنے فراغت کے مرحلے میں داخل طلباء کے عام استفادہ کے لئے علی گڑھ کے اشتراک سے جدید علوم کا ایک مختصر وقفہ کا کورس دارالعلوم ہی میں شروع کر سکتے ہیں۔

بہرحال یہ تو وہ سرسری تجاویز ہیں جو اس وقت نوک قلم پر آ گئی ہیں۔ اصل مسئلہ یہ ہے کہ آج باہمی اتحاد، اشتراک، تعاون کے بغیر نہ تو دیوبند "دین" کی پوری طرح خدمت کر سکتا ہے اور نہ ہی علی گڑھ اپنی "دنیا" کو سنوار سکتا ہے۔ اس طرح دونوں تحریکوں کے قافلہ سالاروں اور اداروں کے فرزندوں کا یہ فرض ہے کہ وہ اس سنگم کو وجود میں لائیں جو دیوبند کے دین اور علی گڑھ کی دنیا کو یکجا کر سکے۔ قدیم و جدید کے فرق کو مٹا سکے۔ دارالعلوم دیوبند کے جشن صد سالہ کے موقع پر جو اپنے بانی کی صد سالہ برسی کے موقع پر ہو رہا ہے۔ بجا طور پر یہ امید کی جا رہی ہے کہ؎

کریں گے اہل نظر تازہ بستیاں آباد
مری نگاہ نہیں سوئے کوفہ و بغداد
(اقبال)

بقیہ: دارالعلوم میں زبان و قلم کی انجمن (صفحہ ۲۰۹)

لئے کہ اب ان کی کوئی یادگار نہیں ہے۔ البتہ کچھ موجود انجمنوں کا تذکرہ بھی اس لئے نہیں کیا جا سکا کہ راقم الحروف کو ان کے ذمہ داروں سے موقع نہ مل سکا۔ ان کے نام ہیں "اتحاد الطلبہ ملیشیا"، "نعرۃ الاسلام منی پور"، "ایسوسی ایشن آف افریقن اسٹوڈنٹس" وغیرہ،

طالبان کے دارالعلوم کی زندگی کا یہ گوشہ مزید محتاج تفصیل ہے۔ اور امید ہے کہ مستقبل میں اس موضوع پر مزید کلام کیا جا سکے گا،

دورِ آزادی کے صدر المدرسین دار العلوم دیوبند اور آزاد ہندوستان

(از:- ظفیر الدین دار العلوم دیوبند)

مئی ۱۹۶۲ء میں ایک مضمون ایک غلط مقولہ کے جواب میں لکھا گیا تھا جو اس وقت ایک نام سے شائع کیا گیا تھا۔ اس کا ایک حصہ الجمعیۃ کے نمبر کے لئے حاضر ہے۔ عنوان میں تھوڑی تبدیلی کردی گئی ہے۔

اس وقت ہمیں صرف حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق چند باتیں عرض کرنی ہیں، تفصیل سے پھر کبھی عرض کی جائیں گی۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی رح کی زندگی کا کوئی گوشہ مستور نہیں رہا، مالٹا سے واپسی پر آپ کا ارادہ تھا کہ مدینہ منورہ پہونچیں جہاں آپ کا خاندان تھا اور جو افتادِ زمانہ سے تباہ و برباد ہوکر مختصر رہ گیا تھا مگر آپ کے استاد شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن رح کے اصرار ہوا کہ ہندوستان میں رہ کر ملک وقوم کی خدمت انجام دو، حالات کا تقاضا بھی اس

وقت کچھ ایسا ہی تھا شیخ الاسلام رح ان حالات میں ہندوستان
کے قیام پر مجبور ہوئے ہمیشہ آپ فرمایا کرتے تھے
کہ ملک کی تحریک آزادی کو کامیاب بنا کر حجاز مقدس
ہی کو وطن بنانا ہے تاکہ زندگی کے آخری لمحات سرورِ کونین
صلی اللہ علیہ وسلم کے جوار میں گزارنے کی سعادت حاصل
ہو سکے۔ مگر ملک جن حالات میں آزاد ہوا اور مسلمان
جن مظالم اور خون ریز حالات میں گھرے ہوئے تھے
یہاں اس کی تفصیل کی ضرورت نہیں ملک کا بچہ
بچہ جانتا ہے اس ہولناک وقت میں حجاز کی واپسی
کا سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا تھا۔ شیخ الاسلام رح
اور پوری جمعیۃ علماء ہند اس وقت اس کو غنیمت
سمجھ رہی تھی کہ مسلمان ہندوستان میں رک جائیں۔
اور وطن سے بے وطن نہ ہوں اس جدوجہد اور تگ و دو
میں ان علماء کو جو کچھ کرنا پڑا ہر ایک باخبر جانتا ہے،
پوری قوت کے ساتھ حضرت شیخ الاسلام رح اور آپ
کے رفقاء نے مسلمانوں کو ہجرت سے روکا اور اس ملک
میں جمے رہنے کی تلقین کی۔

اب بھی ہندوستان کے لاکھوں ہندو مسلمان
شہادت دیں گے کہ شیخ الاسلام رح حضرت مدنی رح
نے ملک کے گوشہ گوشہ میں خوف و ہراس کے خلاف
تقریریں کیں ارباب حکومت کو جھنجھوڑا انہیں خود
ان کے فرائض یاد دلائے اور تقاضائے وقت پر
کان دھرنے کی تلقین کی جس کے متعلق خود مضمون نگار
نے اپنے مضمون میں اشارہ کیا ہے۔

دو ڈھائی فٹ اونچے ناملوں کا پلندہ گز
ڈیڑھ گز کے فاصلے سے میں نے دیکھا۔ اور
وہ مشتمل تھا سی آئی ڈی کی رپورٹوں پر ان
کا خلاصہ یہ تھا کہ حضرت مولانا مدنی رح نے
کہاں کہاں بغاوت کی تقریریں کیں۔

اس ... مضمون نگار کا یہ لکھنا کہ مولانا نے ترکی یا شام
کو ہجرت کرنے کا ارادہ کر لیا تھا تو ایک منسٹر صاحب
نے انہیں ان کی اور ملک کی بہتری کی خاطر اس ارادہ
سے باز رکھا۔" سراسر غلط فہمی یا غلط بیانی ہے ان
حالات میں جن سے ملک دوچار تھا حضرت شیخ الاسلام
مولانا مدنی رحمۃ نے کبھی بھی ایک لمحہ کے لئے شام یا ترکی
کا ارادہ نہیں کیا تھا۔ وہ پہلے کی طرح اس پر مضبوطی
سے قائم تھے کہ اس ملک میں رہنا ہے اور اس وقت
تک رہنا ہے جب تک کہ حالات مسلمانوں کے لئے
سازگار نہ ہو جائیں۔ مدینہ منورہ کا ارادہ تو کیا جا
سکتا ہے مگر وہ بھی ان حالات میں نہیں بلکہ مدنی
فارمولا کے مطابق اگر آزادی آجاتی اس وقت جب
کہ مسلمان اس ملک میں ہر طرح سے مطمئن ہوتے۔

نہ معلوم مضمون نگار نے یہ بات کہاں سے
اڑائی ہے کہ ترکی یا شام کی ہجرت کا ارادہ کر چکے
تھے اور وہ بھی حالات سے گھبرا کر جو لوگ مولانا مدنی
کو قریب سے جانتے ہیں ان سے پوچھئے کہ حضرت
مولانا مدنی رح سخت سے سخت حالات میں بھی گھبرانا
نہیں جانتے تھے وہ عزم واستقلال کی ایسی مستحکم
چٹان تھے جسے انقلاب زمانہ کا کوئی طوفان اپنی جگہ
سے ہلا نہیں سکتا تھا یہ درست ہے کہ آپ آزاد
حکومت کے رویہ سے مطمئن نہیں تھے یہ بھی صحیح ہے
کہ کانگریسی رہنماؤں کی وقعت آپ کی نگاہ میں
باقی نہ رہ گئی تھی ان کی طرف سے تنفر پیدا ہو چکا
تھا آپ دیانت داری کے ساتھ محسوس کرتے
تھے کہ عدل وانصاف کے سلسلے میں ارباب حکومت
اپنے فرائض انجام نہیں دے رہے ہیں مسلمانوں پر
بے جا مظالم ڈھائے جا رہے ہیں اور کانگریسی نیتاؤں
میں ذرا بھی حرکت نہیں پیدا ہوتی ملک آزاد ہوا مگر
آزادی کا ثمرہ ملک حاصل نہ کر سکا ملک کی آزادی
کے لئے آپ کی قربانی کسی سے کم نہ تھی بلکہ بہت
زیادہ ذاتی مفاد کی شکل میں لوگ اپنی جدوجہد کا
ثمرہ حاصل کر رہے تھے اور اقتدار کے نشے میں

انہیں پہلا عہد و پیمان بالکل یاد نہ رہا انہوں نے آزادی کا ماحصل، وزارت، گورنری، سفارت اور بڑے بڑے عہدوں کو سمجھ رکھا تھا حضرت مدنی رح کو بجا طور پر اس کا دکھ تھا کہ یہ سارے لیڈر اپنا فرض منصبی فراموش کر چکے ہیں۔ دل شکستگی اس سے تھی کہ یہ آخر کیا کر رہے ہیں چنانچہ جب کبھی اس مسئلہ پر بحث ہوتی آپ صاف صاف فرماتے کہ جو کچھ ہو رہا ہے غلط ہو رہا ہے۔

آپ آخر دم تک جمعیۃ علماء ہند کے صدر کی حیثیت سے ملک و قوم کی خدمت انجام دیتے رہے آپ کے خطبات کا مطالعہ اب بھی کیا جا سکتا ہے جمعیۃ علماء ہند کے پلیٹ فارم سے برابر سیاسی تقریریں فرماتے رہے اور مسلمانوں کو ہمیشہ جرأت کی تلقین کی۔

حکومت ہند نے جس سال آپ کو "پدم بھوشن" کا خطاب دینا چاہا تھا۔ آپ نے اس کی واپسی کے جواب میں حکومت کو جو خط لکھا تھا کاش اس کا اصل متن کہیں مل جاتا تو آپ اندازہ لگاتے کہ حضرت مدنی رح کی حق گوئی آزاد بھارت میں بھی برقرار تھی جمعیۃ کے خدام نے اس خط کو روک لیا اور اس کی جگہ دوسری تحریر حضرت مولانا کی طرف سے اشاعت کے لئے اخبارات کو دی یہ سمجھنا کہ حضرت والا حکومت سے خوف زدہ تھے یا جیل اور پھانسی سے ڈرتے تھے سراسر غلط ہے۔

آپ کی پوری زندگی شاہد ہے کہ حق گوئی کے سلسلہ میں کبھی بھی آپ کے قدموں میں ادنیٰ سی جنبش بھی نہیں پیدا ہوئی۔

ہاں یہ درست ہے کہ آزاد بھارت میں جو لوگ برسر اقتدار آئے یہ وہی تھے جو کل تک ملک کی آزادی کے لئے آپ کے پیچھے پیچھے چل رہے تھے۔ اقتدار کے حصول کے بعد ان کے دماغ میں حکومت کا نشہ پیدا ہو گیا تھا آپ نہیں چاہتے تھے کہ ان کے در پر حاضری ہو ان کو پاس آنا جانا باقی رہے۔ جیسا کہ اہل اللہ کا ہر زمانہ میں دستور رہا ہے۔

ایک دن سابق وزیر دفاع مہابیر تیاگی حاضر ہوئے ایک مہمان کی حیثیت سے آپ نے ان کی بہت پھر تواضع کی مگر جب چلنے لگے وقت وزیر دفاع صاحب نے التجا کی کہ حضور! میری خواہش ہے کہ کوئی خدمت میرے سپرد فرمائیں تو آپ نے برجستہ فرمایا۔

> تمہیں فرصت سے کب فرصت ہم اپنے غم سے کب خالی
> چلو بس ہو چکا ملنا نہ تم خالی نہ ہم خالی!

ایک مرتبہ کسی نے درخواست کی کہ حضرت! میرا فلاں کام اٹکا ہوا ہے ایک سفارشی چٹھی لکھ دیجئے یہ سن کر آپ نے فرمایا۔

> میری ان سے رسم الفت ہٹ گئی!
> مدتیں گزریں زمانہ ہو گیا!

اسی طرح ایک مرتبہ جب غازی آباد میں کسی نے دہلی جانے کی درخواست کی تو آپ نے پوچھا کیا کام ہے وہ صاحب کہنے لگے صدر جمہوریہ کے پاس جانا ہے آپ نے برجستہ کہا۔

> مجھے کیا ضرورت کہ وہاں جاؤں وہ بادشاہ
> میں فقیر میرا ان کا کیا جوڑ اب وہ پہلے والے
> راجندر پرشاد نہیں ہیں اب وہ بادشاہ ہیں

اسی طرح کے واقعات سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ حضرت والا ان ارباب اقتدار سے خوش نہیں تھے اور آپ کو یقین تھا کہ حکومت کی گدی پر آتے ہی یہ سب بدل گئے اور اس طرح کہ اب وہ پہچانے بھی نہیں جاتے۔

یہ کہنا کہ وہ حکومت کے خوف سے سیاسی میدان سے الگ ہو گئے تھے سورج پر دھول ڈالنے کے مترادف ہے یہ کون نہیں جانتا کہ حضرت مولانا مدنی رح

صرف ایک سیاسی خادم ملک ہی کی حیثیت نہیں رکھتے تھے، بلکہ آپ اس کے ساتھ ایشیا کی سب سے بڑی اسلامی یونیورسٹی کے سربراہ اور شیخ الحدیث بھی تھے اور ایک زبردست روحانی پیشوا بھی۔ ملک و بیرون ملک میں لاکھوں آپ کے مرید پھیلے ہوئے تھے اور یہی وجہ ہے سیاسی تقریروں کے ساتھ درس و تدریس کا سلسلہ بھی جاری رہا اور ارشاد کا مشغلہ بھی ۱۹۴۷ء میں ملک سے جیسے کبھی بن پڑا انگریزوں کو جانا پڑا اور ملک انگریزی استعمار کی لعنت سے نجات پا گیا۔ اس طرح ایک اہم مقصد میں آپ کامیاب ہو چکے تھے ۱۹۴۷ء کے بعد دو چار سال حالات کے بدلنے ارباب حکومت کے جھنجھوڑنے میں بھی کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی دن رات مسلسل دوڑتے رہے جب حالات کچھ پرسکون ہوئے اور برادران وطن کے رویہ سے مسلمان نڈھال سے ہونے لگے تو آپ نے زیادہ توجہ ان کی باطنی اصلاح کی طرف ڈالی۔ دوسرے آپ عمر کے جس حصہ میں پہنچ چکے تھے اس کا بھی قدرتی تقاضا تھا کہ ساری توجہ باطنی اصلاح کی طرف صرف کی جائے آخرت کا خوف موت اور اس کے بعد کے حالات جب مستحضر ہوتے ہیں تو ہر با خدا انسان فطری طور پر اپنے دوسرے مشاغل سے علیحدہ ہو کر یا اس سے کم کر کے دوسری تیاری میں مصروف ہو جاتا ہے۔ یا شبہ یہی کیفیت حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنی قدس سرہ پر بھی طاری ہوئی اور اس سلسلے سے دورے جلدی ہونے لگے مگر اسے مولود خوانی سے تعبیر کرنا تو ذہنی [illegible] کا نتیجہ ہی ہو نا چاہئے۔ جو لوگ [illegible] ہوتے ہیں اور جنہیں آخرت کی کوئی فکر نہیں وہی اسی طرح کی باتیں کر سکتے ہیں۔

سیاسی زندگی سے کنارہ کشی کا طعنہ اس وقت ضرور کسی درجہ میں جائز ہوتا جب آپ اور آپ کے رفقاء کار جمعیۃ علماء ہند سے کنارہ کش ہو جاتے یا جمعیۃ سرے سے کسی سیاسی ملکی کام میں حصہ نہ لیتی مگر کون کہہ سکتا ہے کہ جمعیۃ علماء ہند جس کے آخری سانس تک آپ صدر تھے مسلمانوں کے مصائب کے وقت خاموش رہی آگ و خون میں گھس کر اس نے مسلمانوں کی خدمت انجام نہیں دی یا اس نے اپنے دروازے بند کر لئے یا جمعیۃ علماء کے آرگن اور ترجمان "الجمعیۃ" نے سیاسی اور ملکی مسئلوں پر اداریہ لکھنا بند کر دیا اور ارباب اقتدار کو ان کی غلطیوں پر نہیں ٹوکا۔ یا اس ظلم و نا انصافی کے خلاف آواز بلند نہیں کی جب ان باتوں میں سے کوئی بات نہیں ہوئی اور یقیناً ایسا ہی ہے پھر شیخ الاسلام حضرت مولانا مدنی رح پر مولود خوانی کا طعنہ کسی طرح زیب نہیں دیتا۔ جب کبھی حضرت والا کی زندگی کا وہ حصہ شائع ہو گا جو آزاد بھارت کی خدمت سے متعلق ہے اس وقت اہل علم کو معلوم ہو سکے گا کہ آپ نے کیا کیا۔ اور کیا کرنا چاہتے تھے۔

رہی گاندھی جی پر اثر ڈالنے کی بات پتہ نہیں اس سے مقصد کیا ہے حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنی رح یقیناً ایک زبردست روحانی پیشوا کی حیثیت رکھتے تھے اور اس کا اعتراف دوست دشمن اور ہندو مسلمان سب کو تھا۔ اور آج بھی ہے گاندھی یا کسی کا راہ حق پا لینا قسمت کی بات ہے اس کی کوشش کرنے والے کرتے ہیں اور یقیناً کرتے ہیں مگر جس کے لئے راہ راست مقدر ہی میں نہیں اس کے لئے ہزار جتن کئے جائیں کوئی اثر نہیں ہوتا۔ باقی ظاہرا اثر جو ہو سکتا ہے اس کا اعتراف خود گاندھی جی نے بھی کیا کہ حضرت مولانا کی طرف دل کھنچتا ہے پھول کی دل آویزی اور خوشبو کا کوئی انکار کرنا بھی چاہے تو کیسے کر سکتا ہے خواہ مخواہ اس کی طرف دل کا کھنچنا ضروری ہے اور بقدر ظرف اس

سہ روزہ الجمعیۃ دہلی

سے فائدہ بھی حاصل ہوتا ہے۔ حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ کی روحانیت ظاہر تھی لاکھوں انسانوں نے اس سے فائدہ اٹھایا اور آج بھی اس سے استفادہ کا سلسلہ کسی نہ کسی شکل میں جاری ہے۔

مختصر یہ ہے کہ شیخ الاسلام حضرت مولانا مدنی رحمہ ایک بے باک اور حق گو عالم دین اور زعیم ملت تھے۔ آپ آزاد بھارت میں اس شان سے رہے جس طرح انگریزی دور حکومت میں رہتے تھے ملک و ملت کی بھلائی کے لئے دن رات کوشاں رہے فرق یہ تھا کہ انگریزی دور حکومت میں جواں سال توانائی اور تنو مند و تندرست تھے۔ لیکن آزاد بھارت میں بظاہر پیری اور ضعف و امراض کا شکار رہے اگرچہ دل و دماغ اسی طرح کام کرتا رہا۔ اور شان و جرأت بے باکی وہی تھی۔ یہ خوب ذہن نشین رہے کہ آپ دراصل مرشد کامل عالم ربانی اور خادم خلق تھے۔ مگر حالات سے مجبور ہو کر ملک و ملت کے نڈر سپاہی بن گئے اور

آپ کو اس راہ میں بے انتہا مصائب سے دوچار ہونا پڑا اور کبھی آہ تک نہیں کی دن میں اگر ملک کی آزادی کے لئے کوشاں رہتے تو رات اپنے مولا حقیقی کے آگے کھڑے ہو کر گریہ وزاری میں گزارتے آپ کے دل میں صرف خدا کا خوف تھا نہ کسی ظالم حکمراں سے ڈرتے تھے اور نہ کسی بدخواہ عیب جو دشمن سے جو حق بات ہوتی برملا کہتے اور حق کے لئے جان کی بازی لگا دیتے ہاں یہ بجا ہے کہ آزاد بھارت کی حکومت نے آپ کی جیسی قدر کرنی چاہئے تھی نہیں کی۔ اس لئے کہ آپ ایک مخلص مسلمان نے اور ملک و قوم کے سچے خادم جو کچھ کیا اللہ تعالیٰ کے لئے کیا اور اسی سے رحم و کرم اور لطف و بخشش کی امید رکھتے تھے اور اللہ تعالیٰ نے یہی معاملہ آپ کے ساتھ کیا اللہ تعالیٰ آپ پر رحمتوں کی بارش فرمائے۔ اور اپنی بے پایاں رحمتوں سے نوازے۔ آمین ••

جناب رفیق عزیز بیگ

ریشمی رومال تحریک

تاریخ و تجزیہ — جنگ آزادی پر اس کے اثرات

ریشمی رومال تحریک کو بعض حلقوں میں قدامت پسند تنگ نظر مولویوں اور مسجدوں اور مدرسوں میں رہنے والے بوریہ نشین اور کاروبار دنیا سے نابلد نا عاقبت اندیشوں کا ایک غیر عاقلانہ و بے نتیجہ اور غیر منطقیانہ فعل اور بے مقصد و بے نتیجہ سازش سمجھا جاتا ہے لیکن یہ شرمناک غلط فہمی نتیجہ ہے کچھ تو انگریزوں کے مکروہ پروپیگنڈہ کا اور اس شدید بے خبری اور ناواقفیت کا جو اس سازش بلکہ سازش نہیں اس عظیم قومی تحریک کے بارہ میں عام طور پر پائی جاتی ہے۔ اس افسوسناک صورت حال سے ان لوگوں کو بھی بری الذمہ نہیں کیا جاسکتا جو اس تحریک کی گراں بہا وراثت کے امین اور نئی نسلوں کی تعلیم و تربیت اور رہنمائی کے ذمہ دار ہیں۔ افسوس کہ ریشمی رومال تحریک کے بارے میں بہت کم تذکرہ کیا جاتا رہا ہے جب کہ آزادی ہند کی اور انگریزوں کے غلبہ سے نجات کی یہ اولین تحریک ہے اور غالباً سب سے پرانی ہے اور شاہ ولی اللہ رح کی اصلاح معاشرہ کی ہمہ گیر تحریک کا یہ ایک جزو ہے بلاشبہ اس پر شاہ ولی اللہ اور علماء دیوبند کے مسلک فکر کی گہری چھاپ ہے لیکن یہ ہر لحاظ سے ایک قومی تحریک ہے کسی بھی زاویہ سے دیکھئے اسے فرقہ وارانہ نہیں کہا جاسکتا۔

ریشمی رومال تحریک کو حضرت شیخ الہند کی تحریک آزادی کا نام بھی دیا جاتا ہے لیکن اہل نظر جانتے ہیں کہ حضرت شیخ الہند نے ایک تنظیم بنا پر اس تحریک کی نیاد ہستی کی ہے۔ اصل موسس شاہ ولی اللہ مکتب فکر کے دو بزرگ ہیں حضرت شیخ الہند جن کی خاک پا کو آنکھوں [illegible] سمجھتے تھے اور جنہوں نے ۱۸۶۵ میں اس کی بنیاد ڈالی گئی۔

ریشمی رومال تحریک کے تذکرہ کے بغیر ہندوستان کی جدوجہد آزادی کی تاریخ مکمل نہیں ہوسکتی۔ شاہ ولی اللہ کے مکتب فکر کے علماء دارالعلوم دیوبند اور تمام حریت پسند ہندوستانی اس پر بجا طور سے فخر کرتے ہیں۔ راش بہاری بوس کی بم اندازی کی تحریک، لالہ ہردیال ایم اے کی غدر پارٹی و بیراکالی تحریک وغیرہ کے مقابلہ میں شیخ الہند کی تحریک آزادی زیادہ پرانی اور زیادہ ہمہ گیر ہے۔ وہ شاہ ولی اللہ رح کی انقلابی تحریک کی ایک شاخ ہے اگرچہ اس کا تذکرہ اس کثرت کے ساتھ نہیں کیا جاتا جس کی وہ مستحق ہے۔ میرے خیال میں اس تحریک کے افراد کا پروپیگنڈہ سے احتراز اور بعد کے لوگوں میں بزرگوں کی مذہبی اور قومی خدمات سے کوئی دنیاوی فائدہ نہ اٹھانے کی پختہ روایت اس کے دو سبب ہیں لیکن ان وجوہات سے اس کی عظمت اور اہمیت کم نہیں ہوتی۔ راش بہاری بوس نے ۱۹۱۲ء دہلی میں لارڈ ہارڈنگ، وائسرائے پر بم پھینکا تھا۔ پھر انھوں نے بم اندازی چھوڑ دی اور ۱۹۱۵ء میں جاپان پہنچ کر انڈیا انڈیپنڈنس لیگ قائم کی۔ لالہ ہردیال نے جاپان میں غدر پارٹی قائم کی اور ۱۹۱۴ء کی پہلی جنگ عظیم میں برطانوی افواج میں بغاوت کرانے کی ناکام کوشش کی لیکن شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن ۱۹۰۵ء سے پہلے ہی اپنی تحریک کے سلسلہ میں سرگرم تھے۔

ایک بڑا فرق

ان کا کام زیادہ مشکل تھا کیوں کہ وہ ایک عوامی تحریک منظم کر رہے تھے جس کے لئے زیادہ توجہ، زیادہ وقت اور زیادہ طاقت درکار ہوتی ہے۔ جب کہ دہشت انگیز لیڈر گنے چنے دہشت پسند افراد کے ایک محدود حلقہ میں کام کرتے ہیں جس میں مقصد اور حصول مقصد کے طریق کار کو خفیہ رکھنا

آسان ہوتا ہے۔ راش بہاری بوس تشدد اور جنگ کے ذریعہ ہندوستان
کی مکمل آزادی چاہتے تھے اور ۱۹۴۳ء تک اپنی تحریک کی قیادت کرتے رہے
پھر انھوں نے سبھاش چندر بوس کو قیادت سونپ دی۔ ۱۹۴۵ء میں انتقال
ہوا گو سیاسی آزاد ہند فوج کی تاریخی لڑائیوں کے دوران میں ایسا معلوم ہوتا تھا
کہ وہ اس مقصد پر پہنچ رہے ہیں۔ لیکن مشیت کو کچھ اور ہی منظور تھا اور ہندوستان
کی آزادی کا سہرا کانگریس کے سر باندھا جانا مقدر ہو چکا تھا۔ راش بہاری بوس
اور شیخ الہند کی تحریکات کا مقابلہ اور موازنہ مقصود نہیں ان کی یکساں اہمیت ہے
یہ دونوں ہی تشدد کو حصول آزادی کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ ریشمی رومال سازش
کی ناکامی اور ممکن ہے کہ سازش کے دوران غالب بے اثر اور یا اس سے طاقتوں
میں شیخ الہند کی رائے میں تبدیلی آگئی ہو لیکن راش بہاری بوس آخر وقت تک
اپنے تشدد کے نظریہ پر جمے رہے۔

ایک دلچسپ موضوع

شاہ ولی اللہ رح ہندوستان کے مسلم معاشرہ میں اصلاح و تجدید
کی تحریکات کے موسس ہیں۔ شاہ صاحب کی وفات ۱۷۶۲ء میں ہوئی
جب کہ ۳۷ سال بعد سلطان ٹیپو سری رنگا پٹم کو بچاتے ہوئے ۱۷۹۹ء میں
شہید ہوئے۔ کیا سلطان شہید بھی ان اصلاحی و تجدیدی تحریکوں سے واقف
یا متاثر تھے جو شمالی ہند میں شاہ ولی اللہ نے شروع کی تھیں؟ ریسرچ اسکالرز
کے لئے یہ ایک دلچسپ اور مستقل موضوع ہے۔

اس پر روشنی ڈالئے

اورنگ زیب کی فتح بیجاپور کے بعد میسور و جنوبی ہند اور شمالی
ہند خصوصاً دہلی کے درمیان اتنا قریبی رابطہ قائم ہوگیا تھا کہ شاہ
ولی اللہ اور ان کے مسلک فکر کے لوگوں کا حیدر علی اور سلطان ٹیپو کو
متاثر کرنا خیر اغلب نہیں معلوم ہوتا۔ ٹیپو کے والد حیدر علی کے دور ہی میں
مسلم معاشرہ کی اصلاح کے لئے توہمات اور غلط عقائد کے خلاف
کام شروع ہو چکا تھا "فتح المجاہدین" نام کی کتاب تالیف ہو چکی تھی
جس میں جہاد اور خصوصاً غیر ملکی انگریزوں کے خلاف مسلمانوں کو اٹھ
کھڑے ہونے کی تلقین کی گئی تھی لیکن انگریزوں کے خلاف تحریک
نے ٹیپو کے دور حکمرانی میں زیادہ شدت اختیار کی۔ ٹیپو نے انگریزوں
کے مقابلہ میں غیر ملکی تعاون حاصل کرنے کی کوشش کی۔ فرانس کے
بادشاہ لوئی، اور پھر فرانس کے پہلے انقلاب کے بعد نپولین سے رابطہ
قائم کیا۔ ایران کے حکمران کریم خاں ژند اور افغانستان کے حکمران
زمان شاہ کو خطوط لکھے۔ ترکی کی خلافت عثمانیہ کے سلطان سلیم کو
کئی مکتوب روانہ کئے اور وفد بھیجے۔ سلطان سلیم کو امیر المومنین سے
خطاب کیا اور ترکی سے بصرہ کی بندرگاہ پٹہ پر لینے کے بدلہ
میں میسور کی ایک بندرگاہ دینے کی قابل عمل تجویز پیش کرکے فرانس
ترکی اور حکومت میسور کے بحری بیڑوں کو بحیرہ عرب اور بحر ہند
میں یکجہت کرکے انگریزوں کی بحری برتری کا توڑ کرنا چاہا لیکن
ہماری بدقسمتی کہ بجلی کی سرعت سے مخالفانہ کارروائی کرکے انگریزوں
نے اس کے مشن کو ناکام بنا دیا۔ جیسے کہ پہلے کہا گیا مورخوں اور ریسرچ
اسکالروں کا فرض ہے کہ وہ شاہ ولی اللہ کے مکتب فکر کے ٹیپو کی
حکومت میسور پر اثرات کا جائزہ لیں اور ہماری قابل فخر تاریخ کے
اس گوشہ کو روشنی میں لائیں جس پر ناواقفیت اور لاعلمی کی تاریکی
چھائی ہوئی ہے۔

ہمت نہ ہاری

یہ بات خاص طور پر ہمارے لئے باعث فخر ہے کہ مجاہدین حریت
خواہ وہ مسلمان ہوں یا ہندو یا سکھ، جنگ اور تشدد کے ذریعہ آزادی
حاصل کرنا چاہتے ہوں یا پُرامن طریقہ پر ہمیشہ باحوصلہ رہے۔ انتہائی
نامساعد حالات میں بھی ان کی ہمت قائم رہی۔ اگر کوئی تھک کر بیٹھ گیا یا
سست پڑ گیا تو دوسرے نے آگے بڑھ کر پرچم سنبھال لیا۔ غرض
مادر وطن کے کسی نہ کسی فرزند نے مشعل آزادی کو ہمیشہ فروزاں رکھا
اور اسے خاموش نہ ہونے دیا۔

اگر ٹیپو سلطان شہید نے ہندوستان
پر انگریزوں کا غلبہ روکنے کی زبردست کوشش کی تو مرہٹہ حکمران پیشوا باجی راؤ
پٹھان سردار حافظ رحمت خاں کا بھی یہی مقصد تھا۔ جھانسی کی رانی لکشمی بائی
اودھ کی بیگم حضرت محل، بخت خاں اور دوسرے بے شمار محبان وطن نے
ہندوستان کو برطانوی غلبہ سے نجات دلانے کی زبردست کوششیں کیں۔ ٹیپو
سلطان اور یہ مجاہدین اگرچہ چند تاریخی عوامل کی وجہ سے ناکام رہے لیکن
ہندوستانی حریت پسندوں نے کبھی ہمت نہ ہاری۔ ۱۸۵۷ء کی ناکام جنگ
آزادی کے بعد بظاہر برطانوی غلبہ سے نجات کی تحریک ذرا کمزور پڑ گئی تھی

شیخ الہند مولانا محمود الحسن جیسے مجاہدین حریت نے اسے سنبھالا اور شاہ ولی اللہ کے مکتب فکر کا ایک فرزند ٹیپو کے چھوڑے ہوئے کام کو پورا کرنے کے لئے آگے بڑھا۔ ۱۸۵۷ء کی ناکامی کے بعد علماء نے اپنا طریق کار بدل دیا تھا لیکن مقصد وہی تھا۔ اب وہ ظالم و جابر انگریز حکمرانوں کا مقابلہ جن کو اسلحہ کی زبردست برتری حاصل تھی اصلاح معاشرہ اور تعلیم کے میدان میں کر رہے تھے اور اس پردہ میں اگلی جنگ کا نقشہ بنانے اور تیار کرنے میں لگے ہوئے تھے۔

حضرت مولانا محمد قاسم رحمۃ اللہ علیہ نے ۳۰ مئی ۱۸۶۷ء کو دارالعلوم دیوبند کی بنیاد رکھی جس کے اولین طالب علموں میں مولانا محمود الحسن شامل ہیں۔ ان کی تعلیمی مذہبی اور قومی خدمات کی وجہ سے ان کے ہم وطنوں نے انھیں شیخ الہند کا خطاب دیا

مولانا محمود الحسن رح

مولانا محمود الحسن کی ولادت ۱۸۴۲ء میں ہوئی تھی۔ انھوں نے ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی اپنی آنکھوں سے دیکھی تھی۔ وہ مولانا محمد قاسم نانوتوی کے شاگرد خاص تھے۔ وہ بخوبی واقف تھے کہ دارالعلوم کس مقصد کے لئے قائم کیا جا رہا ہے اس کے اغراض و طریق کار کیا ہیں۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد وہ ۱۸۷۳ء میں دیوبند میں مدرس اور ۱۸۹۰ء میں صدر مدرس مقرر ہوئے۔ انھوں نے متعدد شاگردوں کو تربیت دی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کی وفات کے بعد ۱۹۰۵ء میں اس تحریک سربراہی بھی مولانا محمود الحسن کے سپرد ہوگئی جس کی تکمیل کے لئے دارالعلوم کو قائم کیا گیا تھا۔ مولانا محمود الحسن کو حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی سے بھی شرف تلمذ حاصل تھا۔ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی اور حافظ ضامن شہید کے مجاہدانہ کارناموں سے اور ان کے حالات زندگی سے وہ بے حد متاثر تھے۔ یہ وہ اکابر ہیں جنھوں نے ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے دوران ضلع مظفر نگر کے تھانہ بھون، شاملی وغیرہ علاقوں سے انگریزی اقتدار کو ختم کرکے آزاد حکومت قائم کرلی تھی، انگریزی اقتدار کو ہٹا دینے کا جذبہ مولانا محمود الحسن کے رگ و ریشہ میں بسا ہوا تھا۔ یورپ کی استعماری طاقتوں فرانس، برطانیہ، اٹلی اور عہد زار کے روس کی ایشیا و افریقہ کے تختہ مشق بنانے کی اور خلافت عثمانیہ کو پارہ پارہ کرنے کی نفرت انگیز سازشوں نے اس آگ کو زیادہ بھڑکا دیا تھا جو ان کے سینے میں پہلے ہی سے شعلہ زن تھی

مشرق کے وقار کی محافظ

اگرچہ جاپان اس زمانہ میں ابھرنا شروع ہوگیا تھا تاہم اس وقت تک مشرق کے وقار کی محافظ اور امین خلافت عثمانیہ سمجھی جاتی تھی۔ سامراجی اس پر جو حملے کرتے وہ مشرق کے وقار پر حملے سمجھے جاتے تھے یہ شعر اس دور کی منظر کشی کرتا ہے ؎

مراکش جاچکا فارس گیا اب دیکھنا یہ ہے
کہ جیتا ہے یہ ترکی کا مریض سخت جاں کب تک

یہ ترکی تھا جو برطانیہ، اٹلی، فرانس اور یونان کی چوٹیں برداشت کر رہا تھا اور زار روس کی حکومت کے مقابلہ میں بھی ڈٹا ہوا تھا۔ خلافت عثمانیہ مشرق کے کمزور تر ملکوں کے لئے ایک سہارا تھا۔

کام کی ابتدا

تمام انقلابیوں کی طرح حضرت شیخ الہند کو بھی اپنا کام بڑی خاموشی اور رازداری سے شروع کرنا پڑا۔ شروع میں آپ نے اپنے معتمد ساتھیوں طالب علموں اور خاص خاص مریدوں کو اپنا ہم خیال بنایا جن میں مولانا عبیداللہ سندھی خصوصیت سے قابل تذکرہ ہیں۔ سلسلہ بیان کو آگے بڑھانے سے پہلے ان کا مختصر تذکرہ ضروری ہے۔

وہ نو مسلم سکھ تھے۔ موضع چیانوالی ضلع سیالکوٹ میں ۱۰ مارچ ۱۸۷۲ء کو پیدا ہوئے تھے۔ ابتدائی تعلیم اردو مڈل اسکول جام پور میں ہوئی تھی۔ زمانہ طالب علمی سے ہی انھیں مذہب اور مذاہب کے تقابلی مطالعہ سے خاص لگاؤ تھا۔ تحفۃ الہند اور تقویۃ الایمان وغیرہ کتابوں کے مطالعہ سے اسلام کی حقانیت ان کے دل میں گھر کر گئی تھی۔ ۱۸۸۵ء میں انھوں نے اپنے اسلام کا اظہار کیا۔ پنجاب اور سندھ کے علماء سے عربی زبان اور اسلامی علوم کی کتابیں پڑھیں۔ ۱۳۰۷ھ (۹۱-۱۸۹۰ء) میں دیوبند میں داخل ہوئے۔ ۱۳۰۸ھ میں درس سے فارغ ہوکر امروٹ ضلع سکھر میں سکونت پذیر ہوگئے۔ اسی سال ان کی شادی بھی ہوگئی۔ ۱۳۱۵ھ ... وہ یہیں مقیم رہے۔ ۱۳۲۷ھ میں حضرت شیخ الہند نے مولانا سندھی کو دیوبند طلب کیا اور چار سال تک جمعیۃ الانصار میں کام لیا جس کی تحریک اور تاسیس میں مولانا محمد صادق سندھی اور مولانا ابو محمد لاہوری نیز مولانا احمد علی بھی شریک تھے۔ (بحوالہ ذاتی ڈائری مولانا عبیداللہ سندھی)۔

نظارۃ المعارف

اس سے قبل نومبر ۱۹۱۳ء مطابق ۱۳۳۲ھ میں وہ مسجد فتح پوری دہلی میں مدرسہ نظارۃ المعارف القرآنیہ قائم کرچکے تھے جس کے سرپرستوں میں حضرت شیخ الہند کا اسم گرامی بھی شامل تھا۔ اس ادارہ کا مقصد مغربی تعلیم پائے ہوئے مسلمانوں اور قدیم تعلیم پائے ہوئے لوگوں کے درمیان جو خلیج پیدا ہوگئی تھی اس کو پاٹنا اور ان دونوں گروہوں کی غلط فہمیوں کو دور کرنا تھا۔ اس ادارہ نے کلید قرآن اور تعلیم قرآن کے نام سے دو کتابیں بھی طبع اور شائع کرائیں۔ جن میں مسلمانوں کو انگریزوں کے خلاف اٹھ کھڑے ہونے کی تلقین کی گئی تھی۔ ان دونوں کتابوں کو ضبط کرلیا گیا تھا۔

اس ادارہ نے بھی جدید و قدیم علوم حاصل کئے ہوئے مسلمانوں کو ایک دوسرے کے قریب لانے میں اہم حصہ لیا۔ پنجاب کے انگریزی کالجوں کے مسلم طلبا کی تحریک ہجرت بھی اس کوشش اور ایسی دیگر مساعی کی کامیابی کا ایک نتیجہ ہے۔ مولانا سندھی نے تحریک کو فروغ دینے میں بڑا حصہ لیا۔ پنجاب، سرحد و سندھ کے مذہبی پیشواؤں سے مل کر ان کو تحریک میں شامل کیا اور ان صوبوں میں اس تحریک کے مرکز قائم کئے۔

جشن دستاربندی

اس سے پہلے طلبار کا جشن دستاربندی ۱۹۱۰ء میں ہوچکا تھا جس میں ۴۰ ہزار مسلمانوں نے شرکت کی تھی۔ صاحبزادہ آفتاب احمد خاں کی قیادت میں مسلم یونیورسٹی کے اساتذہ اور طلبار کا ایک وفد اس جشن میں شامل ہوا تھا۔ یہ بات خاص طور سے یاد رکھنے کی ہے یہ دونوں نقطۂ خیال کے مسلمانوں کے قریب آنے کی ایک علامت ہے مرادآباد میں ۱۹۱۱ء میں جمعیۃ الانصار کا اجلاس ہوا جس نے جشن دستاربندی کی مانند شیخ الاسلام کے پروگرام کو آگے بڑھانے میں مدد کی۔ صوبہ سرحد کے آزاد قبائل میں تحریک کے سلسلہ میں خفیہ طریقہ پر کام ہورہا تھا۔ ۱۹۱۴ء میں عالمی جنگ چھڑنے کے بعد شیخ الہند نے محسوس کیا کہ وہ وقت قریب آگیا ہے جب ہندوستان کی آزادی کے لئے فیصلہ کن جنگ [illegible] آپ نے مولانا عبیداللہ سندھی کو افغانستان جانے [illegible] وہاں [illegible] آزاد قبائل کی مدد و پشت پناہی حاصل کرنے کی کوشش کی۔ شیخ الہند سمجھتے تھے کہ ہندوستانی عوام

اور مشرق وسطیٰ کے ممالک خصوصاً افغانستان، ایران اور خلافت عثمانیہ کو یورپ کے خلاف یک جہت کئے بغیر یورپی اقتدار سے ایشیا کو آزاد نہیں کرایا جاسکتا۔

ترکی ہی کیوں

اگرچہ جاپان اس زمانہ میں ابھرنا شروع ہوگیا تھا تاہم اس وقت تک مشرق کے وقار کی محافظ اور امین خلافت عثمانیہ سمجھی جاتی تھی۔ سامراجی اس پر جو حملے کرتے وہ مشرق کے وقار پر حملے سمجھے جاتے تھے۔ یہ شعر اس دور کی منظر کشی کرتا ہے۔

مراکش جا چکا فارس گیا اب دیکھنا یہ ہے
کہ جیتا ہے یہ ترکی کا مریض سخت جان کب تک

یہ ترکی تھا جو برطانیہ، اٹلی، فرانس اور یونان کی چوٹیں برداشت کر رہا تھا اور زار روس کی حکومت کے مقابلہ میں بھی ڈٹا ہوا تھا۔ خلافت عثمانیہ مشرق کے کمزور ترملکوں کے لئے ایک سہارا تھا۔

حضرت شیخ نے اپنی تحریک کو منظم کرنے کا کام دیوبند کے طلبار سے لیا جن کا مجاہدانہ مزاج جو دیوبندی مسلک فکر کی منفرد خصوصیت ہے اس اہم میں بہت کام آیا۔ انھوں نے حریت پسند غیر مسلم رہنماؤں سے بھی قریبی رابطے قائم کئے جو اسی مقصد کے لئے کام کر رہے تھے۔

مولانا عبیداللہ صاحب سندھی کے پیچھے سی آئی ڈی لگی ہوئی تھی۔ حضرت شیخ نے مولانا سندھی کو کوئی مفصل پروگرام نہیں بتایا تھا لیکن جو لوگ تحریک کے جوکھم سے واقف ہوں ان کے لئے کسی مفصل پروگرام کی ضرورت بھی نہیں ہوتی موقعہ کی نزاکت کو دیکھ کر وہ خود ہی فیصلہ کرلیا کرتے ہیں۔ مولانا سی آئی ڈی کو غفلت میں ڈال کر شیخ عبدالرحیم سندھی کے ہمراہ کوئٹہ ہوتے ہوئے افغانستان کے لئے روانہ ہوگئے۔

شیخ عبدالرحیم سندھی

شیخ عبدالرحیم سندھی نومسلم ہیں۔ ہندوستان کے برگزیدہ لیڈر آچاریہ کرپلانی کے بڑے بھائی ہیں اور اسلام کی حقانیت سے متاثر ہوکر مسلمان ہوگئے تھے۔ وہ حضرت شیخ الہند کے معتمد اور تحریک کے رکن خاص ہیں شیخ الہند نے انھیں تحریک کے مختلف مراکز میں رابطہ کا کام سونپا تھا۔ یہ بات بھی یاد رکھنے کی ہے کہ شیخ عبدالرحیم کی بیوی اور بیٹیوں نے اپنا زیور فروخت

سونپ کر مولانا کے لئے زادِ سفر مہیا کیا تھا۔ شیخ عبدالرحیم کوئٹہ تک مولانا کو چھوڑنے گئے تھے اور زرِ نقد سپرد کر کے واپس آ گئے تھے۔

مولانا سندھی گرفتاری سے بچنے کے لئے بلوچستان کے غیر آباد ریگستان اور سنسان پہاڑی راستوں اور درّوں سے ہوتے ہوئے ۱۵ / اگست ۱۹۱۵ء کو غروبِ آفتاب کے وقت سرحدِ افغانستان میں داخل ہوئے اور ایک آزاد سرزمین پر نمازِ مغرب ادا کی۔

یہ حسن اتفاق ہے کہ جس تاریخ کو مولانا سندھی نے ایک آزاد سرزمین پر قدم رکھا وہی تاریخ (یعنی ۱۵ / اگست) ہندوستان کی آزادی کی تاریخ بھی قرار پائی۔

حضرت شیخ الہند ماہ ستمبر ۱۹۱۵ء میں وارد حجاز ہوئے۔ اس کے بعد تحریک تین حصوں میں تقسیم ہو گئی۔

(۱) ہندوستان کے اندر

(۲) افغانستان اور قبائلی علاقہ

(۳) خلافتِ عثمانیہ اور حجاز مقدس

ہندوستان میں

برطانوی خفیہ پولیس کی اطلاع کے مطابق ملک کے طول و عرض میں اس تحریک میں ۲۲۳ ممتاز اشخاص شامل تھے جن میں حکیم اجمل خاں، ڈاکٹر انصاری، مولانا آزاد، مولانا محمد علی وغیرہ کے نام بھی شامل ہیں۔

ان لوگوں کے سپرد یہ کام تھا کہ ہندوستان میں رہ کر انگریز حکومت کو کمزور کریں۔ یہ رہنما اور تحریک کے تمام کارکن دہلی، مشرقی و مغربی پنجاب، سندھ اور سرحد میں اپنی ماموریت کے مقاموں سے برابر کام کرتے رہے۔ سیاسی، مذہبی اور تعلیمی سرگرمیوں کے علاوہ افغانستان اور حجاز کے مرکزوں کے لئے مالیات کی فراہمی بھی ان کے ذمہ تھی۔ ....

انھوں نے جس خاص نظم و ضبط اور للٰہیت کے ساتھ اپنے فرائض کو انجام دیا اس کی نظیر انقلابی تحریکوں میں کم ملتی ہے۔ دہشت انگیز جماعتوں اور تحریکوں کے لئے تشدد کے ذریعہ نسبتاً آسانی سے سرمایہ فراہم ہو جاتا ہے لیکن شیخ الہند کی سی عوامی تحریک کے لئے عام لوگوں میں شرکت کا احساس پیدا کر کے ایک ایک پیسہ جمع کرنا پڑتا ہے چنانچہ کوئی بھی شخص جو شیخ الہند کی تحریک کی وسعت، ہمہ گیری، گہرائی اور گیرائی سے واقف ہو ان مجاہدین کی ذاتی محنت و مشقت کی داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

اس زمانہ کے اخبارات نے بھی شیخ الہند کی تحریک کو بڑا سہارا دیا ان اخبارات میں الہلال، البلاغ (کلکتہ) زمیندار (لاہور) ہمدرد (دہلی) کامریڈ (انگریزی) ہمدم (لکھنؤ) قابل ذکر ہیں۔ انھوں نے انگریزوں کے خلاف سارے ملک میں آگ لگا دی تھی۔

اندرونِ ملک شیخ الہند کے پروگرام کی دوسری شق یعنی ملک میں رہ کر آزادی کے لئے کام کرنا اور حکومت کو کمزور کرنا پر عمل ہو رہا تھا سینکڑوں مجاہدین مستبدانہ احکام کی خلاف ورزی میں قید و بند کی اذیتیں جھیل رہے تھے۔

افغانستان میں

افغانستان میں مولانا سندھی جس علاقہ میں داخل ہوئے وہ سوراب کا علاقہ کہلاتا ہے۔ وہاں سے وہ قندھار پہنچے جہاں ان کے بعض واقف مل گئے جنھوں نے ان کو مہمان رکھا اور پھر کابل پہنچا دیا۔ مولانا نے راستہ میں غزنی میں بھی قیام کیا۔ مولانا کے سفر کا مقصد تھا افغانستان کو ہندوستان کی تحریک آزادی میں اخلاقی اور فوجی امداد دینے کے لئے تیار کرنا۔ وہ اس سفر کی عظیم مشکلات کو بخوبی سمجھتے تھے۔ مولانا کے کابل پہنچنے سے پہلے چند ہندوستانی ایک سیاسی سازش کے الزام میں گرفتار ہو چکے تھے۔ اس لئے مولانا کا کام زیادہ مشکل ہو گیا تھا۔ تاہم انھوں نے ہمت نہ ہاری۔ اپنے دوستوں اور واقف کاروں کے ذریعہ حکومت افغانستان کو ہموار کرنے کی برابر کوشش کرتے رہے۔ حکومت کے ذمہ داروں سے تعلقات پیدا کئے۔ ان کی مدد سے امیر حبیب اللہ کی خدمت میں باریاب ہوئے۔ اپنے مقاصد سفر کے بارے میں ایک میمورنڈم پیش کیا۔

جرمن مشن

مولانا عبیداللہ سندھی کے کابل پہنچنے سے پہلے ایک سیاسی مشن جرمنی کا کابل میں وارد ہو چکا تھا۔ پہلی جنگ عظیم کے آغاز میں جتنے ہندوستانی یورپ میں موجود تھے وہ اب برلن میں جمع ہو گئے تھے۔ انھوں نے جرمن وزارت خارجہ کے تحت ایک انڈین نیشنل پارٹی قائم کر لی تھی۔ لالہ ہردیال ایم۔ اے اور مولوی برکت اللہ بھوپالی اس کے ممتاز اراکین میں تھے۔ یہ پارٹی جرمنی اور ترکی کی مدد سے ہندوستان کو آزاد کرانا

چاہتی تھی لیکن ترکی اور جرمنی کی فوجیں ہندوستان نہیں پہنچ سکتی تھیں اس لئے اس پارٹی نے ایک وفد کابل بھیجا تھا کہ افغانستان کو ہندوستان پر حملہ کرنے کے لئے رضامند کیا جائے۔ حکومت جرمنی کا خیال تھا کہ اگر افغانستان جنگ میں کود پڑا تو برطانیہ کو اپنی فوج کا بڑا حصہ یورپ اور مشرق وسطیٰ سے ہٹا کر لازمی طور پر شمال مغربی ہند میں مامور کرنا پڑے گا۔ اس وفد میں ۲ جرمن اور ایک ترک فوجی افسر شامل تھا۔ برطانوی فوج کے وہ ہندوستانی سپاہی بھی جو جرمنی کی قید میں تھے یا وطن پروری کے باعث فوج سے فرار ہو کر جرمنی پہنچ گئے تھے اس وفد کے ہمراہ برلن سے کابل آئے تھے۔

مولانا سندھی کی افغانستان کو روانگی سے قبل اسی سال فروری میں پنجاب اور سرحد کے انگریزی تعلیم یافتہ طلبا کا ایک وفد قبائلی علاقہ سے گزر کر اور مجاہدین آزاد سے مل کر قندھار سے ملاقات کرتا ہوا کابل پہنچا تھا۔ جہاں انہیں نظر بند کر دیا گیا تھا۔ ان کا مقصد ترکی پہنچ کر خلافت عثمانیہ کی فوج میں شامل ہو کر انگریزوں سے لڑنا تھا۔ ان کی ہجرت کا انتظام مولانا عبدالرحیم نے کیا تھا جو شیخ الہند تحریک کے رکن خاص تھے۔ گو ان طلبا کو اس بات کا علم نہ تھا۔

حکومت افغانستان کے سرکاری اخبار کے ایڈیٹر سردار محمود طرزی جو مولانا سندھی کے خاص دوستوں میں شامل تھے۔ وہ حکومت کابل کے معتمد خاص تھے۔ یہ بھی شیخ الہند کی تحریک کے لئے کام کر رہے تھے۔

یہ وہ وقت تھا کہ کابل میں جرمنی کی انڈین نیشنل سوسائٹی کا نیز جرمن و ترک حکومتوں کا مشترکہ وفد اور تحریک شیخ الہند کے نمائندہ حضرت مولانا عبید اللہ سندھی یکجا ہو گئے تھے۔ امیر کابل سے ملاقات کے بعد جس کا پہلے تذکرہ آچکا ہے مولانا سندھی کو جرمن وفد سے ملاقات کی اجازت مل گئی تھی چنانچہ دونوں وفود میں اکثر تبادلہ خیال ہوا کرتا تھا۔

جرمن وفد کے ہندوستانی اراکین ملک میں بغاوت کرانے یا افغانستان کو ہندوستان پر حملہ کرنے کے لئے اکسانے میں مؤثر نہیں ہو سکے تھے جس کا انھوں نے برلن میں یقین دلایا تھا۔ جبکہ جرمن وفد فوری طور پر عملی اقدام چاہتا تھا۔ جرمن وفد اور ان ہندوستانی اراکین نے جو انڈین نیشنل سوسائٹی سے تعلق رکھتے تھے کمیٹی کی نہیں بنائی تھی تو فیصل کیا گیا تھا۔

اس مدت میں مولانا سندھی نے نوجوان طلبا کو اپنے حلقہ میں شامل کیا اور اس بات پر آمادہ کیا کہ افغانستان میں مقیم رہ کر جہاں تک حالات اجازت دیں انگریزی استعمار کو ختم کرنے کے لئے کام کریں اور ترکی فوج میں شامل ہو کر انگریزوں سے لڑنے کا خیال چھوڑ دیں۔

مولانا سندھی نے اسی اثناء میں رضا کار فوج (جنود اللہ) کی تشکیل کی اس میں یہ نوجوان طلباء بھی شامل تھے۔

اس مدت میں شیخ الہند کی تحریک کے دو اہم اور ممتاز رکن مولانا منصور انصاری اور مولانا سیف الرحمٰن بھی کابل پہنچ گئے۔

مولانا سیف الرحمٰن

حضرت مولانا منصور انصاری حجاز سے حضرت شیخ الہند کا پیغام غالب نامہ اور شیخ الاسلام کا فتویٰ ساتھ لائے تھے جس میں انگریزوں کے خلاف اٹھ کھڑے ہونے کی تلقین کی گئی تھی۔ غالب نامہ اور شیخ الاسلام کے فتویٰ کی فوٹو کاپیاں انھوں نے ہندوستان اور قبائلی علاقہ میں تقسیم کر دی تھیں۔ اثناء سفر میں مولانا سیف الرحمٰن نے قبائلی علاقہ کے حالات کا بھی جائزہ لیا تھا۔

حضرت مولانا سیف الرحمٰن کا خاندان قندھار کا رہنے والا تھا حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی سے انھوں نے حدیث پڑھی تھی۔ حضرت شیخ الہند کے مشورہ پر انھوں نے قبائلی علاقہ میں ہجرت کی تھی اور حاجی ترنگ زئی کے ساتھ مل کر قبائلی لشکروں اور مجاہدین کے ہمراہ انگریزوں کی چھاؤنیوں اور فوجی دستوں پر حملے کیا کرتے تھے۔ ان کا مقصد تھا انگریزوں کو سراسیمہ کرنا اور کسی بڑی یلغار اور آخری جنگ کے لئے مجاہدوں کو تیار کرنا تھا۔ یہ حملے جنگی مشق بھی کہے جا سکتے ہیں۔ قبائلی علاقہ گوریلا جنگ کے لئے بہت موزوں تھا اور ایک بڑے لشکر کو گھیر کر اس کا صفایا کر دینے کی حکمت عملی سے افغان اور یہ قبائلی بخوبی واقف تھے۔

مولانا سیف الرحمٰن کے وکیل محمد بشیر لاہوری ان کی آمد پر کابل پہنچے اور ان کے بہت سے ساتھی جو دیوبند کے فارغ التحصیل مجاہد تھے اب کابل پہنچ کر جنود اللہ میں شامل ہو گئے

عارضی حکومت

جرمن مشن اپنے مقصد میں ناکام رہا اور افغانستان کو جنگ میں شامل نہ کرا سکا۔ وفد کے ہندوستانی اراکین راجہ مہندر پرتاپ اور مولانا برکت اللہ بھوپالی ہندوستانی والیان ریاست کو بغاوت

پر آمادہ کرنے میں بھی کامیاب نہ ہوئے تو اراکین مشن نے ہندوستان کی عارضی حکومت کی تشکیل کے ذریعہ حالات کو سنبھالنا چاہا۔ راجہ مہندر پرتاپ اور مولانا برکت اللہ بھوپالی اس کے دو رکن بنائے گئے۔ اس تحریک کے لیڈروں نے ہندوستان یا افغانستان میں پہلے سے کوئی زمین تیار نہیں کی تھی۔ ان کے پاس کوئی عقیدہ یا نظریہ بھی نہ تھا جس سے پختہ وابستگی اور جس پر بھروسہ کامل انسان کو پہاڑوں کی سی استقامت و سرفروشی کا جذبہ عطا کرتی ہے ان کے پاس کسی طرح کا کوئی بھی ورکر نہ تھا صرف تنخواہ کے لئے لڑنے والے سپاہیوں کی ایک تعداد تھی یا آزادی کا ایک کمزور سا جذبہ تھا اور یہ خوش فہمی تھی کہ جرمن مشن اور ان ہندوستانی لیڈروں کے افغانستان آنے کی خبر سے ہی ہندوستان میں خود بخود بغاوت ہو جائے گی اور سارا ملک انگریزوں کے خلاف اٹھ کھڑا ہو گا شیخ الہند کی تحریک کا معاملہ اس کے برعکس تھا۔

چنانچہ ان لوگوں کو بہت جلد شیخ الہند کی تحریک کی اہمیت تسلیم کر کے مولانا عبیداللہ سے سمجھوتہ کرنا پڑا۔ مولانا عبیداللہ سندھی نے عارضی حکومت کے حلف نامہ میں قابل لحاظ ترمیم کرائی اور عارضی حکومت کو بیرونی مداخلت سے نجات دلائی۔

اس نئی حکومت موقتہ کے صرف تین رکن تھے۔ راجہ مہندر پرتاپ مولانا برکت اللہ اور مولانا عبیداللہ سندھی لیکن جب افغانستان میں امیر حبیب اللہ کے خلاف بغاوت ہوئی اور امیر امان اللہ کے برسر اقتدار آنے سے ہندوستانی رہنماؤں کو ذرا سہولت ملی تو جماعت مجاہدین کے وکیل مولانا بشیر احمد کو بھی اس میں شامل کر لیا گیا۔

جماعت مجاہدین

جماعت مجاہدین کا نام پہلے بھی آیا ہے۔ یہ جماعت مولانا ولایت علی عظیم آبادی نے قائم کی تھی۔ وہ حضرت مولانا اسماعیل شہید کے خاص شاگردوں میں تھے۔ سید احمد شہید کی شہادت کے بعد انھوں نے اپنی ایک مستقل جماعت قائم کر لی تھی۔ یمن، حجاز اور نجد کے سفر کے بعد افغانستان ہوتے ہوئے سہ قبائلی علاقہ میں پہنچے تھے۔ پھر اپنے پیروؤں اور سید احمد شہید کے لشکر کے باقی ماندہ لوگوں کو اکٹھا کر کے قبائلی علاقہ میں اسمٰس کے مقام پر اپنا ہیڈ کوارٹر قائم کر لیا تھا۔ یہ جماعت مناسب موقع دیکھ کر خود بھی انگریزوں کے خلاف جہاد کرتی اور قبائل کو بھی اپنے ساتھ جہاد کے لئے آمادہ اور شریک کرتی۔ جب شیخ الہند کی تحریک نے زور پکڑا اور حکومت افغانستان نے قبائلیوں کی امداد پر زیادہ توجہ کی تو انھوں نے سرحد افغانستان کے قریب چمرقند کے مقام پر اپنا ذیلی مرکز بھی قائم کر لیا۔ یاد رہے کہ تحریک ہجرت کے تحت جن انگریزی خواں طلباء نے ہندوستان سے ہجرت کی تھی انھیں اس جماعت ہی نے مہمان رکھا تھا اور افغانستان پہنچنے میں ان کی مدد کی تھی۔

وفود کی روانگی

اس نئی حکومت نے پہلا کام یہ کیا کہ حکومت روس کے پاس ایک وفد بھیجا جس میں خوشی محمد (عرف مرزا محمد علی) اور ڈاکٹر متھرا سنگھ شامل تھے۔ واضح رہے کہ انگریزی خواں طلباء نے ہجرت کے دوران قبائلی علاقہ میں پہنچنے سے پہلے مصلحتاً اپنے فرضی نام رکھ لئے تھے اور خوشی محمد مرزا محمد علی بن گیا تھا۔ یہ وفد مارچ ۱۹۱۶ میں روس جانے کے لئے تاشقند روانہ ہوا۔ عبوری حکومت کے صدر کی حیثیت سے راجہ مہندر پرتاپ نے اس مشن کو سونے کی تختی دی تھی جس پر زار روس کی تعریف اور توصیف کندہ تھی۔ نیز گورنر تاشقند اور زار روس کے نام خطوط تھے جو مولانا برکت علی و راجہ مہندر پرتاپ نے لکھے تھے۔ گورنر نے وفد کا بڑی گرمجوشی سے استقبال کیا اور زار روس کو اطلاع دی جو اپنے ملکی حالات اور جنگ کی رفتار سے بے حد پریشان تھا۔ اس نے مشن کو بہانہ بنا کر برطانیہ پر دباؤ ڈالنا شروع کر دیا لیکن برطانوی حکومت نے روس پر افغان حملہ کا خطرہ دکھا کر زار روس کو الٹا خوف زدہ کر دیا۔ چنانچہ زار روس نے وفد کی گرفتاری کا حکم دے دیا تاہم گورنر تاشقند نے مداخلت کر کے وفد کو بچا لیا چنانچہ یہ وفد تین چار ماہ بعد واپس آ گیا۔ یہ وفد اگرچہ اپنے فوری مقصد میں کامیاب نہ ہو سکا لیکن اس کی وجہ سے حکومت برطانیہ اور روس میں اختلافات پیدا ہو گئے جن کو دور کرنے کے لئے مولانا عبیداللہ سندھی مرحوم کے بیان کے مطابق ایک اعلیٰ برطانوی نمائندہ کو روس جانا پڑا۔

تدبیر الٹی ہو گئی

راجہ صاحب نے اس کے بعد دوسرا وفد جاپان اور ترکی کو روانہ

گئے۔ ترکی وفد میں عبدالباری اور شجاع اللہ اور جاپان جانے والے وفد میں شیخ عبدالقادر اور ڈاکٹر متھرا سنگھ شامل تھے۔ جاپان جانے والے وفد کو گرفتار کر کے روسی حکام نے برطانیہ کے حوالے کر دیا، جبکہ ترکی جانے والا وفد براہ راست برطانوی فوجی حکام کے قبضہ میں آگیا جن کی بڑی تعداد ایران میں موجود تھی۔ ان کے بیانات سے اس مدت کے مفصل حالات اور سارے واقعات انگریزوں کے علم میں آ گئے۔

حکومت برطانیہ یہ اطلاعات پاکر خاموش نہ رہی اور افغانستان سے سخت احتجاج کیا۔ حکومت افغانستان برطانیہ کے دباؤ میں آگئی مولوی محمد علی اور شیخ ابراہیم کو جو حبیبیہ کالج کے پرنسپل اور پروفیسر تھے اور شیخ الہند کی تحریک میں شامل تھے برطرف کر دئے گئے، پھر انھیں ہندوستان جانے کا حکم دے دیا گیا۔ اس مرحلہ پر مولانا عبیداللہ سندھی نے مداخلت کی یہاں تک کہ ان لوگوں کو قبائلی علاقہ میں جانے کی اجازت دے دی گئی، جہاں انھوں نے انقلابی لٹریچر چھاپنے اور اسے ہندوستان میں تقسیم کرنے کی اسکیم کو پورا کرنے کی کوشش کی۔

اس مرحلہ پر مولانا عبیداللہ سندھی نے فیصلہ کیا کہ ان تمام واقعات اور حالات سے حضرت شیخ الہند کو مطلع کیا جائے۔ چنانچہ زرد ریشمی کپڑے کے تین ٹکڑوں پر تین تحریریں لکھی گئیں۔ یہ خطوط مولانا عبدالرحیم سندھی کے حوالے کرنے کے لئے ۹ جولائی ۱۹۱۶ء کو عبدالحق کو دے گئے۔

کمزور کڑی

عبدالحق ایک نومسلم تھا اور مہاجر طالب علموں کے ہمراہ افغانستان گیا تھا۔ وہ کابل سے براہ سرحد و پنجاب و بہاولپور ملتان پہنچا تاکہ اپنے سابق آقا رب نواز کو اس کے لڑکوں اللہ نواز اور شاہ نواز کی خیریت پہنچائے جو مہاجر طالب علموں میں شامل ہو کر افغانستان پہنچے تھے اور شیخ الہند کی تحریک میں شامل ہو کر رضا کار فوج جنود اللہ کے رکن بن گئے تھے۔ عبدالحق اپنے سابق آقا رب نواز کی شخصیت سے بے حد مرعوب تھا۔ چنانچہ اس نے دونوں لڑکوں کی خیریت بتانے کے علاوہ تحریک ہجرت و قبائلی علاقہ و کابل کے واقعات اور مولانا عبیداللہ کی سرگرمیوں کے متعلق ساری تفصیلات بھی بتا دیں اور رب نواز کے [illegible] نے بہاولپور کے مشہور پیر اور مرشد مولوی غلام محمد کے پاس سے وہ کوٹ بھی لاکر دے دیا جس کے استر میں وہ ریشمی ٹکڑے سلے ہوئے تھے جن پر مولانا عبیداللہ سندھی نے شیخ الہند کو خطوط لکھے تھے اور تمام واقعات سے مطلع کیا تھا۔ عبدالحق ملتان جانے سے پہلے یہ کوٹ مولانا غلام محمد کے پاس بطور امانت رکھوا گیا تھا۔ غرض ایک کمزور کڑی پوری زنجیر ٹوٹنے کا باعث بن گئی۔

شیخ الہند کی تحریک کو ریشمی رومال تحریک کا نام دیا گیا ہے عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ تحریک کے مختلف مرکزوں کے درمیان ریشمی رومالوں کے ذریعہ پیغام رسانی کا کام لیا جاتا تھا۔ مکتوب نگار ریشمی رومالوں پر اپنا مطلب نقش و نگار کی صورت میں مرتسم کر کے مکتوب الیہ تک پہنچایا کرتے تھے۔ یہ باتیں تصدیق طلب ہیں۔ اس ساری تحریک میں ریشمی پارچہ جات ایک ہی مرتبہ استعمال ہوئے جب مولانا عبیداللہ سندھی نے اپنے پیر و مرشد اور تحریک کے رہبر اعلیٰ شیخ الہند مولانا محمود الحسن کو تمام واقعات اور حالات سے نیز تحریک کی پیش رفت سے باخبر کرنے کے لئے ریشمی پارچہ جات کو استعمال کیا۔ یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ یہ کہ گورنر غالب پاشا اور خلافت عثمانیہ کے شیخ الاسلام کے فرمان اور فتویٰ لکھنے کے لئے تو کاغذ استعمال ہو جن کو مجاہدین بھی حجاز سے چھپا کر ہندوستان لے آئیں اور ان کی فوٹو کاپیاں بھی ہندوستان میں تقسیم کر دیں اور تحریک کے معمولی مراکز میں نسبتاً غیر اہم اطلاعات کے لئے ریشمی رومالوں سے کام لیا جائے۔

ریشمی خطوط کی تفصیل

مولانا عبیداللہ سندھی نے جو "ریشمی خطوط" لکھے تھے ان کی تفصیل اس طرح ہے۔

ان میں پہلا خط شیخ عبدالرحیم سندھی کے نام تھا یہ ۶ انچ لمبے اور ۵ انچ چوڑے ٹکڑے پر لکھا گیا تھا

(۲) "دوسرا خط" حضرت شیخ الہند کے نام تھا۔ یہ دس انچ لمبا اور آٹھ انچ چوڑا تھا۔ اسے پہلے خط کا ضمیمہ سمجھنا چاہئے

(۳) تیسرا "خط" پندرہ انچ لمبے اور دس انچ چوڑے ٹکڑے پر لکھا گیا تھا۔

پہلے اور تیسرے خط پر مولانا عبیداللہ کے دستخط ہیں۔ دوسرے خط پر نہیں ہیں۔ اس لئے اسے پہلے خط کا ضمیمہ ہی سمجھنا چاہئے۔

اصل خط شیخ الہند کے نام تھا اسے کسی معتمد شخص کے ذریعہ مدینہ بھیجا جانا تھا۔ ہدایت یہ تھی کہ تحریک کے ممتاز کارکنوں کو بھی یہ خط دکھا دیا جائے۔ جن میں شیخ عبدالرحیم سندھی برادر بزرگ (چاریہ کرپلانی قابل تذکرہ ہیں۔ حضرت شیخ الہند کے نام خط کو مدینہ منورہ پہنچانا بھی انھیں کی ذمہ داری تھی۔ شیخ عبدالرحیم سندھی کے خط کے نکات یہ ہیں۔

(۱) یہ خط حضرت مولانا شیخ الہند کو مدینہ منورہ بھیجنا ہے
(۲) حضرت شیخ الہند کو خط کے ذریعہ بھی اور زبانی بھی آگاہ کر دیں کہ وہ کابل آنے کی کوشش نہ کریں۔
(۳) حضرت مولانا شیخ الہند مطلع ہو جائیں مولانا منصور انصاری اس بار حج کے لئے نہ آسکیں گے۔
(۴) شیخ عبدالرحیم کسی نہ کسی طرح کابل میں مولانا عبیداللہ سندھی سے ملاقات کریں۔

دوسرا خط

دوسرا خط مجوزہ نجات دہندہ فوج کے بارے میں ہے۔ اس خط میں مجوزہ کے افسروں کی تنخواہوں وغیرہ کا تذکرہ ہے اور ۱۰۴ اشخاص کے نام دئے گئے ہیں جنھیں اس فوج کو ترتیب دینا اور اس سے کام لینے کی ذمہ داری سپرد کی جانی تھی۔ اس خط میں راجہ مہندر پرتاپ کی سرگرمیوں جرمن مشن کی آمد و مصروفیت، حکومت موقتہ کے قیام، روس، جاپان اور ترکی کو وفود کی ترسیل وغیرہ کی پوری تفصیل بیان کی گئی تھی۔ اس خط پر بھی مولانا عبیداللہ کے دستخط ہیں لیکن تاریخ تحریر درج نہیں ہے۔ اس خط میں مولانا کو خط پہنچانے اور اس کا جواب کابل کو روانہ کرنے کے سلسلہ میں ہدایات دی گئی تھیں۔ تاریخ تحریر ۹ رمضان مطابق ۱۰ جولائی ہے۔

تیسرا خط حضرت شیخ الاسلام کے نام تھا۔ یہ مولانا منصور انصاری کی طرف سے تھا۔ اس میں حج کے بعد حجاز سے ہند پہنچنے کے بعد کے تمام واقعات اجمالاً بیان کئے گئے تھے۔ مشہور ہے کہ یہ خط مولانا منصور انصاری نے خود لکھا تھا لیکن عبدالحق عرف جیون داس کا بیان ہے کہ یہ خط بھی اس کے سامنے خود مولانا عبداللہ سندھی نے اپنے قلم سے تحریر کیا تھا۔ خط میں بتایا گیا تھا کہ ہندوستان میں تحریک کے کون کون سے کارکن سرگرم ہیں اور کون کون سے کارکن حکومت کے ڈر یا پولیس کی سختی کے باعث سست اور بے عمل ہو گئے ہیں۔ خط کے ذریعہ مولانا آزاد اور حسرت موہانی کی گرفتاری کی اطلاع بھی شیخ الہند کو بھیجی گئی تھی۔ اس میں مزید کہا گیا تھا کہ میرا حسب وعدہ حجاز آنا ممکن نہیں۔ غالب نامہ احباب ہند کو دکھا کر قبائلی علاقہ میں سرداروں کو دکھا دیا گیا ہے۔ مزید کہا گیا تھا کہ حاجی ترنگ زئی اس وقت مہمند علاقہ میں ہیں۔ مہاجرین نے مہمند یاغستان اور سوات کے علاقہ میں آگ لگا رکھی ہے۔ مجاہدین پر غالب نامہ دکھانے کا خاص اثر پڑا ہے۔ کچھ دوسری باتوں کے علاوہ اس خط میں بھی جرمن ترک مشن کی آمد کا تذکرہ کیا گیا ہے اور ان وجوہات کا تذکرہ کیا گیا ہے جن کی وجہ سے یہ مشن اپنے مقصد میں ناکام رہا۔

ناکامی کے اسباب

ناکامی کے اسباب کا تجزیہ کرتے ہوئے بتایا گیا ہے کہ جرمنی و ترکی کو چاہیے تھا کہ زمانہ ناطرف داری میں یعنی پہلی جنگ عظیم میں شامل ہونے سے قبل ایران و افغانستان کی ضروریات معلوم کرتے۔ ان ضروریات کو پورا کرنے کی سبیل کرتے اور ان دونوں ملکوں سے حالات کے مطابق معاہدہ دوستی کرتے۔ افغانستان نہ تو کسی بڑی جنگ میں شامل ہونے کے لئے اسلحہ و رسد رکھتا ہے نہ ہی کوئی بڑی حکومت اس کے نقصانات کی تلافی کی ذمہ دار ہے اس لئے افغانستان اتحادیوں کی طرف سے جنگ میں شریک نہیں ہو سکتا۔ اگر افغانستان کو ضرورت کے مطابق فوجی افسروں، انجینئر، اسلحہ اور سامان رسد دیا جائے اور دشمن کے غلبہ کی صورت میں امداد و اعانت کا وعدہ کیا جائے تو افغانستان اب بھی جنگ میں شریک ہونے کے لئے تیار ہے۔ افغانستان اور قبائلی علاقہ میں سرگرمیوں کی تفصیل بیان کرتے ہوئے شیخ الہند کو مشورہ دیا گیا تھا کہ وہ مدینہ منورہ میں ٹھہر کر ترکی، افغانستان اور ایران میں معاہدہ کرانے کی کوشش کریں کیوں کہ برطانوی اقتدار پر ضرب کاری لگانے کا یہی وقت ہے۔ اس میں شیخ الہند سے استدعا کی گئی تھی کہ وہ ہندوستان نہ آئیں حکومت نے ان کو گرفتار کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ حکیم عبدالرزاق، ڈاکٹر مختار احمد انصاری وغیرہ سب آپ کی واپسی کے خلاف ہیں۔ اس خط کی تاریخ تحریر ۸ رمضان ہے۔

ایک شرمناک حرکت

خان بہادر رب نواز انگریزوں کا زرخرید تھا۔ جس کے لڑکوں کی ہجرت سے اس کے دامن پر بغاوت کا جو داغ لگ گیا تھا وہ اس کو صاف کرنا چاہتا تھا۔ جب یہ خطوط اس کے ہاتھ میں آگئے تو اس نے فوراً کمشنر سے ملاقات کی۔ یہ خطوط و تمام تفصیلات اور عبدالحق کو کمشنر کی خدمت میں پیش کرکے سرخ روئی اور خان بہادر کا خطاب حاصل کیا۔ اس شرمناک حرکت سے قومی تحریک کو جو نقصان پہنچا اسے آزادی کی تاریخ کبھی معاف نہ کرے گی۔ جعفر و صادق کے ساتھیوں میں ہمیشہ اس کا شمار ہوگا۔ یہ خط انگریزوں کے ہاتھ نہ پڑتے تو ہندوستان کی تاریخ بہت مختلف ہوتی۔

عبدالحق کا اقراری بیان

عبدالحق کے اقراری بیان سے کمشنر کو مزید معلوم ہوا کہ راجہ مہندر پرتاپ بعض ہندوستانی راجگان کے نام قیصر جرمنی کے خطوط لائے تھے جن میں ان راجاؤں کو تلقین کی گئی تھی کہ جب سرحد پار کے قبائلی مجاہد برطانیہ کے خلاف تلوار اٹھائیں عین اسی وقت وہ بھی بغاوت کر دیں۔ مہاراجہ نیپال، مہاراجہ بڑودہ کو خصوصیت سے مخاطب کیا گیا تھا ایک اطلاع کے مطابق مہاراجہ بڑودہ نے بغاوت کرنے کا بھی وعدہ کر لیا تھا۔ شیخ صاحب چمرقند، حاجی ترنگ زئی، نواب صاحب دربند، مہتر چترال اور نواب صاحب دیر کو افغانستان کے شاہی خاندان کے ایک معزز رکن سردار نصر اللہ خان نے خطوط لکھ کر تحریک آزادی میں شریک ہونے کی تلقین کی تھی اور ہر قسم کی امداد کا یقین دلایا تھا۔ عبدالحق نے یہ ساری باتیں کمشنر کو بتا دیں۔ سردار نصر اللہ خان شاہی خاندان کے اس گروپ کے سربراہ تھے جو برطانیہ سے جہاد کرنے اور ہندوستان کی جنگ آزادی میں مدد دینے کا حامی تھا۔

۱۰ اگست ۱۹۱۶ء کو رب نواز کے ذریعہ اس مکمل اور مفصل رپورٹ کا کمشنر کے پاس پہنچنا قیامت سے کم نہ تھا۔ اس رپورٹ کی روشنی میں حکومت ہند نے بڑی تیزی اور سختی سے کارروائی شروع کر دی اور راتوں رات ہزاروں گرفتاریاں عمل میں آگئیں۔

پولیس کے چھاپے اور گرفتاریاں

یہ اطلاعات حاصل ہونے کے بعد ہندوستان کے کئی صوبوں میں پولیس نے چھاپے، خانہ تلاشیوں اور گرفتاریوں کا ایک طویل سلسلہ شروع کر دیا۔ مولانا عبیداللہ سندھی نے اپنی ذاتی ڈائری میں لکھا ہے کہ ہندوستان میں گرفتاریاں شروع ہوئیں تو ہم حیران رہ گئے۔ چند روز بعد شیخ الہند اور ان کے ساتھی مکہ معظمہ سے گرفتار کئے گئے۔ ایک عرصہ کے بعد ہمیں حقیقت معلوم ہوئی۔ جن صوبوں پر چھاپے مارے گئے ان کی تفصیل یہ ہے۔

یوپی، دہلی، پنجاب، سرحد، سندھ، گجرات، بہار، بنگال۔

جن شہروں میں گرفتاریاں اور خانہ تلاشیاں ہوئیں ان کی فہرست یہ ہے۔

علی گڑھ، دیوریا، میرٹھ، سورت، کلکتہ، گیا، رنگون، کٹیہار، مظفر نگر، کرنال، ضلع کے مختلف مقامات دہلی، لکھنؤ، دربھنگہ، بجنور، اجمیر، بیاور، شملہ، قصور، بمبئی، سہارنپور، دیوبند، رائے پور، سیالکوٹ، انبیٹھ، مرادآباد، انبالہ، پشاور، بھاگلپور، لاہور، حیدرآباد (پاکستان) دیرادل، خورجہ، چکوال ضلع جہلم، جودھپور، بھوپال، رڑکی، ٹونک، گنگوہ، رنگون (برما)

یہ اعداد و شمار جہاں مجاہدوں اور حریت پسندوں پر پولیس کی سختی اور جبر کی نشان دہی کرتے ہیں وہاں ان سے تحریک کے زبردست پھیلاؤ کا بھی ثبوت ملتا ہے۔ اگر ایک ایسی مثلث کھینچی جائے جس کا ایک نقطہ رنگون ہو، دوسرا کابل اور تیسرا مکہ معظمہ تو یہ مثلث جس علاقہ کو گھیرے گی وہ سب اس تحریک کے اثر کا علاقہ تھا۔ یہ تحریک آج کل کے برما، بنگلہ دیش، ہند یونین، پاکستان، افغانستان، اور سعودی عرب ۶ ملکوں پر اثر انداز تھی۔

تحریک کا تیسرا مرکز

اب تحریک کے تیسرے مرکز کے حالات پڑھیئے۔

حضرت شیخ الہند ستمبر ۱۹۱۵ میں حجاز پہنچے تھے اور بڑی تیزی سے اس مقصد کے لئے کام کر رہے تھے جس کی خاطر وہ یہاں آئے تھے۔ اس مدت میں انھوں نے ترک امراء سے ملاقاتیں کیں۔ برطانوی اقتدار کا خاتمہ کرنے کے طور طریقوں پر تبادلہ خیال کیا۔ حاجی علی جان کے خاندان کے ایک رکن

حاجی عبدالجبار کے ذریعہ مکہ کے گورنر غالب پاشا سے ملاقات کی۔ حاجی عبدالجبار بڑے تاجر لیکن دیانت، دین داری اور مذہبی و علمی حیثیت سے ایک خاص مقام رکھتے تھے جو مکہ میں بہت کم لوگوں کو نصیب تھا۔ دوسری ملاقات میں گورنر مکہ غالب پاشا نے شیخ الہند کی تحریک کو سراہا۔ ان کی ہم نوائی کی اور مکمل امداد کا اعلان کر دیا۔ غالب پاشا نے انھیں ملک کی ہندو اکثریت کے ساتھ مل کر کام کرنے کا بھی مشورہ دیا۔ حضرت شیخ پہلے ہی سے اس بات کو سمجھتے تھے حریت پسند بنگالی انقلاب پسندوں اور شیخ الہند کی تحریک کے کارکنوں میں اتنے قریبی روابط نہ ہوتے تو راش بہاری بوس چاندنی چوک میں لارڈ ہارڈنگ پر بم پھینکنے کے بعد مفقود الخبر ہو کر کوہ سیاہ میں پناہ نہ لیتے۔

(بیان عبدالحق عرف جیون داس)

غالب پاشا کا مشورہ

غالب پاشا کا یہ مشورہ ان کی سیاسی بصیرت پر دلالت کرتا ہے۔ خلافت عثمانیہ میں ترک، عیسائی، یہودی، ارمنی وغیرہ الگ الگ سیاسی یونٹ مانے جاتے تھے۔ یورپی نو آبادیاتی طاقتیں ان کی محافظ بن کر ان کو استعمال کرتی تھیں اور خلافت کے کاموں میں جس طرح روڑے اٹکاتی تھیں اس سے غالب پاشا بخوبی واقف تھے۔ اسی لئے انھوں نے حضرت شیخ الہند کو مشورہ دیا تھا کہ وہ ہندو اکثریت کو ساتھ ملا کر آزادی کی لڑائی لڑیں۔ یاد رہے کہ غالب پاشا کے اس مشورہ سے انحراف کی بڑی زبردست قیمت برصغیر کے مسلمانوں نے ادا کی ہے اور اب بھی وہ یہ قیمت چکا رہے ہیں۔ یہاں پر یہ کہنا بھی برمحل معلوم ہوتا ہے کہ امیر حبیب اللہ خاں نے مولانا عبیداللہ سندھی کو بھی یہی مشورہ دیا تھا۔

غالب پاشا کے خطوط

غالب پاشا نے ایک تحریر مسلمانان ہند کے نام لکھی تھی جس میں ہندوستان سے انگریزوں کو نکالنے اور آزادی کی لڑائی میں دل و جان سے شریک ہونے کی تلقین کی گئی تھی)۔ انھوں نے گورنر مدینہ انور پاشا کے نام دو تعارفی خط بھی شیخ الہند کو دے رکھے تھے۔ حضرت شیخ الہند کی انتہائی خواہش تھی کہ انور پاشا سے ملاقات اور مشورہ کریں۔ حضرت کا پروگرام تھا کہ مدینہ منورہ میں چند روز قیام کر کے استانبول کو روانہ ہو جائیں۔ چنانچہ آپ نے اپنے ساتھیوں کو جن میں مولوی مرتضیٰ حسن

مولانا محمد میاں، منصور انصاری اور مولوی سہیل کو ہند لوٹنے اور واپس جانے کی ہدایت کر دی تھی اور غالب پاشا کا جو خط ہندوستانی مسلمانوں کے نام تھا وہ مولانا منصور انصاری کے سپرد کر دیا تھا جو اس خط کو ہندوستان لائے۔

انور پاشا سے ملاقات

اس اثنا میں انور پاشا کا اچانک مدینہ آنا ہوا جہاں حضرت شیخ الہند نے ان سے ملاقات کی جو حضرت شیخ الہند کے چہیتے اور جاں نثار شاگرد و جانشیں حضرت مولانا حسین احمد مدنی کی کوشش سے ممکن ہو سکی تھی۔ انور پاشا نے آزادی ہند کی تحریک سے مکمل ہمدردی کی اور پوری پوری امداد و اعانت کا اعلان اور وعدہ کیا۔ حضرت شیخ الہند کی حسب خواہش انھیں ترکی عربی و فارسی میں دو تحریریں بھی لکھ دیں اور ان پر اپنی مہر لگا دی۔ ان تحریروں میں ہندوستان کی جنگ آزادی میں مکمل حمایت و امداد کا وعدہ کیا گیا تھا اور حکومت ترکی کے کارکنوں اور ملازموں کو شیخ الہند پر اعتماد کرنے اور ان کی ہر ممکن حمایت کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ حضرت شیخ نے یہ تحریریں مولانا ہادی حسن کے ہمراہ ہندوستان بھجوا دیں جو ایک چوبی صندوق کی تہ میں چھپا کر ہندوستان پہنچا دی گئیں۔ اس معاملہ کی کسی ذریعہ سے انگریزوں کو اطلاع مل گئی تھی۔ چنانچہ بمبئی کی بندرگاہ میں اور خان جہان پور میں مولانا ہادی حسن کے مکان پر اور دلی میں محمد مرزا فوٹو گرافر کے اسٹوڈیو پر پولیس نے چھاپے مارے اور تلاشیاں لیں، لیکن کچھ برآمد نہ کر سکی۔ ہدایت کے مطابق ان کے فوٹو تمام مرکزوں پر روانہ کیے گئے۔

حضرت شیخ الہند نے انور پاشا سے کہا تھا کہ انھیں براہ ایران قبائلی علاقہ میں بھجوا دیا جائے۔ حضرت شیخ کو علم نہ تھا کہ روسی فوجیں ایران میں داخل ہو گئی ہیں، انھوں نے ایران کا راستہ کاٹ دیا ہے۔ چنانچہ انور پاشا نے اس سے معذوری ظاہر کی۔ اس کے بعد حضرت نے بادبانی کشتیوں کے ذریعہ مکران پہنچ کر قبائلی علاقہ میں داخل ہونے کا قصد فرمایا۔ مکران بلوچستان کے ساحل پر نسبتاً کم آبادی والا علاقہ ہے۔ وہاں انگریزوں کی نگرانی بھی کم تھی۔ اگر حضرت شیخ مکران پہنچ جاتے تو قبائلی علاقہ میں داخل ہو جانا مطلقاً مشکل نہ تھا۔

حضرت شیخ الہند مکران کا سفر کرنے سے پہلے غالب پاشا سے ملاقات کرنا چاہتے تھے۔ غالب اس وقت طائف میں تھے۔ حضرت شیخ گورنر سے

ملاقات کے منتظر تھے کہ انگریزوں کی سازش کے تحت والی مکہ شریف حسین
نے بغاوت کردی۔ انتہائی خون ریز لڑائی کے بعد تمام ترک افسروں اور
فوجیوں کو گرفتار کرلیا گیا۔ گورنر غالب پاشا بھی گرفتار ہوگئے جس کے
بعد انھیں انگریزوں کے حوالے کردیا گیا۔ حضرت شیخ کچھ عرصہ تک آزاد
رہے لیکن اپنے مقصد کے لئے کچھ نہ کرسکے۔ ہندوستان سے ایک عزیز کے
ذریعہ گھر کی خیریت معلوم ہوئی لیکن انھیں تحریک کے رازوں کا بھی علم ہوگیا
شیخ الہند کے یہ عزیز نہایت کم عمر اور ناپختہ کار مگر نہایت جوشیلے تھے جب
گرفتار ہوئے تو انھوں نے سب کچھ بتادیا۔

حضرت شیخ الہند کی گرفتاری

شریف مکہ نے حضرت شیخ سے ترکوں کے خلاف فتویٰ لینا چاہا
جس سے آپ نے صاف انکار کردیا۔ اس پر شیخ الہند اور ان کے ساتھیوں
کو گرفتار کرکے جدہ لے جایا گیا، جہاں ایک ماہ زیر حراست رہے پھر
سویز اور اس کے بعد قاہرہ پہنچا دیا گیا۔ قاہرہ میں ایک ماہ تک پوچھ تاچھ
جاری رہی پھر شیخ الہند اور ان کے ساتھیوں کو مالٹا لے جاکر نظر بند
کردیا گیا۔

تحریک اور ریشمی خطوط کی مکمل تفصیل انگریزوں کو مل چکی تھی۔ اسی
بنا پر حضرت شیخ کو گرفتار کیا گیا۔ فتویٰ نہ دینے کا تو ایک بہانہ تھا۔ یہ
دسمبر ۱۹۱۶ء کا واقعہ ہے۔

حضرت شیخ الہند کے زمانہ نظر بندی میں جو لوگ ساتھ رہے ان
میں حضرت مولانا حسین احمد مدنی کا نام خاص اہمیت رکھتا ہے۔ آپ نے
حضرت شیخ کی خدمت کرنے اور زیادہ سے زیادہ آرام پہنچانے میں اپنا
دن رات ایک کردیا۔ ایک ادنیٰ سا واقعہ ہے، مالٹا میں شدت کی سردی
میں حضرت شیخ کے سرد پانی سے وضو کرنے کی تکلیف آپ سے دیکھی نہ گئی تو
آپ نے گرم پانی مہیا کرنے کا اہتمام اور التزام اس طرح کیا کہ ساری رات
ٹھنڈے پانی کا لوٹا سینے سے لگائے لحاف اوڑھے بیٹھے رہتے اور جسم
کی حرارت سے گرم شدہ پانی کا لوٹا فجر کے وضو کے لئے حضرت شیخ کی خدمت
میں پیش کردیتے۔ یہ سلسلہ ایک یا دو دن نہیں پورے تین سال ۵ مہینے
تک چلا۔ اس معمولی واقعہ سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ آپ نے حضرت
شیخ کو آرام پہنچانے کے لئے اور کیا کچھ نہ کیا ہوگا۔

۸ رجون ۱۹۲۰ء کو آپ کو بمبئی لے جاکر رہا کیا گیا۔

کابل میں گرفتاریاں

تحریک کے سارے راز انگریز کو معلوم ہوچکے تھے اور ہندوستان
میں بڑے پیمانہ پر گرفتاریاں عمل میں آچکی تھیں۔ پولیس بے شمار مقامات
پر چھاپے مار چکی تھی۔ ۲۲۳ اشخاص کے خلاف انکوائری و پوچھ تاچھ
کی جاچکی تھی اور ۵۹ اشخاص پر حکومت برطانیہ کا تختہ الٹنے اور غیر
ممالک سے امداد حاصل کرنے کی سازش کرنے کا مقدمہ قائم کردیا گیا
تھا۔ ادھر خلافت عثمانیہ سے عربوں کے انحراف اور شریف مکہ کی بغاوت
سے پانسہ پلٹ چکا تھا۔ امیر حبیب اللہ کی رائے بھی بدل گئی تھی، وہ
نہیں چاہتا تھا کہ افغانستان اس تحریک میں کوئی دلچسپی لے یا کسی
طرح سے ہندوستانی قوم پروروں کی مدد کرے۔ ادھر امیر حبیب اللہ
پر انگریزوں کا دباؤ بڑھ رہا تھا۔ بالآخر مولانا عبیداللہ سندھی اور
ان کے ساتھیوں کی گرفتاری اور نظر بندی کا حکم امیر حبیب اللہ
نے جاری کردیا۔

تاہم آپ نظر بندی کے زمانہ میں بھی تحریک سے غافل نہ رہے۔ اس
کے مقاصد کے لئے حسب استطاعت کام کرتے رہے۔ امیر امان اللہ
کے عہد حکومت میں انھوں نے کابل میں انڈین نیشنل کانگریس کی تشکیل
کرائی اور ڈاکٹر انصاری کے ذریعہ انڈین نیشنل کانگریس سے اس کا الحاق
کرایا۔ ہندوستان کے باہر یہ کانگریس کی پہلی شاخ تھی۔

امیر حبیب اللہ کے قتل کے بعد جب امیر امان اللہ تخت نشین
ہوئے تو مولانا سندھی کی سابقہ پوزیشن اور ان کا اقتدار بحال ہوگیا۔

افغانستان کی تیسری جنگ

میں ہندوستان کی امداد و تعاون

اگرچہ ہندوستان میں شیخ الہند کی تحریک اس وقت سست پڑ گئی
تھی۔ شیخ الہند مالٹا میں نظر بند تھے اور تحریک کے تمام رہنما گرفتار ہوچکے
تھے، خاص خاص ورکر نظر بند تھے، لیکن افغانستان میں ذرا حالات
بدلے ہوئے تھے۔ امیر امان اللہ خاں افغانستان کی تیسری جنگ کا
آغاز کررہے تھے چنانچہ انھوں نے ہندوستانی حریت پسندوں کو خاص
سہولتیں دے دی تھیں اور مولانا سندھی اور ان کی حزب اللہ کا تعاون
حاصل کرلیا تھا۔ مولانا سندھی نے سوچ لیا تھا کہ افغانستان کی آزادی

اور استقلال سے ہندوستان کی آزادی کی لڑائی میں بھی مدد ملے گی، چنانچہ امیر امان اللہ نے جنگ کا آغاز کیا تو مولانا سندھی، ان کے ساتھی اور حزب اللہ کے رضا کار بھی جنگ میں کود پڑے۔ انھوں نے افغانوں کے شانہ بشانہ اس جنگ میں حصہ لیا اور کوہاٹ ٹھل سڑک پر ٹھل کی چھاؤنی اور بستی پر قبضہ کر کے آزاد ہندوستان کا پہلا ایڈمنسٹریشن قائم کر دیا۔ اگرچہ یہ کامیابی اس لحاظ سے پائیدار ثابت نہ ہوئی کہ ۲۷ مئی ۱۹۱۹ء کو انگریزوں اور امیر کابل میں جنگ بندی کی شرائط کے تحت ان کو یہ علاقہ خالی کرنا پڑا لیکن ۱۹۴۴ء میں امفال اور کوہیما کی تاریخی لڑائیوں میں اس خطہ میں آزاد ہند فوج کا ایڈمنسٹریشن بھی پائیدار ثابت نہ ہو سکا لیکن اس سے ان واقعات کی اہمیت کم نہیں ہوتی۔

(بحوالہ آپ بیتی ظفر حسن ایبک مطبوعہ لاہور ص۱۷۸)

مولانا عبیداللہ سندھی ۱۳ اکتوبر ۱۹۲۲ء تک افغانستان میں ہندوستان کی آزادی کے لئے کام کرتے رہے۔ جب امیر امان اللہ کے دربار میں انگریزوں کا اثر و رسوخ بہت بڑھ گیا تو انھیں افغانستان چھوڑ کر روس جانا پڑا لیکن امیر امان اللہ بھی تخت سلطنت پر زیادہ دن تک نہیں رہ سکے انگریزوں کی دسیسہ کاریوں نے ان کو چین نہ لینے دیا اور وہ تخت سے دست بردار ہو کر روم میں پناہ لینے کے لئے مجبور ہو گئے۔

شیخ الہند پہلے ہی سمجھ چکے تھے کہ آزادی کے لئے مسلح جدوجہد کا راستہ اور غیر وطنی طاقتوں سے امداد و تعاون کا خیال چھوڑ کر عدم تشدد کا طریقہ اور اپنی آزادی کے لئے اپنے ہی اوپر بھروسہ کرنے کا اصول اختیار کرنا لازم اور ناگزیر ہے۔ چنانچہ انھوں نے پوری طرح کانگریس کے ساتھ یک جہت ہو کر ملک کی تحریک آزادی کے لئے کام کرنا شروع کر دیا اور آخر وقت تک جمعیۃ علماء ہند، خلافت کمیٹی و کانگریس کے پلیٹ فارموں سے آزادئ وطن کے لئے کام کرتے رہے۔

گاندھی جی ۱۸۹۳ء سے جنوبی افریقہ میں مسلمان تاجروں کے لئے کام کر رہے تھے جن میں دادا عبداللہ سیٹھ اور طیب حاجی خان خصوصیت سے قابل تذکرہ ہیں۔ گاندھی جی نے جنوبی افریقہ میں نسلی امتیاز کے خلاف اور ہندوستانیوں کو ووٹ کا حق دلانے کی پرامن جدوجہد کی تھی اس میں مسلمانوں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا۔ جنوبی افریقہ کے تجربہ سے ان کو پختہ یقین ہو گیا تھا کہ ہندو مسلمانوں کے اتحاد کے بغیر کوئی کام نہیں ہو سکتا۔

۸ جون ۱۹۲۰ء کو بمبئی پہنچنے کے بعد شیخ رح نے گاندھی جی سے ملاقات کی تفصیل کا یہ موقع نہیں۔ گاندھی جی ان دنوں میں شاید تیسری صف کے لیڈروں میں شمار ہوتے تھے لیکن دیگر ہندوستانی رہنماؤں کے مقابلہ میں وہ تحریک آزادی کے لئے زیادہ مستعد اور پر جوش نظر آئے لہذا اکابر علمائے، خلافت کمیٹی کے اور اس زمانہ کے دیگر ممتاز رہنماؤں نے آزادی کی لڑائی میں ان کو سردار بنانا مناسب سمجھتے ہوئے ان کی عظمت میں چار چاند لگانے میں دن رات ایک کر دئے۔

سطحی نظر سے دیکھنے والے کہیں گے کہ شیخ الہند کی تحریک اپنے مقصد کو حاصل نہ کر سکی لیکن اس تحریک کو قطعاً ناکام بھی نہیں کہا جا سکتا کیونکہ یہ شیخ الہند ہی کی تحریک ہے جس نے ہندوستان کی جدوجہد آزادی کو نیا عزم اور نیا حوصلہ عطا کیا۔ کانگریس کو جو انگریزوں کے دربار میں عرضداشتیں پیش کرنے کے سوا کچھ نہ جانتی تھی، انقلابی اور مجاہدانہ کردار ادا کیا اور برطانوی جبر و اقتدار سے ٹکرانے کے قابل بنایا۔ شیخ الہند کی تحریک جمعیۃ الانصار اور جنود اللہ اور کابل اس کی قائم کردہ حکومت موقتہ نے نیتا جی کی آزاد ہند فوج اور آزاد ہند گورنمنٹ کے لئے نمونہ کا کام دیا۔ یہ بھی اسی تحریک کا نتیجہ ہے کہ افغانستان نے تیسری افغان جنگ کے بعد برطانوی غلبہ سے نجات حاصل کی اور دنیا کی آزاد اقوام میں اپنا مقام بنانے کے قابل ہوا۔

ان نتائج کو دیکھ کر شیخ الہند کی تحریک کے کٹر اور تنگ نظر مخالفوں اور نکتہ چینیوں کو بھی تسلیم کرنا پڑا ہے کہ یہ ایک قومی تحریک تھی اور ہماری جدوجہد آزادی کی تاریخ میں اس کا ایک اونچا مقام ہے یہ صحیح ہے کہ حضرت شیخ الہند رح نے ترکی کی خلافت عثمانیہ اور افغانستان سے مدد لینے کی کوشش کی اور ان دونوں کو بھی شیخ الہند کی تحریک سے اور ہندوستان کی آزادی سے دلچسپی تھی۔ لیکن یہ بھی واضح رہے کہ آزادی کی آئندہ جنگ میں نیپال کی آزاد حکومت اور دیسی ریاستوں سے بھی مدد لینے کا پروگرام تھا۔ حکومت موقتہ کے صدر راجہ مہندر پرتاپ کے خطوط اس امر کو ثابت کرتے ہیں کہ ایک اطلاع کے مطابق مہاراجہ بڑودہ نے آزادی کی اس جنگ میں حصہ لینے کا وعدہ بھی کر لیا تھا۔

ریشمی رومال تحریک : اہم واقعات

۱۸۹۰ء شیخ الہند مولانا محمود الحسن دارالعلوم دیوبند کے صدر مدرس

۱۹۰۵ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کے وصال کے بعد شاہ ولی اللہ کے مشن اور تحریک دیوبند کی سربراہی سنبھالی۔

تحریک کے نئے دور کا آغاز۔ ہم خیال افراد کے سیل بنانے کا کام تیزی سے شروع۔

۱۹۰۹ دارالعلوم دیوبند میں جمعیۃ الانصار کا قیام

۱۹۱۰ دارالعلوم کا جشن دستار بندی

۱۹۱۱ جنگ طرابلس کا آغاز۔ مرادآباد میں جمعیۃ الانصار کا اجلاس۔

۱۹۱۲ کلکتہ میں مولانا آزاد کے زیر سرپرستی جمعیۃ حزب اللہ کا قیام

۱۹۱۳ دوسری جنگ بلقان کا خاتمہ۔

مسجد فتح پوری دہلی میں مولانا عبید اللہ سندھی نے نظارۃ المعارف القرآنیۃ قائم کیا (یکم نومبر)

۱۹۱۴ ترکی، برطانیہ کے خلاف جنگ میں شامل ہو گیا (نومبر ۱۹۱۴)

راجہ مہندر پرتاپ کو حکومت برطانیہ نے اٹلی، سوئزرلینڈ اور فرانس جانے کا پاسپورٹ دیا۔

۱۹۱۵ پنجاب کے انگریزی خواں مہاجر طلبا نے سرحد پار کی (فروری)

مولانا عبید اللہ سندھی کوئٹہ ہوتے ہوئے افغانستان پہنچے (۱۵ اگست)۔ مولانا محمود الحسن نے تحریک کے بڑے ہمنواؤں کو سرحد پار روانہ کیا۔

مہمند اور دوسرے قبائل کے سرحد پر چھاپے اور لڑائیاں (اگست ۱۹۱۵)

حضرت شیخ الہند حجاز پہنچے (ستمبر ۱۹۱۵)

جرمن مشن کابل پہنچا۔

بصرہ کی چھاؤنی پر انگریزوں کا قبضہ (۲۱ نومبر ۱۹۱۵)

مولانا مطلوب الرحمٰن کی حجاز سے واپسی

۱۹۱۶ کابل میں بشمول مولانا عبید اللہ سندھی حکومت موقتہ ہندیہ کا قیام۔

۱۹۱۶ء مولانا محمد میاں مولوی مرتضیٰ کی ہندوستان کو واپسی۔

زار روس سے ملاقات کے لئے عبوری حکومت کے وفد کی روانگی (مارچ ۱۹۱۶)

مولانا محمد میاں نے ہندوستان میں اپنا کام پورا کرنے کے بعد غالب نامہ و شیخ الاسلام کا فتویٰ لے کر سرحد پار کی (اپریل ۱۹۱۶)

ترکی و جاپان کے لئے وفد کی روانگی (۹ جولائی ۱۹۱۶)

شریف مکہ خلافت عثمانیہ سے بغاوت کر کے انگریزوں سے مل گیا (جون ۱۹۱۶)

حجاز میں تحریک کا خاتمہ

کابل میں ریشمی خطوط لکھے گئے (۱۰ جولائی ۱۹۱۶)

ریشمی خطوط عبد الحق کو دے گئے

عبد الحق کی غداری

تحریک کے بارے میں ساری اطلاعات انگریزوں کو مل گئیں

ہند میں تحریک کا خاتمہ۔

کابل میں مولانا عبید اللہ اور ان کے ساتھی گرفتار (اکتوبر ۱۹۱۶)

افغانستان میں تحریک سست پڑ گئی (نوٹ: امیر امان اللہ کے تخت نشین ہونے سے تحریک میں نئی جان آئی)

شیخ الہند کی حجاز میں گرفتاری (دسمبر ۱۹۱۶)

۱۹۱۷ اسکندریہ اور مالٹا میں حضرت شیخ الہند کی نظر بندی (فروری ۱۹۱۷)

انگریزوں کا بغداد پر قبضہ

۱۹۱۸ دمشق پر قبضہ۔ بیت المقدس پر قبضہ (یکم اکتوبر ۱۹۱۸)

حلب پر قبضہ (۲۶ اکتوبر ۱۹۱۸)

ترکی نے ہتھیار ڈال دئے (۳۰ اکتوبر ۱۹۱۸)

۱۹۲۰ حضرت شیخ کی رہائی کا فیصلہ (فروری ۱۹۲۰)

مالٹا سے بمبئی لا کر رہا کر دیا گیا (۸ جون ۱۹۲۰)

اھلاً وسھلاً ومرحبا

برّ اعظم ایشیاء کی عظیم ترین اسلامی یونیورسٹی

دارالعلوم دیوبند

کے جشنِ صد سالہ اور پندرھویں صدی ہجری کے استقبال کے مبارک موقع پر

برصغیر ہند پاک کا مشہور و معروف اور قابل اعتماد ادارہ

کتب خانہ عزیزیہ جامع مسجد دہلی

اردو بازار

یادگار مولانا محمد سمیع اللہ قاسمی رحمۃ اللہ علیہ

مملکۃ العربیۃ السعودیہ، شام، اردن، مصر، ایران، عراق، کویت، متحدہ عرب امارات، ری یونین، ساؤتھ افریقہ، امریکہ، انگلستان، بنگلہ دیش، افغانستان، پاکستان اور ہندوستان کے گوشے گوشے سے آنیوالے علماء، زعماء، فضلاء، توحید کے متوالوں اور شمع رسالت کے پروانوں کو صمیم قلب سے خوش آمدید کہتا ہے

قائم کردہ جشن صد سالہ دیوبند، کے پر رونق بازار میں دوکان نمبر ۲ تا ۴ پر تشریف لا کر بارعایت کتابیں اور مناسب پر قرآن مجید حاصل کریں۔

پوجاشیونگ کپ سوپ بنانے والے
اب پیش کرتے ہیں
ایک اور اعلیٰ اور نایاب تحفہ
پوجاشیونگ کریم
جھاگ سے بھرپور۔ خوشبودار
اور داموں میں دوسروں سے کم ہے
زیڈ بی انٹرپرائزز زیڈ بی سوپ فیکٹری
بلیماران دہلی ۶
فون نمبر ۲۶۷۵۱۸ اور ۲۶۰۶۶۸

پیغامات

قومی امنگوں کے لئے مشعل راہ

مائی ڈیر ناز انصاری صاحب

صدر جمہوریہ ہند کے نام آپ کا خط مورخہ ۷ مارچ سنہ ۱۹۸۰ء ملا۔

میں اس خط کے ہمراہ آپ کو اس پیغام کی نقل بھیج رہا ہوں جو صدر جمہوریہ ہند نے دارالعلوم کی صد سالہ تقریبات کے موقع پر دیا ہے اور جو میں نے قاری محمد طیب صاحب کو دیوبند بھیجا ہے۔ آپ اسے الجمعیۃ کے خصوصی شمارہ میں شائع کرنا پسند کریں گے۔

آپ کا مخلص۔ اے ایم عبد الحمید

(پریس سکریٹری صدر جمہوریہ ہند)

راشٹرپتی بھون۔ نئی دہلی۔

۱۳ مارچ سنہ ۱۹۸۰ء

مجھے یہ معلوم کرکے خوشی ہوئی کہ دارالعلوم دیوبند کی صد سالہ تقریبات ۲۱ مارچ تا ۲۳ مارچ سنہ ۱۹۸۰ء منائی جاری ہیں اپنی زندگی کے سو سال سے زیادہ کی مدت میں یہ ادارہ قومی امنگوں اور سچائی کی لگن کے لئے مشعل راہ جارہا ہے۔

تمام اسلامی علوم کے علمی مرکز کی حیثیت سے دارالعلوم نے پورے عالم اسلام میں ایک نمایاں مقام حاصل کرلیا ہے۔

میں تقریبات کی کلی کامیابی کا خواہاں ہوں۔

(این سنجیوا ریڈی)

توکل علی اللہ کا سرچشمہ

نائب صدر جمہوریہ ہند مسٹر ہدایت اللہ کا پیغام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

دارالعلوم دیوبند ایشیا کی وہ عظیم اسلامی اور انقلابی درس گاہ ہے جہاں سے حریت کے علم برداروں کا وہ قافلہ اٹھا جس نے اس دور کی سامراجی قوتوں کے قصر استبداد میں "درعشہ سیماب" پیدا کر دیا تھا۔ حضرت مولانا قاسم نانوتوی۔ شیخ الہند مولانا محمود حسن اور شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی جیسی تاریخ ساز شخصیتیں اسی دارالعلوم دیوبند کا فیضان تھیں۔

دارالعلوم دیوبند کی تاسیس اور تشکیل کے خاکہ میں جن خدا کے نیک بندوں نے اپنے جذبۂ ایمانی سے رنگ بھرا ان میں حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ، حاجی سید محمد عابد حسین دیوبندیؒ، حضرت مولانا ذوالفقار علی دیوبندیؒ، حضرت مولانا محمد رفیع الدین دیوبندیؒ، حضرت مولانا فضل الرحمٰن دیوبندیؒ، اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے اسماء ہیں۔ یہ علماء کرام زمانہ کی وہ لافانی اور لاثانی ہستیاں تھیں جن کے سینے نور ابراہیم سے معمور تھے اور جنھوں نے "توکل علی اللہ" کے سرچشمہ سے اس درس گاہ کے پودے کی آبیاری کی تھی۔ آج کا روشن اور تابناک دارالعلوم دیوبند انھیں اکابرین کی بے کراں کوششوں کا آئینہ دار ہے۔ خدا کرے دارالعلوم دیوبند کا یہ جشن صد سالہ ہمہ آب و تاب کامیاب ہو۔

محمد ہدایت اللہ

روشنی کا فلک رس مینار

(شیخ الحدیث دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کا مکتوب گرامی)

گرامی قدر، دامت معالیکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ نامہ سامی پہنچا۔ کرم فرمائی کا ممنون ہوں۔ مادر علمی دارالعلوم دیوبند کے صد سالہ جشن تاسیس پر ایک موقر جریدہ کے دارالعلوم دیوبند نمبر شائع کرنے کا ارادہ نہایت مبارک قابل قدر اور موجب تحسین ہے۔ دنیا کے اس عظیم دینی ادارہ نے اپنے گزشتہ سو سالہ دور میں جو جلیل القدر اور عظیم الشان خدمات انجام دی ہیں۔ سچ یہ ہے کہ دفاتر میں بھی ان کا احاطہ سمیٹنا آسان نہیں ہے۔ ایک طرف رجال سازی میں ہر اعتبار سے جو قدآور عبقری شخصیات دیوبند سے اللہ تعالیٰ کے فضل سے پیدا ہوئے ان کی نظیر پورے عالم اسلام میں نہیں ملتی۔ علم و تقویٰ کے نوابغ نیرہ، جامعیت علوم کے فحول، مہارت حدیث و فقہ کے ماہرین، تفسیر و تصوف کے شموس بازغہ کی ایک بڑی تعداد نگاہوں میں جگمگا رہی ہے۔ علمی اور کتابی لحاظ سے پورے دیوبند کی خدمات بے کراں کے لئے ایک سفینہ نہیں، سفینے چاہئیں۔ یہاں ایک ایک شخص کی خدمات علمی سینکڑوں کتابوں سے متجاوز ہیں۔ سیاسی، سماجی، علمی، عملی، وطنی غرض ہر رخ و اعتبار سے دیوبند روشنی کا وہ فلک رس مینار رہے جن کی روشنی سے پورا عالم مستنیر ہے اور انشاء اللہ قیامت تک ہوتا رہے گا۔ اللہ تعالیٰ ہدایت کے اس مہر منیر کو تاابد روشن رکھے اور پورے عالم کو اس سے مستفید فرماتا رہے۔ فقط

عبدالحق عفی عنہ

(شیخ الحدیث و بانی دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

سابق استاذ دارالعلوم دیوبند و سابق رکن پارلیمنٹ پاکستان)

ہندوستان اور ہندوستانی مسلمان فخر کر سکتے ہیں

(مولانا ابوالحسن علی ندوی کا پیغام)

دارالعلوم دیوبند، ہندوستانی مسلمانوں کا ایک نہایت قیمتی علمی و دینی سرمایہ ہے۔ جس کی حیثیت صرف تاریخی ہی نہیں بلکہ تاریخ ساز بھی ہے، یہ اُن چند علمی اداروں میں سے ایک بڑا ادارہ ہے جس پر ہندوستان اور ہندوستانی مسلمان فخر کر سکتے ہیں اور جس کی علمی و دینی، تبلیغی و روحانی خدمات تقریباً سوا سو سال سے برصغیر ہند و پاک ہی میں نہیں بلکہ اس کے باہر بھی پھیلی ہوئی ہیں،

آئندہ مارچ میں یہ ادارہ اپنا سو سالہ جشن منعقد کر رہا ہے جس کے ساتھ ساتھ دُنیا بھر میں مسلمان پندرہویں صدی ہجری کا استقبال بھی کر رہے ہیں اور اسلام کی نشأۃ ثانیہ کی اُمیدیں بھی وابستہ کئے ہوئے ہیں۔ میری دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ماضی قریب کی طرح اس ادارے سے اسلام اور مسلمانوں کی صحیح خدمت اور رہنمائی کا کام لے۔ ان کلمات کے ساتھ میں روزنامہ الجمعیۃ دہلی کے دارالعلوم دیوبند نمبر کی کامیابی کے لئے بھی دعا گو ہوں کہ وہ اس اخبار اور اس ادارے کے شایانِ شان ہو۔ اور علمی دستاویز بن جائے۔

مخلص

(حضرت مولانا) ابوالحسن علی (مدظلہٗ)

ندوۃ العلماء لکھنؤ۔ ۹ر فروری ۱۹۸۰ء

دارالعلوم دیوبند نے متحدہ قومیت کے فروغ میں مثبت کردار ادا کیا ہے

(اقلیتی کمیشن کے چیرمین مسٹر انصاری کا پیغام)

محترمی تسلیم!

آپ کا گرامی نامہ ملا۔ شکریہ

مجھے یہ جان کر انتہائی مسرت ہوئی کہ جامعہ اسلامیہ دارالعلوم دیوبند کے جشن صد سالہ کے اہم موقع پر روزنامہ الجمعیۃ خاص نمبر نکالنے کا اہتمام کر رہا ہے۔

بلاشبہ یہ دارالعلوم ہندوستانی اور اسلامی تاریخ کا ایک روشن منارہ ہے۔ اس ادارہ نے فکر و تعلیم اسلامی کے ارتقاء و ترویج میں نمایاں کردار ادا کیا ہے اور عالم اسلام کو جبر و استبداد کے سامنے کبھی سر خم نہ کرنے کا درس دیتے ہوئے انھیں جرأت اظہار اور بے باکی کا سرمایہ بھی دیا تاکہ وہ کارزار حیات میں باعزت زندگی گزار سکیں۔

دارالعلوم دیوبند ایک مذہبی ادارہ ہی نہیں بلکہ اس نے متحدہ قومیت کے فروغ میں ایک مثبت کردار بھی ادا کیا ہے۔ جدوجہد آزادی کے پُرآشوب دور میں مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی، حضرت مولانا محمود الحسن صاحب، مولانا حسین احمد مدنی صاحب اور دوسرے اکابرین دارالعلوم نے جس طرح جابر حکمرانوں کے خلاف آواز بلند کی اور تحریک آزادی میں نمایاں کردار ادا کیا وہ ناقابل فراموش ہے

دور حاضر میں مولانا اسعد مدنی صاحب کی ملک و قوم کے لئے خدمات کا اعتراف نہ کرنا ان کی حق تلفی ہوگی۔ انھوں نے علمائے دیوبند کی روایت کی پوری طرح پاسبانی کی ہے اور اب بھی فعال کردار ادا کر رہے ہیں۔

اس مبارک موقع پر میری تمام نیک خواہشات دارالعلوم دیوبند اور روزنامہ الجمعیۃ کے ساتھ ہیں

آپ کا

محمد رفیع الدین احمد انصاری

رشد و ہدایت کا چراغ

(پروفیسر محمد شفیع قائم مقام وائس چانسلر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی)

یہ معلوم کرکے خوشی ہوئی کہ ادارہ الجمعیۃ دارالعلوم دیوبند کے اجلاس صد سالہ کے تاریخی موقع پر ایک خاص نمبر شائع کر رہا ہے۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کی ناکامی کے نتیجہ میں برصغیر کے شمالی حصے میں ملت اسلامیہ کی شیرازہ بندی اور نشاۃ ثانیہ کے لئے اپنے اپنے دائروں میں جن تحریکات نے بھرپور رول ادا کیا ہے ان میں علی گڑھ اور دیوبند دو علامتوں کے طور پر سامنے آتے ہیں۔ درحقیقت یہ دونوں تحریکیں شاہ ولی اللہ سے وابستہ ہیں جن کا فیض کسی ایک جہت میں محدود نہیں رہا۔

سرسید اکثر کہا کرتے تھے کہ "اس بات کی خوشی ہے کہ مسلمان مختلف علوم و فنون میں ترقی کریں۔ یہ اسی وقت ہو سکتی ہے جبکہ دنیاوی علوم کے ساتھ مذہبی تعلیم و تربیت میں بھی ترقی کریں۔" اس لئے انھوں نے کالج میں مذہبی تعلیم کے لئے ٹرسٹیوں کے ماتحت دو کمیٹیاں "کمیٹی مدیران تعلیم و تربیت اہل سنت و جماعت اور شیعہ اثنا عشری" قائم کیں۔ تاکہ کتب مذہبی کی تعلیم اور مذہبی فرائض کی ادائگی پر نگاہ رکھی جا سکے۔ چنانچہ مدرستہ العلوم میں مذہبی تعلیم کے اہتمام و انصرام کے لئے مولانا عبداللہ انصاری صاحب قبلہ کو پہلا ناظم دینیات مقرر کیا گیا۔ مولانا عبداللہ صاحب بانئ دارالعلوم دیوبند جناب مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رح کے قریبی عزیز تھے۔ دوسرے اکابرین کے بھی گہرے روابط اس ادارے (ایم۔ اے۔ او کالج) کے ساتھ رہے۔

انہی روابط کے تحت یہ بات طے پائی تھی کہ مدرستہ العلوم مسلمانان علی گڑھ کے فارغ التحصیل طلباء دارالعلوم دیوبند میں جائیں اور دارالعلوم دیوبند کے فاضل مغربی تعلیم کے حصول کے واسطے ایم۔ اے۔ او کالج علی گڑھ آئیں تاکہ وقت اور زمانہ کی ضرورت کے تحت دیوبند کے فاضل طلباء مغربی علوم اور علی گڑھ کے گریجویٹ مشرقی علوم سے بہرہ ور ہو سکیں۔

سرسید کی تعلیمی تحریک نے برصغیر میں تعلیم جدید کے لئے جا بجا مدرسوں کا قیام اور دیوبند کی کوششوں سے کم از کم پورے شمالی ہند میں مدارس کا جال بچھا دیا۔ ہاں دیوبند نے اس مقصد کو بھی پیش نظر رکھا کہ دینی تعلیم کے واسطے حکومت پر بالکل انحصار نہ کیا جائے اور اپنے اداروں کو چلانے کے لئے کلیتاً صرف اپنے وسائل پر بھروسہ و اعتماد کرنے کا جذبہ پیدا کیا۔ اس بے لوث محنت خادمین ملت اور ایثار کے نتیجے میں رشد و ہدایت کے جو چراغ روشن ہوئے ان کی تابانی سے آج ایک جہان روشن ہے۔

خدا سے دعا ہے کہ دارالعلوم دیوبند کے اکابرین نے علم و عمل کی جو شمع روشن کی ہے اس کی ضیا پاشی میں دن دونی رات چوگنی ترقی ہو۔ انشاء اللہ تعالیٰ

محمد شفیع

سامراج کیخلاف ناقابل تسخیر جرأت

مسٹر راجیشور راؤ جنرل سکریٹری کمیونسٹ پارٹی آف انڈیا

محترمی جناب نازانصاری صاحب

آپ کے خط مورخہ ۹ مارچ ۱۹۸۰ء کا شکریہ جس میں آپ نے مجھ سے روزنامہ الجمعیۃ کی اس خصوصی اشاعت کے لئے بیان دینے کو کہا ہے جو آپ دارالعلوم دیوبند کی صدسالہ تقریبات کے موقعہ پر نکالنے والے ہیں۔ مجھے خوشی ہے کہ الجمعیۃ اس طریقہ سے دارالعلوم کی صدسالہ تقریبات کی عزت افزائی کر رہا ہے۔

ہم سب اور کمیونسٹ پارٹی اُن نمایاں خدمات سے بھی واقف ہیں جو دارالعلوم دیوبند نے گذشتہ ایک سو سال کی مدت میں براعظم ایشیا میں تعلیمات اسلامی کے نمایاں ادارے کی حیثیت سے انجام دیں اور برطانوی سامراجیت کے خلاف ہمارے ملک کی جدوجہد آزادی میں اس کے شاندار کردار سے بھی ہمارے ملک کی سامراجیت مخالف آزادی کی جدوجہد کے بہت سے قائدین اس عظیم ادارے سے اس کے طلباء کی حیثیت سے بھی منسلک رہے ہیں اور اساتذہ کی حیثیت سے بھی۔ انہوں نے سامراجیوں کے خلاف جدوجہد میں اپنی ناقابل تسخیر جرأت کے ذریعہ نہ صرف مسلمانوں کی بلکہ ہمارے ملک کے سیاسی طبقوں کو متاثر کیا ہے اور ہماری ملک کی سامراجیت مخالف روایات میں قابل قدر اضافہ کیا ہے۔ ہندو مسلم اتحاد کے علمبردار کی حیثیت سے انہوں نے ہماری جدوجہد آزادی میں سیکولر جمہوریت کی روایات کو نہ صرف برقرار رکھا بلکہ ان میں قابل قدر اضافہ بھی کیا۔ ہم کمیونسٹ ان خدمات کو بڑی قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

اس عظیم اسلامی ادارہ کی صدسالہ تقریبات مناتے ہوئے ان سب پہلوؤں سے متعلق واقعات کو نمایاں کرنا ہوگا۔ آپ کے اخبار کو یہ کام خاص طور سے انجام دینا ہوگا۔ جو جمعیۃ العلماء ہند کا نقیب ہے۔ جس کی سامراجیت مخالف اور سیکولر جمہوری روایات عظیم ہیں۔ میں ایسا اس لئے کہہ رہا ہوں کہ بعض افراد کی طرف سے دارالعلوم دیوبند کی تاریخ کے اس اہم پہلو کو دبانے کی کوشش ہو رہی ہے۔ برخلاف اس کے ضرورت اس امر کی ہے کہ دارالعلوم دیوبند کی خدمات کو اور بھی زیادہ نمایاں کیا جائے۔

آپ کے کام میں کامیابی کی خواہش کے ساتھ

سی راجیشور راؤ
جنرل سکریٹری
(کمیونسٹ پارٹی آف انڈیا)

عظیم دانشگاہ

مجھے یہ جان کر مسرت ہوئی کہ عربی علوم اور اسلامی دینیات کی مشہور ہندوستانی یونیورسٹی ۲۱ سے ۲۳ مارچ ۱۹۸۰ء تک اپنی صدسالہ تقریبات منا رہی ہے۔ اس ادارے نے جدوجہد آزادی کے درمیان اہم شخصیتیں پیدا کیں اور اس نے عام طور پر سب ہی عوام کی اور خاص طور سے ہندوستانی مسلمانوں میں قومیت اور حب الوطنی کا جذبہ پیدا کرنے کی نمایاں کردار انجام دیا ہے۔ اس تاریخی رول کے علاوہ جو اس نے عوام کی عام قومی دھارے میں شرکت کا جذبہ پیدا کرنے کے لئے ادا کیا۔ یہ ادارہ ہندوستان اور دنیا کے دوسرے ملکوں کے طلباء کے عظیم درسگاہ بھی رہا ہے

یہ معلوم ہو کر مجھے خوشی ہوئی کہ الجمعیۃ اس موقع پر اپنا خصوصی نمبر نکال رہا ہے۔ مجھے امید ہے کہ یہ اس عظیم ادارہ کی تاریخ پیش کرنے کے اپنے مقصد میں کامیاب ہوگا۔

اے بی اے غنی خاں چودھری
وزیر برائے توانائی و آبپاشی (حکومت ہند)

وزیر داخلہ کا پیغام

ڈیر بشری انصاری

بحوالہ آپ کے مکتوب مورخہ ۹ مارچ سنہ ۱۹۸۰ء بنام گیانی ذیل سنگھ مرکزی وزیر داخلہ۔
آپ کے فرمانے کے بموجب موصوف کا پیغام منسلک ہے۔

آپ کا مخلص۔ دستخط لو آر کپور

پیغام:- ہندوستان کی مشہور عربی یونیورسٹی اور اسلامی دار العلوم دیوبند کے ۲۱ مارچ سے شروع ہونے والے جشن صدسالہ کے سلسلہ میں روزنامہ الجمعیۃ کی طرف سے پیش کئے جانے والے خصوصی نمبر میں اپنی بہترین نیک خواہشات پیش کرتا ہوں۔

دستخط
ذیل سنگھ

اسلامی تحریک کے احیاء میں دیوبند کا کردار

...ذیر پاکستان ہز ایکسی لینسی مسٹر عبد الستار کا پیغام

مورخہ ۱۹ مارچ سنہ ۱۹۸۰ء

جناب ناز صاحب

السلام علیکم

دارالعلوم دیوبند ایشیا کی دینی درسگاہوں میں ایک ممتاز مقام رکھتا ہے۔ اس صدی کی اسلامی تحریک کے احیاء میں دیوبند نے جو کردار کیا ہے مسلم ممالک میں اُسے قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ اس دینی مرکز سے کئی نسلیں اسلامی تعلیمات سے بہرہ ور ہوئیں بالخصوص فقہ کی تدریس میں دیوبند کا مقام بہت بلند ہے۔ اس ادارے کی روایات آج بھی درخشاں ہیں اور اس کے فیض و برکات کا چشمہ بدستور جاری ہے روزنامہ الجمعیۃ دارالعلوم دیوبند کے صد سالہ اجلاس کے موقع پر ایک خصوصی شمارہ شائع کر رہا ہے اس کے ذریعہ اس ادارے کے تاریخی پس منظر اور دینی و علمی خدمات کو سمجھنے میں مدد ملے گی اور اس ادارے کے عظیم کارناموں کو محفوظ کیا جائے گا۔ میری دلی دعا ہے کہ یہ خصوصی شمارہ کامیاب اور مقبول ہو۔

والسلام

المخلص

(عبدالستار)

سفیر پاکستان

بخدمت جناب ناز انصاری صاحب

مدیر روزنامہ "الجمعیۃ"

گلی قاسم جان، بلی ماران

دہلی - ۶

انسانیت کی سب سے بڑی خدمت

سفیر جمہوریہ عراق

مجھے یہ جان کر مسرت ہوئی کہ دارالعلوم دیوبند ۲۱ سے ۲۳ مارچ ۱۹۸۰ء تک اپنی صد سالہ تقریب منا رہا ہے، سو سالہ منزل طے کرنا فخر کی بات ہے۔ لیکن سب ہی متعلقہ شعبوں میں کسی مقصد کے ساتھ گامزن رہنا آزمائشوں اور کامیابیوں دونوں کو موجب دائمی فخر بنا دیتا ہے۔

اس پوری سو سالہ مدت میں اس ادارے نے اسلام کے خدائی پیغام اور اس زبان کے ساتھ اپنا رشتہ استوار رکھا جس میں یہ پیغام نازل ہوا یعنی عربی کے ساتھ۔ انسانیت کی اس سے بڑی اور کوئی خدمت نہیں ہو سکتی۔ بنا بریں دارالعلوم کی شاندار قربانیاں اور اس کے ممتاز علماء اور اس کی بلند قامت شخصیتیں اس کا قدرتی ثمرہ ہیں۔

اسلام کے پیغام کی اہمیت آج بھی اتنی ہی ہے جتنی آج سے چودہ سو سال پہلے تھی اور مستقبل میں بھی ایسی ہی رہے گی۔ لہٰذا دارالعلوم کے سامنے اپنے شاندار مارچ کو برقرار رکھنے کے لئے صدیاں باقی ہیں۔

میری تمام بہترین خواہشات کے ساتھ

جہاد کرم

ڈیئر مسٹر انصاری

میں آپ کے خط مورخہ ۹ مارچ سنہ ۱۹۸۰ء کا شکریہ ادا کرتا ہوں، مجھے یہ جان کر خوشی ہوئی کہ آپ دارالعلوم دیوبند کے صد سالہ جشن پر ایک خصوصی شمارہ شائع کر رہے ہیں۔ میں آپ کی فرمائش پر ایک پیغام روانہ کر رہا ہوں۔

آپ کا مخلص

محمد عبد اللطیف راشد

(سفیر متحدہ عرب امارات)

سفیر متحدہ عرب امارات

بنی نوع انسان کے لئے دائمی رہنما

عربی زبان اور اسلامی دینیات کے مشہور اور ممتاز تعلیمی ادارے دارالعلوم دیوبند کو لگن سے کام کرنے اور کامیابی کے ساتھ سو سالہ زندگی پوری کرنے پر دلی مبارکباد دیتے ہوئے مجھے مسرت حاصل ہو رہی ہے۔ تعلیمات اسلامی ابدی نور کا سرچشمہ ہیں جو آنے والے ہر دور میں بنی نوع کی بھی رہنمائی کرتی رہیں گی۔

ہماری تمنا ہے کہ دارالعلوم دیوبند کو مستقبل میں ہر طرح کی کامیابیاں حاصل ہوں!

تاریخ دیوبند ہے تاریخ وطن

لالہ دھرم پال گپتا وفا۔ ایڈیٹر تیج ویکلی دلی

انکار بھلا کون حقائق سے کرے گا!
تاریخِ دیوبند ہے تاریخ وطن کی

جتنے بھی اکابر تھے مجاہد تھے وطن کے
جی جان سے سب نے ہی حفاظت کی چمن کی

ان سب نے کیا شان سے گلشن کا تحفظ
ضامن تھی حیات ان کی ہر اک سرو سمن کی

ہر طور سے ہر شکل سے گلشن کو سنوارا
قوم آج بھی ممنون ہے ان سب کے چلن کی

اللہ کرے خوب پھلے پھولے ادارہ
ہے یہی دعا، آج سب ارباب وطن کی

دارالعلوم دیوبند

میر مشتاق احمد

علم و عرفاں کی درسگاہ ہے یہ
اسکو دارالعلوم کہتے ہیں

عالم دین حق سے کئے پیدا
ہے یہ علم و عمل کا سرچشمہ

سبھی پابند شرع رہتے ہیں
ظلم سہتے ہیں جبر سہتے ہیں

علم دیں کا ہے بحرِ بے پایاں!
چشمے علم و عمل کے بہتے ہیں

جشن صد سالہ ہونے والا ہے
اور جشنوں سے یہ نرالا ہے

میر کا دل بھی خوش ہوا یار
ان کے اپنے بزرگ کہتے ہیں

قطعہ تاریخ

اجلاس صد سالہ دارالعلوم دیوبند

از حضرت کمالی دیلوری مدرس دارالعلوم سبیل الرشاد بنگلور

لب تشنگانِ علم دیں سیراب ہوتے ہیں یہاں
ہے فیضِ عام قاسمی سے ایک عالم بہرہ مند
احقر کمالی نے کہی تاریخ فرخندہ نشان!
صد سالہ جشن افزائش دارالعلوم دیوبند

۱۴۰۰ ھجری

دارالعلوم دیوبند

(جناب گوپی ناتھ امن لکھنوی)

۱۸۵۷ء کے غدر کے بعد مسلمانوں میں دو تحریکیں چلیں
ایک سر سید احمد خاں کی جو مسلمانوں کو یہ مشورہ دے رہے
تھے کہ وہ انگریزوں کا ساتھ دیں۔ دوسری مولانا محمد قاسم
نانوتوی کی تحریک تھی کہ انگریزوں سے ٹکر لی جائے۔ ملک
میں پھوٹ پڑ جانے سے انگریزوں نے فائدہ اٹھایا۔
ہندوؤں کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکایا اور ہندو سبھا
بن گئی۔ مسلمانوں کو ہندوؤں کے خلاف اشتعال دیا
اور مسلم لیگ بن گئی۔ مگر اس ناموافق فضا میں دارالعلوم
دیوبند نے اپنا مسلک نہیں بدلا۔ شیخ الہند اور ان کے
نائب مولانا حسین احمد مدنی کو کیا کیا ایذائیں نہیں دی گئیں۔
ادھر ڈاکٹر سر محمد اقبال جیسے خطاب یافتہ لوگ تھے۔ اقبال
نے مولانا حسین احمد مدنی کے خلاف گستاخانہ طور پر لکھا

ز دیوبند حسین احمد ایں چہ بوالعجبیست

جو اس مصرع کا دوسرا روپ تھا کہ

ز خاک مکہ ابوجہل ایں چہ بوالعجبیست

انگریزوں نے اقبال کو سر کا خطاب دیا اور علماء برابر
معتوب رہے۔ مدتوں کی جدوجہد کے بعد ملک آزاد ہوا
اور دارالعلوم کی اہمیت بڑھی۔ مولانا حسین احمد اس
لئے مدنی کہلاتے تھے کہ انہوں نے مدینہ میں مسجد نبوی
میں بیٹھ کر حدیث کی تعلیم دی تھی۔ فرنگی محل میں مولانا
عبدالباری اور دیوبند میں مولانا محمود حسن معاصرین
تھے۔ سر سید کی تحریک بالآخر رنگ لائی۔
مسلمانوں کی تفریق بڑھی اور آخر ۱۹۴۷ء میں ملک تقسیم
ہو گیا۔ مسلمان کچھ پاکستان چلے گئے کچھ بحالت انتشار
ہندوستان میں رہ گئے۔ ہندوستان کے مسلمانوں
کی تنظیم میں مولانا حسین احمد مدنی، مولانا ابوالکلام آزاد
اور مولانا حفظ الرحمن میدان میں آئے۔ انہوں نے
ہندوستان میں رہنے والے مسلمانوں میں جو انتشار کی
حالت پیدا ہو گئی تھی، ڈھارس بندھائی۔ جدوجہد
آزادی میں حصہ لینے والے علماء میں سے چند نام ہیں
شیخ الہند مولانا محمود حسن، مولانا حسین احمد مدنی۔
مولانا ابوالکلام آزاد۔ مولانا حسرت موہانی۔ مولانا محمد
اسحاق ظفر الملک ایڈیٹر الناظر اور مولانا محمد علی المتخلص
بہ جوہر گول میز کانفرنس میں ہندوستان کی خود مختاری
کا مطالبہ کرنے گئے تھے وہیں انتقال فرمایا۔ مولانا آزاد
دو برس جیل میں رہے۔ اس کے بعد صدر کانگریس اور
وزیر تعلیم ہوئے۔ وہ حکومت اور دارالعلوم کے درمیان
ایک کڑی تھے۔ مولانا محمد میاں نے جمعیۃ علماء ہند کی
جو تاریخ لکھی ہے وہ بہت جامع ہے اور ہندوستان
کی آزادی میں مسلمانوں بالخصوص علماء دیوبند کا جو
حصہ رہا ہے اس سے اس پر روشنی پڑتی ہے۔ آزاد
ہندوستان میں علماء دیوبند کے کارناموں کو اجاگر
کرنے کی ضرورت ہے تاکہ یہ معلوم ہو کہ اگر ایک طرف
مسٹر جناح تھے تو دوسری طرف یہ حضرات بھی تھے

حشر تک تم نہ ہو آرام کہانی میری
سننے والا کوئی ہوتا کوئی پوچھا کرتا

ایک صدی میں صدیوں کا کام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محترم جناب ناز انصاری صاحب
مدیر روزنامہ "الجمعیۃ" دہلی،

سلام مسنون!

جناب من!

دارالعلوم دیوبند کے صد سالہ اجلاس کے موقع پر آپ کے روزنامہ کی خصوصی اشاعت کے لئے میں مندرجہ ذیل پیغام بھیج رہا ہوں۔

شکریہ

"اس مبارک موقع پر جس میں کہ عظیم علمی اور اسلامی قلعہ دارالعلوم دیوبند کا صد سالہ جشن منانے کیلئے مختلف ملکوں سے اسلامی وفود، اساتذہ، اور جویان علم آرہے ہیں، مجھے اس بات کی سعادت حاصل ہو رہی ہے کہ میں اس عظیم ادارہ کے ذمہ داران اساتذہ کرام، اور طلبہ کی خدمت میں ہدیہ تہنیت و مبارکباد پیش کروں۔ دارالعلوم نے گذشتہ ایک صدی میں جو بیش رفت اور ترقی کی ہے وہ قابل صد مبارکباد ہے اس مختصر عرصہ میں دارالعلوم کے اکابرین نے جو عظیم خدمات اور ہند کی آزادی و خود مختاری کے سلسلہ میں جو کوششیں کی ہیں ان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ دارالعلوم ایک صدی پہلے نہیں بلکہ صدیوں پہلے وجود میں آیا، یہ حقیقت ہے کہ قومیں علم، قربانی، اور عمل ہی سے ترقی یافتہ خوش حال اور خوش بخت بن پاتی ہیں اور اپنے اعلیٰ مقاصد حاصل کر پاتی ہیں۔

آج آنے والوں کو جب معلوم ہوگا کہ اس ادارہ نے کس قدر ترقی و کامرانی حاصل کی ہے۔ اور اسلام کے پیغام کو پھیلانے اور اس کے بلند مقاصد کی کس قدر خدمت کی ہے۔ وہ اسلام جس کی بنیاد عدل، محبت، سلامتی، علم، اور اتحاد پر ہے، تو یقیناً ان کے ذہنوں، نظروں میں ادارہ کے اکابرین کے کارنامے عزت و احترام اور محبت کے جذبات کے ساتھ ابھر جائیں گے۔ جنہوں نے اس بلند و بالا عمارت کا سنگ بنیاد رکھا اور اس علمی اور اسلامی مرکز کی بنیادوں کو مضبوط تر بنانے کے لئے اور حق کی خاطر انہوں نے زندگیوں کو فنا کر دیا، تاکہ یہ ادارہ علم و ہدایت کا چراغ ہو علم کے خوشہ چینوں کا مرجع و ماویٰ ہو اور (ہدایت) کی کرن ہو جو گم گشتگان راہ کی سیدھے راستہ تک راہ نمائی کرے۔ اردن جو اپنے دشمن اسرائیل کا بلاواسطہ مقابل ہے، وہ بھی بیت المقدس اور مسجد اقصیٰ سمیت مقبوضہ عرب علاقوں کو صیہونی دشمن کے پنجوں سے نکالنے کے لئے کوشاں ہے۔ اردن میں بھی آپ کے بھائی ہیں جو آپ کے شاندار کارناموں کو بہت ہی احترام و عزت و قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، ان کا مقصد بھی اسلامی پرچم اور کلمہ حق کو بلند کرنا اور اسلام کی بنیادی باتوں کی ترغیب دینا ہے انہیں میں سے علم بھی ہے جس کے ذریعہ اسلامی تمدن کو ایک خاص حیثیت اور امتیازی شان ملی اور اس نے عالم کو منور کر دیا اس کے ذریعہ ہی ہم اپنے کاروان کو تقویت دیتے ہیں جو کہ ترقی کی راہ پر گامزن ہیں۔

ہم نے اسلام اور اس کے پیشواؤں کو اپنے لئے نمونہ بنا رکھا ہے۔ اللہ ہی سیدھے راستہ کی توفیق دینے والا ہے

والسلام

دستخط

ولید سعید درہ

سفیر مملکت ہاشمیہ اردن

دارالعلوم صدی تقریبات

دارالعلوم دیوبند نے اب سے ایک سو سال قبل یعنی تاسیس کے وقت سے جو عظیم کامیابیاں حاصل کی ہیں: اس کا اعتراف کرتے ہوئے یہ چند سطریں لکھتے ہوئے مجھے انتہائی مسرت ہو رہی ہے۔ اس کے بانی اور خلق خدا کی بہبود کے لئے ان کے جانشین جنھوں نے اپنی زندگیوں کو اسلام کے لئے قربان کردیا۔ ہمارے شکریہ کے مستحق ہیں۔ بلا شبہ دارالعلوم کو جس کی بنیاد آمدنی کے قابل اعتماد وسائل کے بغیر ہی رکھی گئی تھی۔ نشیب و فراز کے تجربات سے گذرنا پڑا ہوگا ہر اس لحاظ سے ایک صدی تک اس کے زندہ رہنے کی بنیاد وہ زبردست صبر و استقلال ہی ہو سکتا ہے جس کی بنیاد قادر مطلق پر یقین کے علاوہ سچے مذہب پر اعتقاد و یقین پر قائم ہوں۔

اس لحاظ سے ہندوستانی مسلمانوں کو اس پر فخر ہونا چاہیئے۔ کہ یہ ہندوستان میں قائم ہونے والا پہلا اسلامی ادارہ ہے۔ اس نے ہندوستان کی آزادی کو قریب تر لانے میں جو خدمات انجام دی ہیں ان کی بنا پر یہ کل ہند ادارہ کہلانے کا مستحق ہے اور اس لئے سب ہی ہندوستانیوں کو اس پر فخر ہونا چاہیئے۔

اس وقت جب کہ دارالعلوم اپنی صد سالہ برسی منا رہا ہے ہمیں خدا کا شکر گذار ہونا چاہیئے کہ اس نے اس کے بانیوں۔ اس کے منتظمین اور ان سب پر اپنے رحم و کرم کا نزول کیا جنھوں نے کسی ایک یا دوسرے طریقہ سے اسے مدد بہم پہنچائی۔ ان کی ہم سب کو صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہر طرح کی تعریفوں کے مستحق ہیں۔ اللہ اور صرف اللہ کی ذات ہے۔

خدا دارالعلوم کو قائم و دائم رکھے اور اس کے ان سب مربیوں پر اپنی رحمتیں نازل کرے جنھوں نے اللہ کی دی ہوئی توفیق سے اس ادارے کی خدمت کی۔

احمد محمود المعمری
سفیر سلطنت عمان

اس میں قاسم ہوں کہ انور شاہ کہ محمود الحسن
سب کے دل تھے دردمند اور سب کی فطرت ارجمند
(ظفر علی خاں)

گرئی ہنگامہ تیری ہے حسین احمد سے آج
جن سے ہے پرچم ہے روایات سلف کا بلند
(ظفر علی خاں)

ہے دل روشن مثالِ دیوبند
اور ندوہ ہے کمالِ ہوشمند
(اکبر)

کاروانِ اہلِ حق و داعیانِ توحید و سنت کو سلام

بحمد اللہ قافلہ تحریک دارالعلوم دیوبند رواں دواں ہے

★ **موتمر الہند دارالعلوم** کا صد سالہ عالمی و علومی اجلاس ۲۱، ۲۲، ۲۳ مارچ ۱۹۸۰ء سرزمین قاسم پورہ میں اجتماع عظیم ہوگا۔

جس کو مولانا ظفر علی خاں مرحوم نے یوں خراجِ عقیدت پیش کیا ہے۔

شاد باش و شاد زی اے سرزمین دیوبند — ہند میں تو نے کیا اسلام کا پرچم بلند
ناز کر اپنے مقدر پر کہ تیری خاک کو — کر لیا ان عالمانِ دینِ قیم نے پسند

اور علمائے دیوبند کا مقام!

جان کر دینگے جو ناموسِ محمدؐ پر فدا — حق کے رستے میں کٹا دینگے جو اپنا بند بند
کفر ناچا جن کے آگے بارہا تگنی کا ناچ — جس طرح جلتے توے پر رقص کرتا ہے سپند

★ دارالعلوم ایک مدرسۂ فکر ہی نہیں۔ بلکہ ایک عالمی و تعلیمی تحریک تھی کہ

ع دل بدل جائیں گے تعلیم بدل جانے سے

دارالعلوم کا نظامِ تعلیم دراصل اس سازش کے مقابل ایک جہاد تھا اور محاذ ہے جس کو ڈاکٹر اقبالؒ نے یوں ذکر کیا ہے۔

اور یہ اہلِ کلیسا کا نظامِ تعلیم — ایک سازش ہے فقط دین و مروت کے خلاف

★ دارالعلوم سے پیدا ہونے والے جواہرات نہ صرف یہ ہر فرد ہے ملت کے مقدر کا ستارہ ۔۔۔۔۔ بلکہ دارالعلوم کا ہر فرزند جلیل اور عالم نبیل یہ وہ اپنی ذات میں ایک انجمن تھے ۔۔۔۔۔

★ ایشیا کے برصغیر میں ہی نہیں بلکہ عالم اسلام کی اس مجاہدانہ تربیت گاہ نے ایسے رجال کار پیدا کیے جنہوں نے اپنے مجاہدانہ کارناموں سے ملک و ملت کو بلند و سرخرو کیا ۔۔۔ تاریخ یوں ہی کہتی ہے ۔ تاریخ کو مسخ کرنا قومی و تاریخی گناہ عظیم ہے ۔

★ دارالعلوم نے ایسی شخصیتوں کو جنم دیا جنہوں نے ملی تحریکات کو جلا بخشی ۔ اور علماء دیوبند ملک و قوم کو ہر تحریک کے علمبردار اور قائد ثابت ہوئے ۔

ے ولیس علی اللہ بمستنکر ... ان یجمع العالم فی واحد
اولئک آبائی فجئنی بمثلھم ... اذا جمعتنا یا جریر المجامع

اے ہمارے محسن دارالعلوم ۔ تو علمبردار حق ہے ۔ حق نگہبان ہے تیرا ۔ خیل باطل سے پہنچ سکتا نہیں تجھ کو گزند
اور اے علماء دیوبند اور متوسلین دارالعلوم

ے اٹھو وگرنہ حشر نہ ہوگا پھر کبھی ؛ دوڑو زمانہ چال قیامت کی چل گیا

جشن صد سالہ دارالعلوم دیوبند

تاثرات ظفر جنک پوری

جلوہ گر ہے عالمِ اسلام پر دارالعلوم
بن گیا ہے مرکزِ اہلِ نظر دارالعلوم

مقتدر ہے، معتمد ہے، معتبر دارالعلوم
علم دیں کی راہ کا ہے راہبر دارالعلوم

درحقیقت دیدہ و دل کی لطافت تو کجا
روح تک خوش ہو گئی ہے دیکھ کر دارالعلوم

مضطرب دل کو سکون و چشم مضطر کو قرار
نور افشاں ہو گیا ہے کس قدر دارالعلوم

علم و فن، فکر و نظر سے یہ چمن معمور ہے
نام بھی رکھا ہے کیسا خوب تر دارالعلوم

مرکزِ علم و عمل ہے، منبعِ رشد و ہدیٰ
طالبانِ حق کے ہے پیشِ نظر دارالعلوم

اس کا ظاہر بھی حسیں ہے، اس کا باطن بھی حسین
کس قدر ہے جاذبِ قلب و نظر دارالعلوم

طالبانِ علم دیں ہر سمت سے پہنچے یہاں
چشمۂ عرفاں ہے یہ کوثر اثر دارالعلوم

علم حاصل ہو گیا تو قلب روشن ہو گئے
بھیجتا ہے شمعِ ایماں سونپ کر دارالعلوم

یوں تو لاکھوں مرکزِ علم و ادب مل جائیں گے
بے مثل ہے پھر بہ الفاظِ دگر دارالعلوم

حضرتِ طیب کے فیضِ اہتمام و فکر سے
کس قدر پہنچا ہے بامِ اوج پر دارالعلوم

حضرت قاسمؒ کا ساری قوم پر احسان ہے
دے رہا ہے آج تک لعل و گہر دارالعلوم

جشن صد سالہ کے پہلو میں یہ پوشیدہ ہے راز
ساری دنیا کے لیے ہے مقتدر دارالعلوم

آڑ بن کر ہر حریف آیا بعزمِ نوجواں
منزلِ مقصود پر پہنچا مگر دارالعلوم

رہتی دنیا تک رہے گا حضرتِ قاسمؒ کا فیض
تا ابد برسائے گا لعل و گہر دارالعلوم

عزمِ شیخ الہندؒ سے، شیخ الحرم کے فیض سے
ہو گیا ہے اور بھی تابندہ تر دارالعلوم

فکرِ احمدؒ، قلبِ انورؒ کا جو تھا عکسِ جمیل
اس کی تنویرِ سحر، طیب اثر دارالعلوم

مذہبی فکر و نظر، دینی شعور و آگہی
بانٹتا ہے علم و حکمت کی خبر دارالعلوم

عالمِ انسانیت کو اس نے بخشی ہے ضیاء
ہے ظفرؔ رشد و ہدایت کا قمر دارالعلوم

دارالعلوم دیوبند کا صد سالہ اجلاس

سنہ ہجری کے لحاظ سے اب سے ۷۲ سال پہلے ۱۳۲۸ھ میں اور سنہ عیسوی کے حساب سے اب سے ٹھیک ۷۰ سال پہلے ۱۹۱۰ء میں دارالعلوم دیوبند کا ایک عظیم جلسہ دستار بندی ہوا تھا۔ یہ دارالعلوم کی عمر کا بیالیسواں سال تھا۔ بزرگوں سے سنا ہے کہ ہندوستان میں وہ اپنی نوعیت کا پہلا اجلاس و اجتماع تھا۔ اس وقت دارالعلوم کے بانی حضرت نانوتوی رح تو موجود نہیں تھے اور اس کے مربی و مرشد حضرت گنگوہی رح بھی پانچ سال پہلے وفات پا چکے تھے۔ لیکن ان دونوں کی خصوصیات کے پورے وارث اُن کے جانشین، شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن رح (جو دارالعلوم کے صدر المدرسین اور شیخ الحدیث بھی تھے۔) نیز حضرت مولانا احمد حسن امروہوی رح حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم رسالپوری، حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رح حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رح اور اس طبقہ کے دوسرے اکابر و مشائخ موجود تھے۔ اور دارالعلوم سے اس وقت تک فارغ ہونے والے جن کی سو فضلاء کی دستار بندی اس اجلاس میں ہوئی تھی ان میں حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیری حضرت مولانا عبیداللہ سندھی حضرت مولانا حسین احمد مدنی حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ شاہجہان پوری ثم دہلوی جیسے حضرات بھی تھے۔ جو بہت پہلے کے فارغ شدہ تھے۔ اور حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی حضرت مولانا فخرالدین مرادآبادی حضرت مولانا محمد ابراہیم بلیاوی، حضرت مولانا عبدالسمیع صاحب دیوبندی جیسے اس وقت کے نوجوان فضلاء بھی تھے۔ جو سال دو سال پہلے ہی فارغ ہوئے تھے۔ میرے خاص استاد و مربی حضرت مولانا کریم بخش سنبھلی اور اُن کے بڑے صاحبزادے مولانا عبدالحق دونوں باپ بیٹوں کی

دستار بندی اس اجلاس میں ساتھ ہی ہوئی تھی۔ ایسی اور بھی بہت سی مثالیں رہی ہوں گی۔ اس اجلاس کے دیکھنے والے اپنے اکابر و اساتذہ سے سنا ہے کہ اس میں خارق عادات برکات کا کھلی آنکھوں مشاہدہ ہوا تھا۔

۱۳۲۸ھ اور ۱۹۱۰ء کے اس اجلاس کے بعد اب اس مہینے مارچ کی ۲۱، ۲۲، ۲۳ کو اسی دارالعلوم کا صد سالہ اجلاس ہو رہا ہے پون صدی کی اس طویل مدت میں دنیا میں اور ہمارے ملک میں بھی جو انقلابات آئے اور جو تبدیلیاں یا ترقیاں ہوئی ہیں۔ قانون قدرت کے مطابق اس کے اثرات پوری انسانی زندگی پر پڑتے ہیں۔ اشخاص و افراد پر بھی پڑتے ہیں۔ جماعتوں و اداروں پر بھی ایسی حالت میں ہماری یہ خواہش اور تمنا کہ ۱۴۰۰ھ اور ۱۹۸۰ء عیسوی میں ہونے والے اس اجلاس کا نظام و نقشہ وہی ہو جو ستر سال پہلے ہونے والے اجلاس کا نظام تھا۔ اور ہماری آنکھیں وہی مناظر دیکھیں جو اس وقت دیکھنے والوں نے دیکھے تھے۔ ایسی ہی تمنا ہے جیسے کہ ہم اپنے اس زمانہ میں مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ پہنچکر عہد نبوی اور دور خلافت راشدہ والی مسجد حرام اور مسجد نبوی دیکھنے کی خواہش و تمنا کریں یہ تمنا خواہ کتنی ہی نیک نیتی سے ہو۔ لیکن ناممکن کی تمنا ہے۔

دارالعلوم دیوبند، جماعت دیوبند اور اس کے اکابر سے تعلق رکھنے والے تمام حضرات سے اس عاجز کی استدعا ہے کہ ان دنوں میں خاص اہتمام سے پورے الحاح اور تضرع کے ساتھ دعا کریں۔ کہ اللہ تعالےٰ اس اجلاس کو دارالعلوم کے لئے اور پوری امت مسلمہ اور خاص کر ملت اسلامیہ ہندیہ کے حق میں صلاح و فلاح اور خیر و سعادت کا وسیلہ بنائے اور ایسی تمام باتوں سے حفاظت فرمائے جو اس کی ناراضی کا باعث بننے والی ہوں۔ دارالعلوم اور اس کے اجلاس کے لئے یہ دعا براہ راست دین کے لئے اور پوری امت مسلمہ کے لئے دعا ہے۔ اللہ تعالےٰ راقم سطور کو بھی اس کے اہتمام کی توفیق نصیب فرمائے۔

(مولانا) محمد منظور نعمانی

حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہ
مہتمم دارالعلوم دیوبند

حجۃ الاسلام
مولانا محمد قاسم نانوتویؒ
تاریخ کی ایک زندۂ جاوید شخصیت

آل انڈیا ریڈیو دہلی نے اپنے یہاں علماء اور مصلحین امت کے تعارف کے لیے ایک سلسلۂ تقریر شروع کیا تھا اس سلسلہ کی پہلی تقریر حضرت قاری محمد طیب صاحب مدظلہ کی تھی جو حضرت مولانا نانوتویؒ کے متعلق براڈکاسٹ ہوئی ہم اس سلسلہ کی پہلی تقریر بہ شکریہ ماہنامہ دارالعلوم شائع کر رہے ہیں ——— ادارہ ——

میری اس تقریر کا موضوع ہندوستان کی اسلامی تاریخ کی ایک زندۂ جاوید شخصیت حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی بانی دارالعلوم دیوبند ہے۔ حضرت مولانا کی ولادت ۱۲۴۸ھ مطابق ۱۸۳۲ء میں اور وفات ۱۲۹۷ھ مطابق ۱۸۸۰ء میں ہوئی۔ اس ۴۹ سال کی قلیل مدت میں آپ نے اسلامی اور قومی خدمت کے سلسلہ میں جو خیرہ کرنے والے کارنامے انجام دیئے ہیں، وہ صدیوں کی مدت کے تھے جنھیں ہندوستان ہی نہیں پوری اسلامی دنیا بھی فراموش نہیں کر سکتی۔

۱۸۵۷ء میں آپ نے اپنے مرشد حضرت حاجی امداد اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی قیادت میں ہندوستان سے غیر ملکیوں کا قبضہ اٹھانے کے لئے جنگ لڑی لیکن جنگ میں شکست ہوگئی اور ملک پر انگریزوں کا اقتدار قائم ہوگیا۔ اس سے تمام ہندوستانیوں اور بالخصوص مسلمانوں کے دل ٹوٹ گئے۔ دوران میں احساس کمتری کے ساتھ ایک عام مایوسی پھیل گئی۔ ادھر مشنریوں نے عیسائی اقتدار کے زیر سایہ صاف صاف یہ اعلان کرنا شروع کر دیا کہ انگریزوں کے لئے یہ ملک ہندوستان یسوع مسیح کا عطیہ اور امانت ہے۔ اس لئے اس میں مسیحی مذہب کی اشاعت اور ترویج ہمارا نصب العین ہے۔ اور

ساتھ ہی کھلے بندوں ہندوستان کے تمام مذاہب اور خصوصیت سے اسلام پر اعتراضات اور اتہامات کی بوچھاڑ بھی شروع کردی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ یہاں کے باشندے مایوسی میں مبتلا ہو کر اور بالخصوص مسلمان اس ابھرتی ہوئی مغربی تہذیب و تعلیم سے الحاد و دہریت کی زد میں بہنے لگے اور صاف نظر آنے لگا کہ اگر یہی لیل و نہار رہے تو وہ دن دور نہیں کہ آئندہ نسلیں خواہ وہ کسی بھی قوم کی ہوں خود اپنے اخلاقی نظام اور تہذیب و کلچر سے بیگانہ محض ہو کر رہ جائیں گے۔

حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ نے اپنے نور معرفت سے وقت کی رفتار اور اس کے خطرناک نتائج کا، اندازہ لگایا۔ اور بشارت غیب ہندوستان کے تمام باشندوں کو بجائے آپس میں الجھنے کے ایک عالمی نقطۂ نظر پر ڈال دینے اور قوم میں ایک ذہنی انقلاب لانے کی ضرورت محسوس فرمائی، تاکہ یہ احساس کمتری دور ہو۔ اس کے لئے آپ نے تعلیم و تربیت کا راستہ اختیار فرمایا، جو بے ضرر اور رسمی سیاست سے دور تھا۔ چنانچہ ۱۸۵۷ء کے انقلاب کے بعد حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ نے اپنی ایمانی فراست سے بھانپتے ہوئے اقتدار کا نعم البدل تعلیمی راہ سے حریت فکر نئے وقار و ارتقاء کو قرار دیا۔ اور اپنا یہ عظیم مقصد ۱۲۸۳ھ ۱۸۶۶ء میں دارالعلوم دیوبند قائم فرما کر باسانی حاصل کر لیا اس الہامی نقطۂ فکر کے تحت دارالعلوم دیوبند محض ایک مدرسہ نہیں بلکہ حریت فکر اور استقلال وطن کے جذبات کو زندہ رکھنے کا ایک ہمہ گیر مکتب فکر اور عظیم تحریک ہے۔ دارالعلوم دیوبند کے قیام کے بعد مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی نے مقصد کی اہمیت کے تحت ملک گیر پیمانہ پر مدارس قائم فرمانے شروع کئے اور بنفس نفیس خود جا کر مراد آباد، نگلا دھنی، امروہہ منڈاؤلی وغیرہ میں مدارس قائم فرمائے۔ اور جا بجا اپنے متوسلین کو زبانی اور خطوط کے ذریعہ قیام مدارس کی ہدایت فرمائی، چنانچہ بہت سے مدارس ہندوستان میں حضرت کی زندگی ہی میں قائم ہو گئے۔ اور خود حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ کے حریت فکر کے امین فضلاء نے پورے ملک میں حتیٰ کہ انہیں فضلاء نے ایشیا، افریقہ اور یورپ کے ممالک میں بھی اسی قاسمی طرز فکر پر تعلیم گاہیں قائم کیں، اور میرا اپنا مشاہدہ ہے کہ آج انگلستان میں یہ قاسمی فکر فروغ پا رہا ہے۔ عالمی پیمانہ پر ہندوستان میں مفت تعلیم کا سب سے پہلا عوامی مرکز مدرسہ دارالعلوم دیوبند ہے جس کے حضرت مولانا محمد قاسم صاحب کو صاحب دل علماء اور صداقت شعار رفقاء کا حضرت مولانا رشید احمد صاحب، حضرت مولانا ذوالفقار علی صاحب، حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب، اور حضرت حاجی محمد عابد صاحب رحمہم اللہ وغیرہ کا مخلصانہ تعاون حاصل رہا۔ یہی دارالعلوم دیوبند آج ایشیا کی سب سے بڑی اسلامی مرکزی اور قاسمی یونیورسٹی بن کر ایک خاص مکتب فکر کی حیثیت سے بین الاقوامی شہرت و عظمت کا حامل ہے۔

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ نے دارالعلوم دیوبند کو ایسے اصولوں پر قائم فرمایا جن کے تحت روز اول سے یہ درسگاہ ایک عوامی ادارہ کی پوزیشن میں نمایاں ہوئی۔ چنانچہ حضرت والا نے اس سلسلہ میں آٹھ اصول اپنے دست مبارک سے لکھے۔ جو دارالعلوم کے تاریخی ریکارڈ میں آج بھی محفوظ ہیں۔ اور آج تک ہر دور میں بانی دارالعلوم کے ان الہامی اور اساسی رہنما اصولوں کی پوری پوری حفاظت و رعایت کی جاتی رہی ہے۔ یہ اصول درحقیقت دارالعلوم دیوبند کی معنوی بنیاد ہیں جن پر اس کی ظاہری اور باطنی تعمیر کھڑی ہوئی۔ اور نہ صرف دارالعلوم کی بلکہ ان تمام مدارس چندہ کی بھی اساس ہیں۔ جو دارالعلوم دیوبند کے رنگ پر حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی اور ان کے متوسلین نے قائم فرمائے چنانچہ ان اصول ہشتگانہ پر حضرت اقدس نے تصریح بھی

بھی یہی قائم فرمائی کہ :-

وہ اصول جن پر مدارس چندہ مبنی معلوم ہوتے ہیں ،

یہی ہمہ گیر اصول قیام مدارس کی اس اجتماعی تحریک کی بنیاد بنے جس سے ۱۸۵۷ء کے بعد ہندوستان کے مسلمانوں کو نئی زندگی اور نشأۃ ثانیہ ملی ، ان اصولوں کے مطابق حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی نے دارالعلوم دیوبند کو صرف عوامی چندہ پر قائم فرمایا تاکہ اس میں ابتدا ہی سے ہمہ گیری کا عنصر نمایاں رہے اور یہ دارالعلوم ہندوستان کے غریب عوام کا ادارہ ثابت ہو۔ ساتھ ہی اصول میں یہ ہدایت بھی ہے کہ اس مدرسہ کے لئے جائدادوں اور کارخانہ ہائے تجارت سے کسی مستقل آمدنی کا کوئی بندوبست نہ کیا جائے۔ ایسا کرنے پر امداد غیبی منقطع ہو جائے گی رجوع الی اللہ کا سرمایہ ہاتھ سے جاتا رہے گا ، اور کارکنوں میں پھوٹ پڑ جائے گی جس کو ان کے مخلص رفیق کار حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب عثمانی نے اپنی ایک طویل نظم کے بعض اشعار میں باین الفاظ ظاہر فرمایا ہے کہ :-

اس کے بانی کی وصیت ہے کہ جب اس کیلئے
کوئی سرمایہ بھروسہ کا ذرا ہو جائے گا
پھر یہ قندیل معلق اور توکل کا چراغ
یوں سمجھ لینا کہ بے نور و ضیا ہو جائیگا

ان اصول میں خصوصیت سے اسے اہمیت دی گئی ہے کہ تعلیم کامل طریق پر آزاد رہے جو اجتماعیت کی روح ہے۔ پھر اسی کے ساتھ اصولاً معاملات دارالعلوم کو مشورہ کو اصول پر قائم فرما کر اس کو اس عہد استبداد میں جمہوریت کا نقیب بنا دیا گیا اور خاص طور پر ذمہ دار ادارہ (مہتمم) کے لئے یہ ہدایت فرمائی کہ وہ علاوہ مقررہ اہل شوریٰ کے ایسے واردین ، صادرین سے بھی مشورہ کرے [illegible] اور ان سے دلچسپی رکھتے ہوں یہ [illegible] حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی بانی دارالعلوم [illegible] اجتماعی فکر کے ناقابل انکار شواہد ہیں ۔

اور انہیں سے دارالعلوم دیوبند کی نوعیت ، اہمیت بھی واشگاف ہو جاتی ہے انگریزوں کے قومی استبداد کو توڑنے کے لئے جس کا رخ خصوصیت سے مسلمانوں کی طرف تھا حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی نے اپنی ہمہ گیر سیاسی رہنمائی سے اس دور کی خلافت اسلامیہ یعنی خلافت ترکی کی تائید کی طرف مسلمانوں کو خاص طور پر جھکایا سلطان ترکی کی مدح میں قصیدے لکھے اور بحیثیت خلیفۃ المسلمین اور خادم الحرمین ہونے کے مسلمانوں کو ان کی طرف مائل کرتے رہے ، اس دور میں جنگ روم و روس ہوئی تو خود بنفس نفیس جگہ جگہ دورے کر کے ترکوں کے لئے ہزاروں روپیہ روانہ فرمایا ، اور خود اپنے گھر باہر کا تقریباً بڑا سامان بطور چندہ ترکی خلافت کی مدد کے لئے روانہ فرمایا۔ تاکہ خلافت سے وابستہ رہ کر ملی اجتماعیت برقرار اور شیرازہ بند رہے ۔ اس جذبہ سے ملک کی دوسری قوموں کو بھی ہمدردی تھی اور اسی کا اثر تھا کہ جب مسلمانان ہند نے احیاء خلافت کی تحریک شروع کی تو بلا تفریق مذہب و ملت ملک کی تمام مذہبی اکائیاں متفق متحد ہو کر اس میں برابر کی شریک رہیں ، اس اجتماعیت پسندی کی وجہ سے مولانا مسلمانوں کو زیادہ سے زیادہ حج کی ترغیب دیتے تھے کہ بذات خود حج ایک اجتماعی اور بین الاقوامی عبادت ہے تاکہ مشرق و مغرب کے مسلمان یکجا جمع ہو کر باہم وابستہ ہوں ، اور ان کی بین الاقوامی اجتماعیت کا رشتہ مضبوط ہو۔ اور ساتھ ہی ترکی خلافت سے بھی انہیں وابستگی رہے ۔ یہ تفصیل فکر قاسمی کے ان تین بنیادی عناصر کو واشگاف کر دینے کے لئے کافی ہے ۔ کہ ملت کا بقاء و ارتقاء تعلیم کی ہمہ گیری ذوق اجتماعیت کے عموم اور مرکزیت سے باعظمت وابستگی ہی میں مضمر ہے ۔

آخر کار یہی روح ان کے تربیت یافتوں میں بھی راسخ ہوئی اور ان کے بعد ان کے شاگرد رشید حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب اس قاسمی فکر کے امین بنے ۔ اور ان کے بعد حضرت کے خلف الرشید حضرت مولانا حافظ احمد صاحب اس کے علمی امین بنے ۔ اور ہندوستان کو آزاد کرانے کیلئے

(باقی صفحہ ۲۶۷ پر)

ہندوستان کے دار الحکومت دلی سے شائع ہونے والا
عربی زبان کا
ہفت روزہ الکفاح دلی
ایشیا کی عظیم اسلامی یونیورسٹی دار العلوم دیوبند کو
صد سالہ اجلاس پر
اپنی اور اپنے تمام قارئین کی جانب سے
مبارکباد پیش کرتا ہے اور عہد کرتا ہے
کہ
ہندوستان اور عرب ممالک کے رشتوں کو مضبوط و مستحکم کرنے کی اپنی کوششیں
جاری رکھے گا۔
(مولانا) وحید الزماں کیرانوی
رئیس التحریر الکفاح دلی

"دارالعلوم" قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۞ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۞ لَمْ يَلِدْ ۞ وَلَمْ يُوْلَدْ ۞ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۞" کا حل ہے۔

۰ ۰ ۴ ۱ ھ

"باللہ" اَلرَّحْمٰنُ ۔ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ۞ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ۞ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ۞

۰ ۸ ۹ ۱ ء

واللہ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْاٰنَ وَعَلَّمَ

۰ ۰ ۴ ۱ ھ

یہ دارالعلوم دیوبند میرے زمانے میں گلاب تھا۔

۰ ۰ ۴ ۱ ھ

روشِ گردشِ دولاب یہی طور رہے
جاری اس جشنِ مبارک کا بسا دور رہے

۰ ۰ ۴ ۱ ھ

میرے زمانے کا دارالعلوم و قاسمؒ و محمودؒ کامراں باد

۰ ۰ ۴ ۱ ھ

منجانب :- مقبول احمد قاسمی مہواردی ۔ بستوی

شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ

(رحمت اللہ فاروقی)

دیوبند کے چند مبارک و مسعود و ذی علم خانوادوں میں سے ایک خاندان حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن کا ہے۔ شیخ الہند کے والد ماجد اپنے زمانہ کے صاحب دل اور ماہر عالم تھے۔ دہلی کے مشہور سرکاری کالج (مرحوم دہلی کالج) میں آپ نے استاذ العلماء والمشائخ مولانا محمد مملوک علی نانوتویؒ سے تعلیم پائی۔ علوم ادبیہ و عربیہ سے آپ کو بڑا شغف تھا۔ آپ کی دو صاحبزادیاں اور چار صاحبزادے تھے جن میں سب سے بڑے حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی تھے جو ۱۲۶۸ھ میں بریلی میں پیدا ہوئے۔ شیخ الہند نے عربی کی ابتدائی کتب اپنے چچا مولانا مہتاب علی سے پڑھیں۔ ابھی پندرہ سال کی عمر تھی اور قدوری، تہذیب وغیرہ پڑھ رہے تھے کہ ۱۵ محرم الحرام ۱۲۸۳ھ میں دیوبند میں ایک مدرسہ کی بنیاد ڈالی گئی جو آگے چل کر دارالعلوم کے نام سے مشہور ہوا۔ اکیس طلبہ سے اس مدرسہ کا آغاز ہوا۔ اور سال کے آخر تک بنارس، کابل اور پنجاب کے طلبہ آ گئے جن کی تعداد اٹھتر تھی۔ پہلے استاد ملا محمود صاحب تھے۔ طلبہ کی کثرت کے پیش نظر مولانا مملوک علی کے صاحبزادے مولانا یعقوب صاحب بھی سرکاری ملازمت ترک کر کے بیس روپے ماہوار مشاہرہ پر یہاں درس دینے لگے۔

حضرت شیخ الہند دارالعلوم کے سب سے پہلے شاگرد تھے۔ ۱۲۸۶ھ میں آپ نے کنز، میبذی، مختصر معانی کا امتحان دیا اور ۱۲۸۹ھ میں فارغ ہو کر دارالعلوم میں معین مدرس مقرر ہوئے۔ ۱۹ ذی قعدہ ۱۲۹۰ھ میں اکابرین کی موجودگی میں ان کی دستار بندی ہوئی۔ ۱۲۹۲ھ میں مدرس چہارم کی حیثیت سے پندرہ روپے ماہوار پر باضابطہ مدرس مقرر ہوئے۔

۱۲۹۴ھ میں بندگان بندہ نے حج بیت اللہ کا قصد فرمایا۔ اس قافلے میں حضرت مولانا محمد قاسمؒ، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، حضرت مولانا رفیع الدین مہتمم دارالعلوم، حضرت مولانا محمد یعقوبؒ اور دیگر متوسلین روزگار شامل تھے۔ شیخ الہند بھی اس قافلہ میں شامل ہو گئے۔ اور حج سے مشرف ہوئے۔ ان دنوں حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی مکہ معظمہ میں تشریف فرما تھے۔ سب لوگ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے پھر مولانا شاہ عبدالغنی دہلوی کی خدمت میں حاضر ہو کر سند حدیث حاصل فرمائی۔ حج سے واپسی پر پھر تدریس کا مشغلہ شروع کر دیا۔ اور مولانا نانوتویؒ نے بھی دیوبند میں اقامت اختیار کر لی تھی۔ ان سے حضرت شیخ الہند نے خوب استفادہ کیا۔ ۱۲۹۷ھ میں مولانا نانوتوی کا انتقال ہو گیا۔ استاد کے انتقال کے غم میں اتنے پژمردہ ہوئے کہ تدریس چھوڑ کر گوشہ نشین ہو گئے۔ مگر مہتمم دارالعلوم مولانا رفیع الدینؒ کے سمجھانے سے دوبارہ تدریس شروع کر دی۔ ۱۳۰۵ھ میں دارالعلوم کے مدرس اول کے عہدہ پر فائز ہوئے۔ اور ۱۳۳۹ھ تک صدر مدرس رہے۔ اس عرصہ میں آپ کے علوم کی خصوصاً فن حدیث کے تبحر اور مہارت کی دنیا میں شہرت ہو گئی تھی اور جابجا آپ کے فیوض پھیل گئے تھے۔

تبحر علمی اور طریق درس

حضرت موصوف تفسیر، حدیث، فقہ، منطق، معانی کی کتب محنت اور شوق سے بے تکلف پڑھاتے تھے۔ روزانہ پانچ چھ گھنٹے درس دیتے تھے پھر اپنے مایہ ناز شاگردوں حضرت انور شاہ کشمیری، حضرت حسین احمد مدنی اور علامہ شبیر احمد عثمانی کی موجودگی کے بعد اوقات درس میں تخفیف فرما دی تھی۔ حضرت کا حلقہ درس مہذب ہوتا تھا۔ بہت سے ذی استعداد ذہین و فطین طالب علم جو مختلف اساتذہ کی استعداد سے استفادہ کرنے کے بعد حضرت کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے اپنے شکوک و شبہات کے کافی شافی جواب پانے کے بعد حضرت مولانا کی زبان سے آیات قرآنیہ

اور احادیث نبویہ کے معانی و مضامین سن کر سر نیاز خم کر کے معترف ہوئے کہ یہ علم کسبی نہیں ہے اور ایسا محقق عالم دنیا میں نہیں ہے۔ ان کے حلقۂ درس کو دیکھ کر سلف صالحین و اکابر محدثین کے حلقۂ حدیث کا نقشہ نظروں میں پھر جاتا تھا۔ قرآن و حدیث حضرت کو ازبر یا دتھے اور ائمہ اربعہ کے مذاہب زبان پر اور صحابہ و تابعین، فقہاء و مجتہدین کے اقوال محفوظ، تقریر میں نہ گردن کی رگیں پھولتی تھیں نہ منھ میں کف آتا تھا، نہ مغلق الفاظ سے تقریر کو ادق اور بھدی بناتے تھے۔ نہایت سبک اور سہل الفاظ میں با محاورہ اردو میں اس روانی اور تسلسل سے تقریر فرماتے کہ معلوم ہوتا تھا دریا امنڈ رہا ہے، یہ کچھ مبالغہ نہیں ہے۔ مسند درس پر تقریر کرتے وقت یوں معلوم ہوتا تھا کہ ایک شیر خدا ہے جو قوت و شوکت کے ساتھ حق کا اعلان کر رہا ہے۔ آواز میں کرختگی آمیز بلندی نہ تھی لیکن سننے والے جانتے ہیں کہ جب صدر درس گاہ "دودرہ" میں تقریر فرماتے تو زیاجد درجہ قرآن مجید و مکتب فارسی کے بچوں کی آواز کے) مدرسہ کے دروازے تک بے تکلف قابل فہم آواز آتی تھی۔

لہجہ میں تصنع اور بناوٹ نام کو نہ تھی، چہرہ بنا لینا یا آنسو بھر لانا حضرت کا کام نہ تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے تقریر میں اثر دیا تھا، بات دل نشین ہو جاتی تھی اور سننے والا یہی سمجھ کر اٹھتا تھا کہ جو فرما رہے ہیں حق ہے اس لئے بہت سے لوگ جو دور ہی دور سے دشمنوں کے افترا کئے ہوئے عقائد فاسدہ سن کر بدعقیدہ ہو جاتے تھے، اپنی اولاد و عزیزوں کے دیوبند آکر تحصیل علم کرنے میں اس لئے مانع نہیں ہوتے تھے کہ یہ بھی اسی رنگ میں رنگے جائیں گے۔

دوران درس اپنے استاد حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی کے حقائق و دقائق نقل فرماتے اور اپنی تحقیقات عجیبہ اور مضامین عالیہ سناتے مگر مفسرین و محدثین، شراح و مصنفین کا ادب اس درجہ ملحوظ رکھتے تھے کہ کہیں شائبہ تنقیص بھی نہ آنے پاتا۔ مختلف فیہ مسائل میں ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ بلکہ دیگر مجتہدین کے مذاہب بھی بیان فرماتے اور مختصر طور سے دلائل بھی نقل کرتے لیکن جب امام ابو حنیفہ کا نمبر آتا تو شیخ الہند کے قلب میں انشراح، چہرہ پر بشاشت، تقریر میں روانی، لہجہ میں جوش پیدا ہو جاتا۔ دلیل پر دلیل، شاہد پر شاہد، قرینہ پر قرینہ بیان کرتے چلے جاتے تقریر کی حد ہی نہ تھی۔ اور اس خوبی سے مذہب امام اعظم کو ترجیح دیتے تھے کہ سلیم الطبع اور منصف المزاج لوٹ جاتے تھے۔ دور دور کے مختلف المذاہب

احادیث جن کی طرف کبھی خیال بھی نہ جاتا تھا پیش کر کے اس طرح مدعا ثابت فرماتے کہ بات دل میں اتر جاتی تھی، اور سامعین کا دل گواہی دیتا اور آنکھوں سے نظر آجاتا تھا کہ یہی جانب حق ہے۔

بایں ہمہ ائمہ اسلام کا ادب و احترام اور ان کے کمالات کا اعتراف حضرت کی تعلیم کا جزو لاینفک ہو گیا تھا۔ خود بھی ایسی ہی تقریر فرماتے اور صراحت سے ذہن نشین کراتے کہ "مذاہب مجتہدین حق ہیں اور سب مستدل بالکتاب والسنۃ ان کی تنقیص موجب بدبختی ہے اور سوء ادب باعث خسران ہے۔

اس کے ساتھ ہی آپ نے نہایت محنت شاقہ اٹھا کر اور بقول شخصے دود چراغ کھا کر کتب بینی اور مطالعہ کا نہایت اہتمام فرمایا تھا خصوصاً شروح حدیث بکمال غور و فہم مطالعہ فرمائی اور بعض کو کئی مرتبہ دیکھنے کی نوبت آئی۔

لیکن حضرت صرف شراح کی تعلیم کے احاطہ میں محصور نہ تھے بلکہ وہ مضامین عجیب انھیں شروح و حواشی کے مطالعہ سے آپ کے ذہن مصفیٰ میں آتے تھے جو دیکھے نہ شنید۔ حضرت نے شروح احادیث کا عطر نکال کر رکھ دیا ہے اور ہمارے فقہاء و شراح کے مجمل دلائل کو اس شرح و بسط سے بیان کیا ہے کہ باید و شاید۔ محدثین میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور ائمہ مجتہدین میں حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ خاص تعلق تھا۔

امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کے لئے حق تعالیٰ نے حضرت کو شرح صدر کر دیا تھا، اسی کا اثر طلبہ پر تھا۔ وہ دقیق فرق، وہ لطائف و رموز سناتے کہ طالب علم بے ساختہ سبحان اللہ کہہ اٹھتے۔ اگر امام صاحب کے مناقب بیان فرمانے لگتے تو ایک کے بعد دوسرا، دوسرے کے بعد تیسرا بیان فرماتے چلے جاتے تھے، سلسلۂ کلام ختم ہی نہ ہوتا تھا حضرت مولانا کا طرز تحدیث اور جمع بین الاقوال والاحادیث وہی تھا جو ہندوستان کے نامی گرامی علمی خاندان حضرت شاہ ولی اللہ اور حضرت شاہ عبدالعزیز قدس سرہما کا تھا۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے اقوال کو نہایت اعتبار و اعتماد کے ساتھ نقل فرماتے اور نہایت ادب سے نام لیتے۔ آپ کی سند حدیث کا سلسلہ حضرت شاہ صاحبؒ ہی پر منتہی ہوتا ہے۔

حضرت مولانا کے بلا واسطہ فارغ التحصیل و عالم شاگرد چالیس سال میں کم درجہ اوسط پچیس سالانہ رکھنے کے بعد ایک ہزار ہوتے ہیں

اور معمولی شاگردوں اور بعض کتب پڑھ کر جانے والوں اور بالواسطہ شاگردوں کی تو کچھ انتہا ہی نہیں ۔

حضرت شیخ الہند کی سیاسی خدمات

جب فرنگیوں نے ہند پر قبضہ کرلیا اور حکومت اسلامیہ کی باگ ڈور انگریزوں کے ہاتھوں میں چلی گئی تو علمائے اسلام اس کے خلاف مسلمانوں کو متنبہ کیا۔ چنانچہ شاہ عبدالعزیز نے آزادی کے متعلق فتویٰ صادر فرمایا اور عام مسلمانوں کو ہندوستان کو آزاد کرانے کے فریضہ کو سمجھایا۔ چنانچہ بیس برس کے بعد ۱۸۲۵ء میں سید احمد بریلوی کی تحریک حریت و جہاد وجود میں آئی جس سے ہر مسلمان واقف ہے تحریک کی ناکامی اور فرنگیوں کی ساحری سے علمائے اسلام بددل نہ ہوئے۔ شیخ الہند کی تعلیم و تربیت، مولانا محمد قاسم نانوتویؒ مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور حضرت امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے زیر سایہ ہوئی تھی۔ سالہا سال تک ان کی خدمت عالیہ میں انتہائی خلوص و شغف بلکہ عاشقانہ جذبات کے ساتھ رہنا ہوا تھا اور ان حضرات کی وہ کامل و مکمل ہستیاں تھیں جنہوں نے ۱۸۵۷ء میں علم آزادی بلند کرکے شاملی، تھانہ بھون وغیرہ سے انگریزی اقتدار کا خاتمہ کر دیا تھا۔ ان کے سینوں میں ہمیشہ آزادی اور جہاد کی مبارک آگ سلگتی رہتی تھی اس لئے کہ شیخ الہند کو قدرت کی فیاضیوں سے ایسا قلب عطا ہوا تھا جس میں انسانی غیرت، اخلاص اور للٰہیت، وطن اور قومی محبت، اسلامی ہمدردی وغیرہ کوٹ کوٹ کر بھری گئی تھی۔ دماغ ایسا قوی عطا کیا گیا جس میں نہ صرف نقلیہ و عقلیہ کے بے شمار مسائل محفوظ رہے تھے بلکہ واقعات تاریخیہ اور اردو فارسی اور عربی اشعار کے بے شمار خزانے بھی جمع رہتے تھے۔ ذکاوت اور فہم ایسی اعلیٰ درجہ کی عطا ہوئی تھی کہ مشکل سے مشکل مسائل ادنیٰ توجہ سے حل فرما دیتے تھے۔ وہ ہندوستان کے حالات پر برابر نظر رکھتے تھے اور اس کی وجہ سے ان کا آرام و چین ختم ہوگیا تھا۔ نتائج و عواقب کو پیش نظر رکھ کے شیخ الہند انگریزی اقتدار کے خاتمہ کی تدبیریں لگ گئے۔ اپنے تلامذہ اور مخلص مریدوں کو ہم خیال بناتے رہے۔ اس زمانہ میں مولانا عبیداللہ سندھی مدرسہ نظارۃ المعارف القرآنیہ میں درس دیتے رہے جہاں انگریزی تعلیم یافتہ جوانوں کے عقائد کی درستگی کا کام ہوتا تھا۔ حضرت دہلی تشریف لے گئے اور مولانا عبیداللہ سندھی رحمہ سے فرمایا کہ "جب کہ انگریزی حکومت اور اقتدار ہندوستان میں قائم ہے تو جس مدت تک تم اپنی اس تعلیم اور اس مدرسہ سے دس بیس آدمی صحیح الخیال مسلمان بناؤ گے اس مدت میں انگریز ہزاروں کو ملحد و زندیق بنا دیں گے"۔ چنانچہ مولانا سندھی کی سمجھ میں شیخ الہند کی اسکیم آگئی اور وہ برطانیہ کے خلاف سینہ سپر ہوگئے۔ حضرت شیخ الہند کے بہت سے احباب اور شناسا سندھ، پنجاب اور سرحد میں تھے اور انہوں نے وہاں اپنے معتمد علیہ بھیج کر انہیں ہموار کیا۔ ڈاکٹر انصاری، شوکت علی، محمد علی وغیرہم اور شیخ الہند کے درمیان مولانا سندھی ذریعہ بنے۔

اس تحریک کی ابتداء میں بغیر تشدد کے انگریزوں کو بھارت سے نکالنا ناممکن سمجھا گیا۔ چنانچہ اس کے لئے یاغستان (آزاد قبائل) کو اس تحریک کا مرکز قرار دیا گیا، وہاں کے نوجوان جہاد پیشہ اور قومی ارخشر ہوتے ہیں۔ باہمی جھگڑے ختم کرانے کی کوشش کی گئی اور اتحاد قائم ہوا۔ ادھر شیخ الہند بھی اپنے مشن کو جاری رکھے ہوئے تھے یہاں تک کہ غیر مسلم حضرات بھی ان سے ملاقات کرکے آزادی ہند کی شمع اپنے دل میں روشن کرتے تھے۔

آزادی کی جنگ سرحد میں شروع ہوچکی تھی مگر رسد کے کافی نہ ہونے سے پریشانیوں کا سامنا تھا۔ ادھر حکومت ہند بھی بوکھلائی ہوئی تھی اور وہ معمولی شبہ پر بھی گرفتار کرکے نظر بند کر رہی تھی۔ حضرت شیخ الہند کو ڈاکٹر انصاری مرحوم نے رائے دی کہ انگریزوں کی عملداری سے نکل جائیں۔ حضرت نے حجاز کا ارادہ فرمایا۔ انگریزوں نے حکم نامہ گرفتاری جاری کیا مگر وہ بچتے بچاتے مکہ معظمہ پہنچ گئے۔ وہاں گورنر حجاز غالب پاشا سے ملاقات ہوئی۔ اس نے ان کا بڑا اعزاز و اکرام کیا۔ شیخ الہند نے تحریک آزادی ہند کے متعلق اس سے گفتگو کی تو بہت خوش ہوا اور اس نے کہا کہ ہند کی مکمل آزادی کا مطالبہ کیجئے۔ ہم سے جہاں تک ہوسکے گا اس کی پوری پوری حمایت کریں گے۔ شیخ الہند مکہ کے قیام میں اسیر کرکے جزیرہ مالٹا بھیج دیے گئے، جہاں سے تین سال سات ماہ کے بعد رہائی ملی۔ رہائی کے بعد بمبئی تشریف لائے۔ مسلمانان بمبئی کی طرف سے خلافت کمیٹی کے زیر اہتمام کھتری مسجد میں جلسہ عام کیا گیا۔ اس جلسہ میں خلافت کمیٹی اور اہالیان بمبئی کی طرف سے حضرت کی خدمت میں سپاسنامہ پیش کیا گیا۔ زعمائے خلافت کمیٹی نے اس موقع پر حضرت کو شیخ الہند کا لقب دیا تھا۔ دہلی، لکھنؤ، دیوبند وغیرہ کے تلامذہ و احباب بھی استقبال کے لئے بمبئی

بمبئی پہنچ چکے تھے۔ بمبئی کے قیام میں مجاہد آزادی مولانا عبدالباری فرنگی محلی اور مہاتما گاندھی بھی تشریف لاکر مشرف بہ ملاقات ہوئے۔ بمبئی سے دہلی کو روانہ ہوئے۔ راہ میں ہر جگہ استقبال ہوا۔ ۳ ذی قعدہ ۱۳۳۸ھ کو حضرت نے عدم تعاون کا فتویٰ صادر فرمایا اور مسلمانوں کو انگریزوں سے قطع تعلقات کر لینے کا حکم دیا۔ اس فتویٰ پر جمعیۃ علماء کے ۵۰۰ علماء کے دستخط ثبت ہوئے۔ مولانا نانوتویؒ کے صاحبزادے مولانا حافظ احمد صاحب نے شمس العلماء جیسا گراں قدر خطاب انگریزی حکومت کو واپس لوٹا دیا۔ اسی تحریر کی بنا پر علی گڑھ میں قومی یونیورسٹی کی بنیاد ڈالی گئی۔ جو آج جامعہ ملیہ اسلامیہ کے نام سے دہلی میں موجود ہے۔

حضرت نے پوری زندگی جہاد مسلسل میں گزاری تھی ضعف و نقاہت زیادہ ہوگئی تھی۔ بیماریوں نے بھی آگھیرا تھا۔ ڈاکٹر انصاری مرحوم نے بہت اچھی طرح معالجہ کیا مگر وہ جانبر نہ ہوسکے اور ۱۸ ربیع الاول ۱۳۳۹ھ میں داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ پہلی نماز جنازہ ڈاکٹر انصاری کی کوٹھی کے سامنے میدان میں پڑھی گئی۔ بعض مصالح کی بنا پر جنازہ دیوبند لایا گیا اور یہیں دفن ہوئے۔ حضرت کی بھی یہی آرزو تھی کہ اپنے استاد کے جوار میں مدفون ہوں۔

حضرت شیخ الہند کی تصانیف ۸ ہیں۔ خطبات اس کے علاوہ ہیں۔ ان میں ترجمۂ قرآن مجید کو اللہ نے قبولیت عام بخشی ہے۔ یہی ترجمہ فارسی میں ترجمہ ہوکر حکومت افغانستان سے کابل میں چھپا۔

بقیہ: ریشمی رومال کی تحریک

اگرچہ اس تحریک پر شاہ ولی اللہ کے مسلک فکر کے علماء اور خصوصاً دیوبند کے علماء کی گہری چھاپ صاف نظر آتی ہے لیکن جیسا پہلے کہا گیا یہ ہر لحاظ سے ایک قومی تحریک تھی چنانچہ اس کے مخلص اور مستعد کارکنوں میں کئی غیر مسلم بھی ہیں۔ ہماری آزادی کی جنگ بہت سے محاذوں پر لڑی گئی ہے جن میں یہ بھی ایک محاذ تھا اور شاید اس وقت تک کا سب سے بڑا محاذ تھا۔ بنگال کے لوگوں نے جاپان کی طرف دیکھا، شمالی ہند کے لوگوں کی نظر افغانستان اور ترکی کی طرف گئی لیکن ہندو ہوں یا مسلمان یا سکھ مقصد سب کا ایک تھا انگریزی حکومت کا خاتمہ اور ہندوستان کی آزادی۔ جو سب کی مشترکہ [illegible] مولانا آزاد، پنڈت نہرو کی تیاری

ہیں ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کو حاصل ہوئی۔ یہ عجیب اتفاق کہ یہی وہ تاریخ ہے جب کہ حضرت شیخ الہند کے حکم پر مولانا عبید اللہ سندھی نے افغانستان کی آزاد سرزمین پر قدم رکھا تھا۔ یہ ایک خواب تھا جس کی تعبیر ۳۲ سال بعد حاصل ہوئی۔

بقیہ: مولانا محمد قاسم صاحب

حضرت شیخ الہند نے ریشمی خط کی تحریک اٹھائی اور پانچ برس مالٹا میں انگریز کی قید و بند کی صعوبتیں جھیلیں۔ ان کے بعد ان کے ہزار ہا شاگرد ول میں بھی رنگ بدرجۂ نفس ہوتا رہا جن میں خصوصیت سے قابل ذکر حضرت علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ، حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلویؒ، حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ، حضرت مولانا محمد میاں عرف مولانا منصور انصاری وغیرہم تھے۔ جنہوں نے بالآخر ہندوستان کو آزاد کرایا۔ اور انجام کار ان بزرگوں کا وہ وحدت عالم اسلام کا خواب اب تعبیر کے قریب ہوتا جارہا ہے۔ آخر عمر میں آپ نے بطور خاص اس تمنا کا اظہار فرمایا کہ میرا دل چاہتا ہے کہ میں یورپ پہونچ کر بتلاؤں کہ حکمت وہ نہیں ہے جسے تم غلط فہمی سے حکمت سمجھ رہے ہو، بلکہ حکمت وہ ہے جس سے دنیاوی عقلی دونوں کے انکشافات تم پر عیاں ہوسکتے ہیں۔ مباحثہ شاہجہاں پور کا واقعہ تاریخی موڑ ہے کہ اس میں حضرت نے ہندو مسلمان کے درمیان پھوٹ ڈالنے کی انگریزی سیاست کا رخ انگریزوں کی طرف موڑ دیا جس کا اعتراف اس دور کے ہندو زعماء نے یہ کہہ کر کیا کہ یہ مولوی ہے جس نے ہندوستان کی لاج رکھ لی، یہ روشن حقائق اس عظیم حقیقت کو ثابت کرنے کے لئے کافی ہیں کہ مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ کی شخصیت ایک عالمی اور تاریخ ساز شخصیت تھی، اور ان کے شیخ و مرشد حضرت حاجی امداد اللہؒ کا یہ قول کہ کئی صدی کے بعد اللہ نے مولانا محمد قاسم صاحب جیسی شخصیت پیدا فرمائی ہے۔ ان کی عظمت و اہمیت کے باب میں بلا خوف و تردید حرف آخر قرار دیا جاسکتا ہے۔

دارالعلوم دیوبند کے ایک نامور فرزند

شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی رح

ڈاکٹر رشید الوحیدی فاضل دیوبند لکچرر جامعہ ملیہ اسلامیہ

قدرت نے دارالعلوم کی تربیت میں "جامعیت" پیدا کرنے کی ایک خاص خوبی ودیعت فرمائی ہے اس کی نہایت حسین مثال مولانا سید حسین احمد مدنی رح کی ذاتِ گرامی ہے۔ آپ اپنے عہد کے بہت بڑے محدث، مجاہد، صوفی، نہایت عظیم الشان تھے ہی اس خوبی کا دنیا اعتراف کرتی ہے اور جو اعتراف نہیں کرتے دل میں وہ بھی اس بات کو تسلیم کرتے ہیں اس کے علاوہ حضرت مدنی رح کی نجی زندگی بھی اسقدر ستھری اور پاکیزہ تھی کہ قریب سے دیکھنے والے ایک ایک بات پر متحیر رہ گئے۔

واقعہ یہ ہے کہ حضرت مولانا حسین احمد مدنی رح نے اس امانت کی نہ صرف حفاظت کی بلکہ اپنی زندگی اسی بے مثال کر دکھا دی جو حضرت شاہ ولی اللہ رح سے شروع ہو کر شاہ عبدالعزیز رح شاہ اسحاق رح شاہ اسماعیل شہید رح سید احمد شہید رح شاہ رفیع الدین رح شاہ عبدالغنی رح مولانا مملوک علی رح حاجی امداد اللہ رح مولانا قاسم رح مولانا خلیل احمد رح مولانا رشید احمد گنگوہی اور مولانا محمود حسن شیخ الہند رح ایسے سلسلۃ الذہب

سے گزرتی ہوئی حضرت مدنی رح تک پہنچی تھی۔

ذرا غور و مطالعہ سے یہ بات معلوم ہو جائے گی کہ قدرت نے ہر مبارک سلسلے کو جو اوصاف عطا فرمائے تھے حضرت مدنی نے ان سب کو سمو لینے کی کامیاب کوشش فرمائی اور آنے والی نسلوں کے لئے مثالی زندگی کا ایک نمونہ چھوڑ گئے، حضرت مدنی کو قریب سے دیکھنے والے جاننے والے موجود تھے ضرورت اس بات کی تھی کہ ہر پہلو پر تفصیل سے تحقیقی کام ہوتا مستقل کتابیں لکھی جاتیں تاکہ ایک طرف دار العلوم کی عظمت ظاہر ہو جاتی کہ اس کی گود میں کیسے کیسے فرزند تربیت پاکر نکلتے ہیں۔ دوسری طرف آئندہ نسلیں اس مثالی زندگی سے روشنی حاصل کرتیں مگر افسوس عقیدت اور محبت کا رسمی اظہار تو بہت ہوا مگر یہ ٹھوس کام نہ ہو سکا اس میں شک نہیں مولانا محمد میاں رح مولانا نجم الدین اصلاحی مفتی عزیز الرحمن اور پاکستان سے "الرشید" کا دار العلوم دیوبند نمبر تاریکی میں چند جھلملاتے سے چراغ نظر آتے ہیں جس کو اس وقت کے حالات زندگی پر کچھ تحریری کام کہا جا سکتا ہے لیکن موضوع کی وسعت اور جامعیت دار العلوم کی شوکت اور عظمت اور حضرت مولانا کی پر شوکت عظمت زندگی کے مقابلے میں یہ کام کا ایک خاکہ تو ہے مستقل کام نہیں۔ خادم کا یہ مقالہ بھی اسی انداز پر ایک ہے جس میں کام کرنے والوں کے لئے دعوت بھی ہے اور دار العلوم کی عظمت کا ایک پہلو بھی اجاگر کرتا ہے کہ اس کی موجوں نے کیسے کیسے گہر پیدا کئے جس کی تابانی پر شمس و قمر کو بھی رشک آیا۔ بہت مختصر سہی حضرت کی عالمانہ، مجاہدانہ، سیاسی اور دوسرے پہلو کے ذکر کے بعد آپ کی ذاتی زندگی کے بارے میں تھوڑی سی گفتگو روحانی بالیدگی اور قلبی سکون کے لئے سرمایہ ثابت ہوگی اور اگر کسی جیالے نے زندگی کے اس نمونے کو اپنا لیا تو کامیابی کی ضمانت بھی۔

شاہ ولی اللہ رح نے جہاد، تصوف، علم حدیث اور حکمت کے جو بیج بوئے تھے اور جو دار العلوم کی صورت میں ایک بار آور درخت بن کر نصف صدی سے زیادہ عرصہ تک لوگوں کو فیضیاب کرتا رہا، حضرت مدنی ان لوگوں میں سے ممتاز فرد تھے جن کی ساری عمر اسی مبارک مقصد کی اشاعت میں بسر ہوئی اور بڑھاپے میں ایک تھکے ہوئے مسافر کی طرح بدلے ہوئے ہندوستان میں اشاعت دین اور تعلیم و اصلاح کا فریضہ انجام دیتے رہے تاکہ جان جان آفریں کے سپرد کردی۔ جعل الجنۃ مثواہ و طاب اللہ ثراہ

مندرجہ بالا فہرست میں سے پہلے ہم حدیث پر گفتگو کریں گے شیخ عبد الحق محدث دہلوی رح نے اگرچہ ہندوستان میں اشاعت حدیث کی خدمت شروع کی مگر بعض وجوہ سے زیادہ دنوں یہ سلسلہ نہ چل سکا پھر یہ سعادت شاہ ولی اللہ کے خاندان کو منتقل ہوئی اور اس خاندان کے ذریعہ ہندوستان میں حدیث کی اشاعت ہوئی۔

دار العلوم اسی اشاعت حدیث کا روشن مینارہ ہے شیخ عبد الحق محدث دہلوی رح اور شاہ ولی اللہ رح کی طرح دار العلوم دیوبند کا ہر خادم حدیث میں "فنا فی الحدیث" تھا وہی جذبہ قدرت نے حضرت مدنی کو عطا فرمایا تھا۔ حضرت مدنی نے دار العلوم میں کم و بیش ۵۴ سال حدیث کا درس دیا ہے۔ دن میں رات میں عصر بعد فجر بعد غرض کوئی وقت مقرر نہ تھا مختلف اوقات میں یہ مبارک مشغلہ انجام دیتے تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی حدیث سے حضرت رح کو جو والہانہ عشق تھا آپ نے اس عشق کو درس حدیث میں سمو دیا تھا۔ درس حدیث کے وقت آپ پر جو کیفیت طاری ہوتی وہ حدیث کے

مفہوم اور معنی کو پوری طرح واضح کر دیتی تھی بہت سے مقامات وہ آتے ہیں جہاں الفاظ اور معنی اپنی تہی دامن کا شکوہ کرنے لگتے ہیں تب کوئی صاحب نظر قلب و باطن اور عشق کا سہارا لیتا ہے وہ کسی دوسری ہی نسبت کو کام میں لاتا ہے کیفیت میں ڈوب ڈوب کر ابھرتا ہے اور طالب علم حدیث کے لئے موتیاں نکالتا ہے چنانچہ دیکھنے اور سننے والے جانتے ہیں کہ اگر کبھی روحانیت اور معرفت کی حدیث آ گئی تو آپ پر جذب کی کیفیت طاری ہو جاتی طلبا بھی اس کیفیت سے محروم نہ رہتے تھے عشق و محبت کی آنچ اور حرارت ان کے قلوب پر بھی کیفیت اور گریہ طاری کر دیتی تھی ہم نے خود دیکھا ہے کہ بعض اوقات ایسے موقع پر کوئی طالب علم چیخ اٹھا یا رونے لگا یا بے ہوش ہو گیا اور حضرت کو سنبھالنا پڑا۔

پھر کبھی جنگوں کا بیان شروع ہوتا تو ایسا معلوم ہوتا کہ حضرت رح جہاد میں فوجوں کے بیچ کھڑے ہوئے شمشیر و سناں کے جوہر دکھا رہے ہیں اور مجاہدین کی ہمت افزائی بھی کر رہے ہیں ان میں جوش و ولولہ پیدا کر رہے ہیں۔ بدر اور احد سے لے کر بالاکوٹ و شاملی تک کی تمام جرأتیں اور ہمتیں ایک ذات میں سرایت کر جاتیں چہرہ اقدس پُرجلال مجاہدین کے اسمائے گرامی پر جذبہ نذرانہ عقیدت شہداء کے تذکرہ پر شوق شہادت کی سرشاری اور ان سب کے ملجا و ماوا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان ہو جانے کی تڑپ یہ ساری کیفیت جمع ہو کر رزم و کارزار سے متعلق احادیث کے مضمون کو قلب میں راسخ کر دیتی تھیں خلاصہ یہ کہ جہاں جس قسم کی احادیث زیر بحث آتی حضرت پر اس مضمون کی کیفیت طاری ہو جاتی۔

علمی طور پر حضرت اقدس گنگوہی رح کا طریقہ آپ کے لئے نمونہ تھا روایت و درایت کی روشنی میں متن کی وضاحت، اصول حدیث و اصول فقہ کے دقیق نکتوں کی محققانہ تشریح کسی مسئلہ سے متعلق چاروں ائمہ کا مذہب بیان فرما کر مدلل اور مستند طریقہ سے مذہب حنفی کو ترجیح دینا، رفع تعارض مسائل کا استنباط مشکل مسائل کی آسان وضاحت ان تمام تفصیلات کے ساتھ ساتھ ائمہ کرام صحابہ تابعین محدثین علماء فقہا اپنے اکابر اساتذہ غرض تمام بزرگوں کے نام نہایت ادب احترام القاب آداب سے لئے جاتے اس سلسلہ میں کبھی غفلت یا تساہل کو راہ نہ دی۔ پھر آنحضور علیہ صلوٰۃ التسلیم کے اسم گرامی کے لئے ادب اور احترام کا جس درجہ اہتمام فرماتے وہ معلوم ہے

مولانا افضال الحق قاسمی جوہر نے حضرت مدنی کی تقریر ترمذی مرتب فرمائی ہے اگر وہ چھپ گئی تو یقیناً علم و حدیث پر قابل قدر اضافہ ہوگا اسی طرح مولانا محمد میاں مرحوم نے جیل کی زندگی کے حضرت کے بعض تفسیری نوٹ شائع کئے تھے۔ کاش اس کا سلسلہ طویل ہوتا تو وہ بھی ایک بڑا سرمایہ ہوتا۔

فقہ گو حضرت مدنی رح براہ راست دارالافتاء سے متعلق نہیں رہے مگر جیسا کہ حدیث میں تفصیل سے معلوم ہوا حدیث کی تشریح کے دوران فقہی مسائل چاروں ائمہ کی رائے، پھر مذہب حنفی کی ترجیح بیان فرماتے تھے اس طرح فقہ حنفی کو حدیث سے ثابت کرتے اس کے لئے حدیث کو دلیل اور ماخذ قرار دیتے تھے جب آپ سے کوئی مسائل مسئلہ پوچھتا تو اسے دارالافتاء دارالعلوم دیوبند (جو فتوی دینے کے لئے ایشیا کی اس عظیم یونیورسٹی میں مستحکم ادارے کی حیثیت رکھتا ہے) رجوع کرنے کا مشورہ دیا کرتے تھے اس طرح آپ تقسیم کار کے انتظامی اصول کو بہت مضبوطی سے برقرار رکھتے دور دراز علاقوں خصوصاً

سفر میں دینی اور ہنگامی سوالات کا خود بھی جواب عنایت فرما دیتے تھے اور عجیب بات تھی اگر سائل عالم ہوتا یا علمی سوال کرتا تو آپ جزی مسئلے کے جواب سے پہلے مسئلہ سے متعلق کوئی نہ کوئی اصول اور قاعدہ کلیہ بیان فرماتے پھر موضوع کے بارے میں وضاحت فرما دیتے۔ آپ کی فقیہانہ شان اس سے ظاہر ہے کہ حدیث پر ایک ہی وقت میں الفاظ، روایت، درایت، حیثیت حدیث حیثیت رجال، سند وغیرہ کی بحث فرماتے تھے جو یقیناً محدثانہ شان تھی۔ تو دوسری طرف معانی اصول و قواعد حدیث سے ضبط مسائل، تخریج و استنباط کے اصول آپ کے پیش نظر ہوتے اور یہ فقیہانہ شان تھی گویا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے بعد آپ کے صحابہ تابعین، تبع تابعین اور بعد کے علماء اور فقہا کی ان دونوں ہی حیثیت سے آپ نے خوشہ چینی کی۔ اور یقیناً دارالعلوم کی جامعیت کبریٰ کا یہ ایک بہت بڑا فیض تھا ویسے بھی شروع شروع میں جب دارالعلوم میں دارالافتا، بطور ادارہ قائم نہ ہوا تھا تو اس مدرسہ کا ہر عالم اور استاد اپنی جگہ دیگر تمام امور کے ساتھ افتاء کا کام بھی انجام دیا کرتا تھا۔ پھر حضرت مدنی کا تو ایک خاص مقام تھا بڑی ذمہ داری تھی وہ تمام عالم کے تسلیم شدہ عالم تھے اسی لئے سیکڑوں فتوے اور مسئلے زبانی آپ نے بتائے مسائل دین میں رہبری فرمائی، جو مدون اور تحریر میں ہیں۔ افتاء کے مروجہ ماخذ جن میں ہدایہ فتح القدیر، ان کی شروح وغیرہ پیش پیش ہیں حضرت کے مطالعہ میں متعدد بار بتمامہ وکمالہ آچکی تھیں فرمایا کرتے تھے۔

"امتحان کی رات میں پوری ہدایہ مطالعہ کرلی تھی" مسئلے کی پیچیدگی اعتراض و جواب دلائل کا انبار اور گنجلک پن کی حیثیت سے ہدایہ کا مطالعہ کون کر سکتا تھا جو پہلے سے اس پر قدرت رکھتا ہو اور بار بار مطالعہ سے کتاب آسان کر چکا ہو۔

مجاہدانہ زندگی

دارالعلوم ولی اللہی افکار کا زندہ نمونہ تھا ولی اللہی افکار میں علم و حکمت، تصوف معرفت کے ساتھ سیاست اور جہاد بھی شامل ہے اسی لئے فرزندان دارالعلوم فکر ولی اللہی کے ہر پہلو کے امین رہے۔ دراصل اس پورے سلسلہ میں ہمیں ایسے علماء بھی ملتے ہیں جو الگ الگ میدانوں میں کامل تھے اور ایسا گروہ بھی نظر آتا ہے جو بیک وقت ہمہ گیری کا نمونہ تھا اس دوسرے گروہ میں ہم آسانی سے شاہ عبدالعزیز سے شروع کرکے حاجی امداد اللہ رحمہ اللہ مولانا رشید احمد گنگوہی مولانا قاسم نانوتوی مولانا محمود حسن شیخ الہند رح کا نام لے سکتے ہیں مولانا مدنی چوں کہ اسی خاص رجحان کے وارث تھے اس لئے جامعیت کی وہ شان آپ میں بھی بہ درجہ اتم موجود تھی اس وقت ہم آپ کی جنگ آزادی اور جہاد حریت پر مختصر سی گفتگو کریں گے کہ طوالت کی گنجائش ہی کہاں ہے آزادی کے لئے لڑائی اور جہاد کے پیچھے مولانا کے ذہن میں جو فکری عقیدہ کام کر رہا تھا وہ بہت مستحکم تھا جیل سے آپ اپنے ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں۔

"انّ الحمایۃ مِنْ فرائض الانسانیۃ عند العالم"

یعنی اقوام عالم کے نزدیک آزادی انسان کا پیدائشی حق ہے اسی پیدائشی حق کے اصول میں آپ نے ایڑی سے چوٹی تک کا زور لگا دیا تھا حضرت مولانا خانقاہ درس گاہ مسجد و محراب مذہبی از سیاسی سٹیج کی رونق تو تھے ہی مگر جیل دار و رسن طوق و سلاسل کارگاہ رزم نے آزادی مجاہدانہ سرفروشانہ سب سے آگے کر دیا۔ انگریز دل سے ہندوستان کو آزاد کرانے میں ایک طرف تو یہی مذکورہ بالا عقیدہ کام کر رہا تھا دوسری طرف

آپ کے نزدیک عالم اسلام کی آزادی خود مختاری اور حیات نو کا انحصار اس بات پر تھا کہ انگریزوں سے ہندوستان کو آزاد کرالیا جائے۔ آپ فرمایا کرتے تھے یہ زنجیر کی ایک ایسی کڑی ہے کہ اگر ہندوستان انگریزوں کے پنجۂ غلامی سے چھوٹ جائے تو مشرق وسطی اور دوسرے قریب و دور کے تمام ممالک سے غلامی کی کڑیاں ٹوٹتی چلی جائیں گی پھر کوئی ملک کسی کا غلام نہ رہے گا۔ اور قدرت کے اس عام انعام یعنی آزادی سے سب لطف اندوز ہوں گے۔ آخر بعد کے واقعات نے اس دعوے کی تصدیق بھی کر دی۔

آزادی ہندوستان کے لئے مالٹا میں جس قدر سخت مصائب برداشت کئے غیروں کے ہاتھوں اجنبی دیس میں جو کچھ بیت گئی بڑی بھیانک داستان ہے؎

لارا دیار غیر میں ہم کو وطن سے دور

مالٹا کی کہانی، قفس کی روداد بڑی دلچسپ ہے اور ساتھ ہی سبق آموز بھی۔ غلام و آقا کے درمیان کے کشمکش کی بڑی عجیب داستان ہے جسے سن کر کبھی منہ سے داد تحسین نکل جاتی ہے اور کبھی کلیجہ منہ کو آنے لگتا ہے اس داستان میں استاذ حضرت شیخ الہندؒ اور ہجوم شاگرداں کا عشق و محبت کا واقعہ بھی ہے دنیا کے بڑے بڑے انسانوں سے مکالمے بھی دھمکیاں بھی ہیں بہادرانہ سوال و جواب بھی۔

اور آگے آیئے کراچی میں مقدمے کے دوران ظالم و جابر حکومت کے افسر اعلی نے حب الوطنی اور ایمان کا امتحان لیا بڑے بڑے کلیجے کفر اگئے بھرے مجمع میں حضرت مدنی نے آبروئے وطن اور ناموس آزادی پر اپنا سر عزیز پیش کر دیا (تفصیل دیکھئے مقدمہ کراچی) یہ اور بات ہے کہ آزمائے ہوئے بازو سے نہ خنجر اٹھا نہ تلوار اور الحمد للہ وہ مبارک سر برسہا برس ملک و ملت کی خدمت کے لئے وقف رہا پھر نینی جیل الہ آباد اور مراد آباد کی جیلوں کو شرف مہمانی عطا ہوا وہاں بھی قید کے سال دو سال بسر کئے کسی شخص کے بارے میں یہ لکھ دینا بہت آسان ہوتا ہے کہ فلاں سنے دو سال چار سال جیل میں گزارے۔ جیل جانے والا ہی اس لمحے کی شدت کو محسوس کر سکتا ہے جب لمبی لمبی دیو قامت دیواریں اور آہنی پھاٹک کسی قیدی کا رشتہ باہر کی تمام دنیا سے یک لخت منقطع کر دیتے ہیں وہ خود کو دوسروں کے شکنجہ میں مجبور پاتا ہے پھر ستم یہ ہے کہ اس کا جسم تو مقید ہو جاتا ہے مگر خیالات احساسات اور یادوں کو عین اسی زمانے میں اس قدر آزادی نصیب ہو جاتی ہے کہ ہر لمحہ اور ہر آن وہ جیل کی چہار دیواری سے نکل نکل کر اپنے عزیزوں اور پیاروں تک پہنچتی اور واپس آتی رہتی ہیں یہ بھی ایک سخت امتحان اور آزمائش ہے کاش ان کو بھی کوئی قید کر لے تو جیل کی مصیبت شاید بہت کچھ ہلکی ہو جائے اگرچہ یہ ہم عامی کا احساس و تجربہ ہے جو نہ صرف یہ کہ عشق میں خام ہیں بلکہ اس میدان سے ناواقف ہیں حضرت مدنی اور دوسرے اکابر اس قسم کے تجربات اور احساسات سے بہت ہی بلند تھے وہ کہا کرتے تھے۔

عشق میں اس کے کوہ غم سر پہ لیا جو ہو سو ہو
عیش و نشاط زندگی چھوڑ دیا جو ہو سو ہو

ان کے سامنے قرآنی ارشاد کا یہ پہلو تھا جہاں حبیب محبوب میں کوئی چیز حائل نہیں ہوتی۔

"فاصبر لحکم ربک فانک باعیننا"
(تو ٹھہرا رہ منتظر اپنے رب کے حکم کا تو ہماری آنکھوں کے سامنے ہے)

حضرت مدنی کے استاد حضرت شیخ الہند اسی قسم کی تربیت فرما گئے تھے جس سے ہمتیں پختہ تر عزائم بلند! اور حوصلہ افزا صفات پیدا ہو گئے تھے۔ مالٹا میں آپ اکثر فرمایا کرتے تھے۔

الحمد للہ بمصیبتے گرفتارم نہ بمعصیتے

حضرت مدنی کی مجاہدانہ اور سیاسی زندگی برسوں کی

؎ مکتوبات شیخ الاسلام ج (۱) ص ۲۷

زبانی کی داستان پر پھیلی پڑی ہے یہ بحث تو اپنی جگہ مستقل تصنیف چاہتی ہے اس سلسلے کے بعض واقعات جس میں راقم خود شریک رہا ہے لکھ کر اس باب کو ختم کرتا ہے ان واقعات کی سنگینی سے پورے حالات کا اندازہ ہو جائے گا۔ پھر ان واقعات میں اپنے ملی بھائی کی ستم ظریفی کا بڑا حصہ ہے۔ یہ بھی ایک عبرت ناک پہلو ہے۔

سہارنپور سے دیوبند کے لئے حضرت مدنی ٹرین پر سوار ہوئے برابر میں میری سیٹ تھی ۴۷ء کے فوراً بعد کا یہ واقعہ ہے کچھ نادان نوجوان مسلمانوں کا مجمع ڈبے کے اندر آیا اور حضرت پر پل پڑا اور حضرت کی ٹوپی پیچھے گری میں نے لپک کر اٹھالی میں حضرت سے چمٹ کر رہ گیا تھا ایک بار چہرۂ مبارک پر نظر پڑی اب تک یاد ہے آنکھیں بند تھیں چہرہ سرخ تھا خود بچنے سے زیادہ مجھے بچانے کی کوشش فرما رہے تھے۔ خاموش تھے مگر کبھی کبھی کچھ پڑھتے ہوئے محسوس ہوتے تھے اور میں سوچ رہا تھا یہی ہے ساری زندگی کی جدوجہد کا ثمرہ! مگر بقول مولانا ابوسلمان شاہ جہاں پوری۔

"خدمت خلق میں انہوں نے صرف فرض کی ادائیگی کا سبق سیکھا تھا دنیا کے ہار جیت کے تصور سے ان کا ذہن نا آشنا تھا۔"[۵]

اپنے وطن اور لوف ٹانڈے میں ایک جلسہ کے لئے تشریف لے چلے گاڑی میں اور لوگوں کے علاوہ راقم بھی تھا ابھی گاڑی سڑک پر پہنچی ہی تھی کہ گاڑی پر پتھر برسنے شروع ہو گئے

جنوں کے جوش میں نکلے جو گھر سے
ادھر سے ہم چلے پتھر ادھر سے

میں نے کنکھیوں سے حضرت کی طرف دیکھا تاکہ اپنے خوف میں سکون حاصل کرلوں وہاں آنکھیں بند تھیں اور ہونٹ ہل رہے تھے۔

اللّٰھم اھد قومی والی بات سامنے آگئی کچھ جوشیلے نوجوان ۴۷ء کے بعد کے حالات سے گھبرا کر آخری فیصلہ کر کے حضرت کے پاس آئے پورے عزم و یقین اور جوش سے بولے حضرت جہاد کی اجازت دے دیجئے۔ معاملہ حد سے گزر چکا ہے فیصلہ ہو جائے حضرت نے ان کے مقابلہ میں کہیں زیادہ عزم و یقین اور جوش مگر وقار اور سنجیدگی سے جواب دیا "یہ ضمانت تم دے دو کہ میدان جہاد سے کوئی مسلمان پیٹھ نہ پھیرے گا میں نہ صرف اجازت ہی دوں گا بلکہ وہ پہلا سپاہی ہوں گا جس کی گردن خاک و خون میں تڑپتی نظر آئے گی"

نینی جیل سے واپسی پر آپ پر جو اثر تھا اس سے اندازہ ہوا کہ کس قدر مشقت کی زندگی گزری ہے ستا ہوا چہرہ کمزور و نحیف جسم سر اور پیشانی کی چوڑائی یکسر ختم وہ شاندار وجود جیل کی صعوبتوں کی نذر ہو چکا تھا ہماری آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔

" خدا غارت کرے ان بھیڑیوں کو کھا لئے ہمارے حضرت کو"

یہ جملہ بار بار زبان پر آرہا تھا۔ میرا ذہن تیزی سے یادوں کے تانے بانے بن رہا ہے آزادی ہندوستان کی تاریخ میں ان حضرات کے واقعات بکھرے پڑے ہیں میرے سامنے تصنیف نہیں ایک اخبار کا خصوصی نمبر ہے۔ اس پر صرف میری اجارہ داری نہیں ہے۔ دوسروں کا بھی حق ہے اس لئے دامن سمیٹتا ہوں۔ اور پھر کوئی کہاں تک لکھتا جائے کوزے میں دریا کیسے سمائے۔ مولانا نافع گل صاحب خان عبدالغفار خاں مولانا نجم الدین اصلاحی مولانا اسعد مدنی پروفیسر ضیاء الحسن فاروقی مولانا فریدالوحیدی اور دوسرے اہل قلم اور بزرگ ہیں قلم اٹھائیں حق ادا کریں۔

میرا خیال ہے مضمون طویل ہو گیا ہے اور اگر

۵؎ ماہنامہ الرشید لاہور۔ دارالعلوم دیوبند نمبر ص ۴۸۲

ساری باتیں جو ذہن میں ہیں یا یادداشت میں ہیں ان کو لکھا جائے تو طوالت بہت زیادہ ہو جائے گی حالاں کہ درمیان میں بہت سی جگہ تفصیل سے گریز کیا ہے اس لئے وہ علم اخلاق، نیک نفسی اور اخلاق کی بلندی جو انسانوں کو خدا اور رسول سے قریب تر کرتی ہے اور عام انسان کو بہت بڑا انسان بناتی ہے اس کا ذکر کر دیا جائے۔

بات یہ ہے کہ معرفت و تصوف ہو یا زہد و تقویٰ یا علم اخلاق ان سب کا کام یہ ہے کہ انسان میں اپنے اندرونی میلانات اور نفس پر قابو پانے کی طاقت پیدا ہو جائے اس کے مقابلے میں اللہ اور اس کے رسول کا حکم سب پر فائق و بلند ہو جائے پھر اس کا اثر اس شخص کی اجتماعی اور انفرادی زندگی کے ہر پہلو میں نمایاں ہو جاتا ہے حکم خداوندی اور اسوۂ نبی اس کی فطرتِ ثانیہ بن جاتی ہے۔ یہی انسانیت کا کمال ہے۔ دارالعلوم اپنے فرزندوں میں یہی حسن و پاکیزگی پیدا کرتا ہے بشرطیکہ اس کی دیانت و ایمانداری کے ساتھ اپنی زندگی کو دارالعلوم کے فکر سے ہم آہنگ کر لیا جائے حضرت مدنی رح اس اصول کا مکمل نمونہ تھے آپ ایک کامیاب باپ، بے مثال شوہر سچے مخلص لیڈر باعمل واعظ شریعت و طریقت کے امام عظیم محب وطن غریبوں یتیموں غریب الدیار اور نادار طلبہ کے ہمدرد و غم خوار، دوستوں کی محفل میں بہت بے تکلف دوست، دیانتدار معلم و مدرس فرمانبردار شاگرد، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی زندہ جاوید تصویر، نام و نمود سے گریزاں شہرت سے متنفر اپنے اکابر، اساتذہ اور ائمہ کے سچے صحیح وارث ولی اللہی فکر کے سچے اور بہادر علمبردار، سراپا انکسار و تواضع، عظیم مہمان نواز، سب کچھ تھے ان تمام خصوصیات پر لکھا جائے تو بلاشبہ واقعات و قصص کی روشنی میں سیرت اور سوانح کا ایک ضخیم دفتر تیار ہو سکتا ہے اگر ہم ہر موضوع سے متعلق صرف دو ایک واقعات بھی لکھ سکتے تو اندازہ ہوتا کہ یہ طرز زندگی آنحضورؐ کی حیات مبارک سے کس قدر مماثل ہے اور صحابہ کی زندگی کا کتنا صحیح نمونہ ہے۔ قرآن و حدیث کی تعلیمات میں کس قدر یہ روح پائی جاتی ہے مگر خطرہ یہ ہے کہ انہیں ایک دو واقعات سے مضمون بہت لمبا بھی ہو جائے گا اس لئے مجبوراً ہم قلم روکتے ہیں۔ اور نذرانۂ عقیدت پیش کرتے ہیں اس مادر علمی کو گلشن قاسمی کو مرکزِ عابدی کو دبستان ولی اللہی کو جس نے اپنے فرزندوں میں تدین، شریعت، اخلاق، تواضع نیکی تقویٰ اور علم و حکمت کے یہ جوہر پیدا کئے۔

ہزار ہزار رحمت نازل ہو ان ارواح مقدسہ پر جنہوں نے یہ سرسبز درخت لگایا۔ دین کی آبرو کی حفاظت فرمائی جس سے ہمیشہ صحت مند ہوائیں آ آکر روح کو توانائی اور بالیدگی عطا کرتی رہیں دارالعلوم کا یہ فیض براہ راست بھی رہا ہے یہ وہ گروہ ہے جو اس مدرسے میں آکر فیضیاب ہوا۔ اور بالواسطہ بھی رہا۔ یہ وہ گروہ ہے جو دارالعلوم کے تربیت یافتہ بزرگوں سے خیر و برکت اور زندگی کا سلیقہ سیکھتا رہا ہے۔

اس زمرے میں افراد کی تیاری اور معنوی اولاد کی کثرت میں حضرت مدنی رح کا مقام اگلوں پچھلوں سب سے بلند ہے یہ سلسلہ آج بھی موجود ہے اور اس میں کامیاب ترین زندہ جاوید مثال حضرت مولانا سید اسعد مدنی مدظلہٗ کی ہے جو الحمدللہ براہ راست دارالعلوم سے اور حضرت مدنی رح کی روحانیت سے بھی مکمل طور پر سرفراز ہیں۔

•••

۶۶ سال پہلے دارالعلوم دیوبند

مولانا محمد مشرف صاحب مفتی دارالعلوم چلّہ امروہہ

اب سے ۵۶ برس پہلے مولانا محمد مشرف صاحب سنبھلی (مفتی جامعہ حسینیہ چلہ امروہہ) نے دارالعلوم دیوبند میں تعلیم حاصل کی تھی. آج وہاں کے حالات تحریر فرماتے ہیں ملاحظہ ہو، موصوف نے ۱۳۴۴ھ میں حضرت شاہ صاحبؒ سے دورہ پڑھا تھا ——— (ایڈیٹر)

ابتدائی تعلیم

میں نے میزان سے لیکر ملاحسن، ملاجلال، مختصر المعانی، میبذی، تک اپنے وطن سنبھل میں مولانا عبدالمجید صاحب نوراللہ مرقدہٗ اور دیگر علماء سے پڑھی یہ حضرات اپنی نظیر نہیں رکھتے تھے. مولانا عبدالمجید صاحب نوراللہ مرقدہٗ، اس زمانے کے منطق اور فلسفے کے مشہور علماء میں سے تھے، اطراف ہندوستان سے لوگ آپ کے علم وفضل سے فیضیاب ہونے کے لئے آتے تھے، سنبھل کے اکثر علماء نے آپ ہی سے فیض حاصل کیا ہے. محترم دوست مولانا محمد حسن صاحب بہاری ان کے ممتاز شاگرد آج بھی دارالعلوم میں منطق وفلسفے کے ممتاز مدرس ہیں، اس کے بعد موقوف علیہ تام اور دورۂ حدیث دو سال دارالعلوم دیوبند میں رہ کر ۱۳۴۴ھ میں مکمل کیا ہے۔

بزرگانہ ادراک مشکوٰۃ شریف کی سبق میں فرمایا کہ میں شدید بیمار ہوگیا میں نے روزانہ اپنے مرشد شیخ طریقت حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی نوراللہ مرقدہٗ کو لکھا کہ بظاہر زندگی کا آخر دور ہے حضرت نوراللہ مرقدہٗ نے جواب میں لکھا کہ سورۂ فاتحہ پڑھ کر جسم پر دم کئے جاؤ، مجھے اللہ تعالیٰ سے قوی امید دلادی ہے کہ آپ کی زندگی بہت باقی ہے. تو حسب عمل سے اللہ تعالیٰ نے مجھے صحت کلی عطا فرمادی مولوی محمد آفاق صاحب کاندھولی ہاتھ میں گھڑی باندھا کرتے تھے تو ان سے فرماتے ارے بھیا! اشفاق تمہاری پہنچی میں کیا بجا ہے اور وہ وقت بتادیتے۔

خدمت خلق

جلالین شریف حضرت مولانا مفتی عبدالرحمٰن نوراللہ مرقدہٗ سے پڑھی حضرت

کی تحریر مختصر مگر جامع ہوتی تھی پاس محلہ کی عورتوں کو بلا ضرورت کی ضرورت کو خرید کر لادیتے تھے، بس نہ لڑسیں تک پیسے میں چار سودے دو پیسہ ہر دیتا تھا، چونکہ سستا تھا، ایک پان یک پیسے میں چار ترکاری آجاتی تھی مگر کسی عورت نے یہ کہہ کر مجھے چاہئیں نہیں کسے اچھا ہے تو بازار سے بدل کر لادیتے۔ مولانا کے پاس سوالات اطراف ملک سے آتے ہوئے اکثر سوالات دوران میں بیٹھے ہوئے رکھتے، دارالعلوم سے ساتھ ہوتا جہاں فرصت ملی وہیں تحریر فرمادیتے۔ اطراف صحاح ستہ اور موطین وغیرہ طلباء سے سن کر احادیث پڑھانے کی اجازت فرمادیتے میرے پاس بھی اجازت نامہ موجود ہیں۔ حضرت وقتاً فوقتاً اہتمام کا کام بھی انجام دیتے تھے۔ طلباء آپ کی دفتر اہتمام میں آمد کی انتظار کرتے رہتے۔ حضرت کی شفقت سے بہت کچھ فائدہ حاصل کرتے۔

تربیت

حضرت مولانا عبدالسمیع صاحب نوراللہ مرقدہ کی درسگاہ میں ترکی ٹوپی پہن کر گیا تو دوران تقریر میں فرمایا ارے ترکی ٹوپی والے سمجھا دوسرے اور تیسرے دن بھی یہی فرمایا چوتھے دن میں سفید ٹوپی اوڑھ کر گیا تو فرمایا کہ آج سمجھا ہم منع تو نہیں کرتے مگر تیرے سر پر اچھی نہیں لگتی تھی۔ میں نے اس دن سے ترکی ٹوپی پہنی چھوڑ دی۔

اہتمام درس

بخاری شریف، ترمذی شریف تکمل حضرت اقدس مولانا محمد انور شاہ صاحب کشمیری نوراللہ مرقدہ سے پڑھی ہمیشہ درس حدیث باوضو فرماتے تھے۔ اگر دوران درس میں وضو باقی نہ رہا تو وضو کرنے تشریف لے جاتے اور وضو کرکے واپس تشریف لاکر درس فرماتے تھے۔ اور اگر وقت کم ہوتا تو چھٹی کرکے چلے گئے۔

باہمی لحاظ

ہندوستان کی آزادی کے خواہشمند تھے حتی الامکان کوشش بھی فرماتے تھے کپڑے بہت سادہ ہوتے تھے گاڑھا پہنتے تھے۔ درس میں بہت دفعہ فرمایا کہ کھدر اس لئے پہنتا ہوں کہ مولانا حسین احمد مدنی نوراللہ مرقدہ پہنتے ہیں تو ان کی مروت میں پہنتا ہوں کیونکہ اس سے آزادی نہیں ملے گی، آزادی تو انشاء اللہ سر قربانی دے کر حاصل ہوگی۔

علمی اثر

سیمل کنڈے موہن کے مدرسہ میں دستار بندی کا جلسہ ہوا اس میں حضرت نور اللہ مرقدہ تشریف لائے تو ایک بدعتی نے چہرۂ انور کو دیکھ کر کہا ایسا شخص جھوٹا نہیں ہوسکتا: بدعت سے خدا جانے اس کو توبہ نصیب ہوئی یا نہیں ہوئی مگر جو علماء دیوبند کو ہر وقت وہ گالی دیتا تھا وہ بند کردیں اور اس دن سے خاموش زندگی شروع کردی۔

تنبیہ

دارالعلوم کے اندر دو پنجابی طالب علم اپنے وطن کے دو قادیانیوں کے میزبان ہوگئے حضرت اقدس نور اللہ مرقدہ کو جب صبح معلوم ہوا تو بڑا کر اسقدر ان کی پٹائی کی کہ جب تک وہ چھڑی ٹوٹ نہ گئی برابر مارتے رہے۔ اس چھڑی کے بعض ٹکڑے بطور تبرک بعض علماء نے رکھ لئے تھے۔ اس کے بعد درس میں بعض وقت فرماتے تھے ہوشیار رہنا تنبیہ الغافلین شروع ہوگئی ہے۔

اختلاف مسائل

ڈھابیل تشریف لے جاتے وقت ایک روز دہلی قیام فرمایا میں نے صبح کی نماز کے وقت اقتداء فی الصلوٰۃ غیر حنفی کا مسئلہ چھیڑ دیا، تقریباً ایک گھنٹہ تقریر فرمائی اور تمام سلف کا اقوال مخالف و موافق نقل فرماکر فرمایا۔ سلف میں اقتداء کے وقت مسجد میں اختلاف نہیں ہوتا تھا۔

علمی انہماک

لاہور اسٹیشن پر اجلاس جمعیۃ العلماء پشاور کی صدارت کو تشریف لیجاتے وقت اورینٹل کالج لاہور غالباً عطاء اللہ صاحب نے ہیئات قدیم و جدید کا سوال کردیا تو مکمل طریقہ سے ایک گھنٹہ تقریر فرمائی ابھی نامکمل ہی تھی کہ گاڑی روانہ ہوگئی۔

گنبد خضرا کی بقاء

سعودی حکومت نے حرمین شریفین پر قبضہ جماکر قبہ جات اور مزارات کو توڑ دیا مسلمانوں نے ان کے اس فعل پر اظہار ناراضگی کیا تو انہوں نے حجاز میں موسم حج کے قریب

یک مؤتمر اسلامی طلب کیا اور اس میں تمام ممالک اسلامیہ
اور مدارس سے نمائندہ طلب کئے تاکہ گنبد خضراء کا مسئلہ
قطعی شکل میں طے کر دیا جائے۔ ہندوستان سے جمعیۃ علماء
ندوہ، دارالعلوم دیوبند دارالمبلغین، اہل حدیث وغیرہ
کو دعوت نامہ آئے اس دعوت نامہ پر دارالعلوم سے حضرت
مولانا انور شاہ کشمیریؒ انتخاب کیا۔ حضرت نور اللہ مرقدہٗ نے
فرمایا کہ محترم والد صاحب کا حکم نامہ کشمیر کا ہے لہذا وہ مقدم
ہے حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی نور اللہ مرقدہٗ کا
انتخاب عمل میں آیا۔ جمعیۃ علماء سے حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ
صاحبؒ تھے، جب مولانا عثمانی سے کہا گیا کہ شاہی طلب پر
جا رہے ہو لباس عمدہ بنالو۔ فرمایا کہ شاہی دورے کے لئے
لباس تیار کرانا علماء کے شان کے خلاف ہے۔ مولانا
عبدالحلیم صاحب غالباً دارالمبلغین سے اور حضرت مولانا
سید سلیمان ندویؒ ندوۃ العلماء لکھنؤ سے اور حضرت مولانا
ثناء اللہ صاحب امرتسریؒ اہل حدیث سے، اور دیگر علماء بھی
ہمراہ تھے۔ راستہ میں یہ طے پایا کہ مولانا سید سلیمان صاحب
ندویؒ مؤتمر میں ہماری طرف سے وکیل ہوں گے، جب یہ
حضرات حجاز پہنچ کر اس اجلاس میں شریک ہوئے تو حضرت
مولانا عثمانیؒ حسب سے آخر میں تشریف فرما ہوئے بادشاہ
نے اپنے موقف پر زور دار تقریر عربی میں کرتے ہوئے موقف
کو ثابت کیا، سب علماء خاموش رہے کسی کو جواب کی
ہمت نہیں ہوئی، حضرت مولانا عثمانیؒ کھڑے ہو گئے اور
بہت ہی فصیح و بلیغ عربی میں بادشاہ کی تقریر کا جواب دیا
اور معراج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دلیل میں پیش فرمایا
کر بہت طویل تقریر فرمائی، حکومت اپنا فیصلہ واپس لیتی ہے
اور گنبد خضراء جوں کا توں باقی رہ گیا۔ چنانچہ شاہ نے کھڑے
ہو کر جواب میں صرف یہ فرمایا کہ ہم یہ سمجھتے تھے کہ مخالفین کے
پاس کوئی دلیل نہیں ہے مگر مخالفین بھی دلیل رکھتے ہیں۔

مولانا نے دوران تقریر میں فرمایا کہ معراج میں جاتے
وقت جگہ جگہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت موسیٰ کی قبر
کو طور اور مقامات مقدسہ کی زیارت کرائی گئی پھر بیت المقدس
میں مقامات مقدسہ دکھلائے گئے اس لئے مقامات مقدسہ
کا انکار نہیں کیا جا سکتا، ان کی اپنی جگہ اہمیت ہے اور خدا
اور اس کے رسولؐ کے نزدیک ہے اور اگر نہیں ہے تو
حرم مکہ میں مقام ابراہیم کیا ہے جس کا قرآن میں اتباع
سے ذکر کیا گیا ہے۔

پھر مولانا نے فرمایا کہ یہ کعبہ آپ کے سامنے ہے جیسے
بناتے وقت قریش نے حطیم کو کعبہ سے خارج کر دیا تھا
حضرت عائشہ کی روایت ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسے
بدل کر کعبہ میں شامل کرنا چاہتے ہیں مگر فرمایا کہ امت میں
انتشار پیدا ہوگا، اسلئے ارادہ ترک فرما دیا۔ اسی طرح ہم
کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار پر جو قبہ بنایا گیا ہے اسکا
بنانا غلط تھا یہ آپ صحیح کہتے ہیں مگر جب بن چکا ہے تو اسکے
گرانے سے وہی انتشار پیدا ہو سکتا ہے۔ جو حضورؐ کے عہد
میں کعبہ کے بنانے سے پیدا ہو سکتا تھا تو جس طرح حضورؐ
نے احتیاط کی اسی طرح آپ کو قبہ گرانے سے احتیاط کرنا
سنت کے مطابق ہے اور یہ فیصلہ ناقابل عمل اور لائق احتجاج ہے۔
جو اس کے عزائم تھے ان پر عمل نہیں ہوا، حضرت مولانا
عثمانیؒ فرماتے تھے کہ اگر تقریر اردو زبان میں ہوتی تو
دوبارہ ساری تعمیرات کا شاہ سے کرایہ واپس آتا۔

حضرت شیخ الاسلام کا وقار

میں سنبھل سے ایک جلسے کے لئے حضرت حکیم الامت مولانا
قاری محمد طیب صاحب کو لینے کے لئے گئے، حضرت مولانا
حبیب الرحمٰن صاحبؒ سے عرض کیا کہ قاری صاحب کو لینے
آیا ہوں حضرت نے قاری صاحب کو بلا کر فرمایا کہ ان کے
ساتھ سنبھل چلے جاؤ اس وقت قاری صاحب بہترین قسم
کے لباس میں تھے فرمایا کہ نو بجے تانگہ لے کر آجانا میں ساتھ
چلوں گا۔ جب میں پہنچا تو قاری صاحب کا لباس خالص
کھدر کا تھا، حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحبؒ نے فرمایا کہ
سنبھل جا رہے ہو تو یہ لباس کیوں پہنا ہے۔ قاری صاحب
نے فرمایا ان سے یہ معلوم ہوا ہے کہ حضرت مولانا حسین احمد
مدنیؒ وہاں تشریف لائے ہوئے ہیں اس لئے یہ لباس
مناسب ہے ورنہ حضرت مولانا مدنیؒ ناراض ہوں گے۔

ایّامِ دارالعلوم دیوبند

از: "نجم سحر"

یہیں سیکھا تھا آکر ایک دن علم وعمل ہم نے
یہی چھتے کی مسجد ہے، یہی آنار کا سایہ
یہ تیرا نودرہ آماجگاہِ علم ودانش ہے
نظر جب ہی اٹھی ہے اہل دل اور اہل ایماں کی
یہیں سے پھوٹ کر نکلا وہ چشمہ علم وحکمت کا
اٹھائی ہیں یہیں سے علم وفن کی بدلیاں تو نے

اندھیری رات میں جب روشنی بھی منہ چھپاتی تھی
غلاموں کو پڑھا دی حریت کی داستاں تو نے
تری تحریک یا طوفان تھا اک برق وباراں کا
جو دہلی سے عبید اللہ کابل سر بکف نکلے
ادھر کابل سے تیرا ریشمی رومال لہرایا
رگ نصرانیت پھڑکی کہ شدھی سنگھٹن نکلا
مری مٹی کو سونا کر دیا تھا کیمیا بن کر
تو کندن کر دیا تو جیسے تاب وتواں دیکر
ہمیں قلب ونظر بخشا بھرا انداز سخن بخشا
تیرے گلہائے تر مہکا گئے ساری فضاؤں کو
کسی نے جھوم کر انوار کو ہر سمت پھیلایا

سکھایا تھا کلی کو پھول بننا تیری شبنم نے
جہاں محمود پر اللہ کی رحمت کو جوش آیا
خدا رکھے، کنواں دن رات مصروف نوازش ہے
تیری مٹی سے خوشبو آرہی تھی علم وعرفاں کی
زمانے بھر میں جسکو قاسم الخیرات ہونا تھا
عطا کی گلشن دیں کو حیات جاوداں تو نے

ترے ذروں نے اٹھکر چاند تاروں کی جگہ لی
یہیں کود لا در آزادی ہندوستاں تو نے
کہ پورے ایشیا کا جس نے موسم ہی بدل ڈالا
کفن لیکر تیرے مردانِ غازی صف بصف نکلے
کفایت نے ادھر دہلی میں جمعیت کو چمکایا
مقابل ان کے جو نکلا وہ تیرا اہل فن نکلا
وہ سونا کھیر ملمع کر دیا دیوار کعبہ پر
بنایا تاج انساں نقش پائے مصطفٰے لیکر
زباں بخشی، قلم بخشا، نبی کا علم وفن بخشا
تیری باد بہاری لے اڑی کالی گھٹاؤں کو
تو اس کے خواب کو تعبیر میں ڈھال کر دکھلایا

تیرے گنبد پہ کرنیں پڑ رہی ہیں سبز گنبد کی!
تیری دیوار و در کو جس نے اتنی تازگی بخشی

حسین احمد کی یاد آئی جو کوئی دیوبند آیا
دیئے ہیں زندگی کو ہر طرف کچھ نقش پا جس نے
وہ نورِ علم، خوشبوئے عمل، طیبہ کا ہمسایہ
شعورِ زندگی کو دی نگاہ انبیاء جس نے

سیاست سے عبادت تک جلال اُس کا جمال اُس کا
مدینے سے یہاں لایا تھا عزم بے مثال اس کا

ادب سے سر جھکا لو حضرتِ شیخ الادب آئے
وہ جن کی ذات پر علم و ادب بھی ناز فرمائے

ذکاوت نے زماں چومی جو علامہ کی یاد آئی
رئیسِ علم و فن، فرماں روائے عقل و دانائی

زمانے میں ابھی تک دھوم ہے ذاتِ گرامی کی
کہ انور شاہ نے علم نبوت کو زباں بخشی

وہ قاسم، اللہ اللہ اک عجوبہ دستِ قدرت کا
زباں حجت، نظر برہان، دل آئینہ فطرت کا

نئی سج دھج سے لائے علم و فن نظم گلستاں کو
کہ زندہ کر دیا ہندوستان میں دین و ایماں کو

رشید احمد وہ کوہِ نور در سیرتاجِ شریعت بھی
کہ امت کے لئے تھی اک کرن مہرِ نبوت کی

ولی اللہ کے ہر خواب کو تعبیر دینا تھا
تو شیخ الہند محمود الحسن سا تاجور آیا

شہنشاہی دماغوں کے لئے اک مسئلہ تھا
زمانے کی سیاست کے لئے اک زلزلہ تھا وہ

بناتے تھے تری مٹی سے کتنے دیدہ ور جس نے
نکالے تھے اسی پتھر سے ہیرے کاٹ کر جس نے

خدا آباد رکھے اس بہارِ علم و حکمت کو
اٹھا رکھا ہے کتنی شان سے بارِ امانت کو

دعا و گرمیِ کردار کو انوارِ عرفاں کو
نگاہیں تیز کر دیں، گرم رکھا ہے دل و جاں کو

سمٹ کر آ رہی ہے ساری دنیا ایک مرکز پر
جو ہمت ہو تو دکھلا دے کوئی ایوانِ پیغمبر

جو بھائی تھا غلاموں کا یتیموں بے نواؤں کا
جو آقا تھا شہنشاہوں امیروں پیشواؤں کا

زمانے بھر میں ڈنکا پٹ گیا جس کی رسالت کا
نمونہ علم کا، اخلاق کا، ذہن و فراست کا

دلوں کو جس نے زندہ کر دیا غم کی حرارت سے
شبِ غم کو منور کر دیا نورِ عبادت سے

سکونِ دل ملیگا جو تھم اس کے آستانے پر
کہ ہیں ظلمت کدے کیواسطے انوارِ پیغمبر

خدا شاداب رکھے اس بہارِ اہلِ عرفاں کو
ہنسی آ جائے اس کو دیکھ کر خود ابرِ باراں کو

مگر اس بام و در میں برہمی محسوس ہوتی ہے
یہاں اک مردِ کامل کی کمی محسوس ہوتی ہے

وہ جس کے دیدہ خونبار سے پتھر پگھل جائے
وہ جس کی گرمیِ افکار سے موسم بدل جائے

خدا کی یاد آئے دیکھ کر وہ مردِ کامل ہو
بدل دے زندگی جس کی نظر وہ مردِ کامل ہو

میرے زمانہ کا دارالعلوم

سنہ ۱۳۵۲ھ لغایت سنہ ۱۳۵۶ھ

اُستادوں کی یاد میں عقیدت کے پھول

از۔ مولانا منہاج الحق قاسمی مرادآبادی

حضرت مولانا مبارک حسین محمودی سنبھلی
ثم میرٹھی دارالعلوم تشریف لائے، رشتہ دار
ہونے کی وجہ سے ہم لوگوں کے پاس مرادآباد
منزل میں قیام فرمایا مرادآباد منزل دارالحدیث
کے سامنے ایک چھوٹی سی کوٹھری تھی جس میں
اس وقت مولانا نعمانی مدظلہم کے چھوٹے بھائی
حکیم محمد احسن سنبھلی مولوی محمد یامین سنبھلی اور حکیم
مرتضیٰ حسن سنبھلی اور یہ خاکسار مقیم تھے۔ وہ
کوٹھری پھلواری اور پھول دار بیلوں سے ڈھکی
ہوئی ایک قسم کا گلدستہ معلوم ہوتی تھی چمن اور
پھولوں سے دلی لگاؤ کی بنا پر حضرت شیخ مدنیؒ آج
دارالحدیث میں آتے جاتے تھے اور بڑی توجہ
سے دیکھا کرتے تھے۔ جو جلد ہی یعنی دار جدید کے
اکیس حجرے بننے کے بعد منہدم کردی گئی۔
ہم لوگوں نے وہاں کے رواج کے مطابق اس
کوٹھری کا نام مرادآباد منزل رکھ لیا تھا۔
بہرحال موصوف مولانا میرٹھیؒ مرحوم نے اس
وقت دارالعلوم کے متعلق چند جملے ارشاد فرمائے۔

تھے، جو اس ناچیز کو اس عمر میں بہت ناگوار گزرے تھے جس کی ناگواری کا مکمل نتیجہ آج بندے کے سامنے ہے۔ واضح ہو کہ حضرت علامہ کشمیری رح کے وصال کے بعد مولانا میرٹھی غالباً دوسری مرتبہ دیوبند تشریف لائے تھے۔

مولانا میرٹھیؒ نے نہایت غمگین لہجہ میں فرمایا تھا کہ "اب دارالعلوم میں کوئی نہیں رہا"، "یہاں آکر میرا جی نہیں لگتا"، "مجھے تو یہاں آکر بڑی تکلیف ہوتی ہے"، "مجھے تو اب یہاں تاریکی نظر آتی ہے" وغیرہ وغیرہ"

چونکہ مولانا مرحوم ایک مشہور واعظ اور خطیب بھی تھے اسلئے بندہ نے مولانا کے ان جملوں کو واعظانہ روش اور مبالغہ پر محمول کیا۔ اور اپنی کم فہمی کی بنا پر اس وقت کے اساتذہ کرام رح کی توہین سمجھا لہٰذا سخت ناگواری ہوئی۔ پھر وقت گزرتا اور بڑوں کی بات پر ناگواری کا قلبی جرم مجھ سے برابر بدلہ لیتا رہا۔ یہاں تک کہ جس انجمن پر مجھے ناز تھا اس کے سب ہی چاند تارے ایک ایک ہوکر اپنے خالق سے جاملے = (نور اللہ قبورہم وجزاہم اللہ عنا خیر الجزاء)

اب جشن صد سالہ کے موقع پر مولانا میرٹھیؒ کے وہ جملے اور ان پر اپنی ناگواری یاد آرہی ہے سوچتا ہوں کہ اب میں کیا کہوں حقائق کی بنا پر دل چاہتا ہے کہ مولانا موصوف سے بھی زیادہ وزن دار جملوں میں اپنے دل کی ترجمانی کردوں کیونکہ مولانا مبارک حسین صاحب نے تو اس وقت یہ ارشاد فرمایا تھا جبکہ حضرت شیخ الہند قدس سرہ اور حضرت کشمیری قدس سرہ، جیسے شمس و قمر رخصت ہوچکے تھے لیکن دوسرے چوٹی کے اساتذہ کرام مسند درس پر رونق افروز تھے اور مفسر قرآن حضرت علامہ عثمانی قدس سرہ، ابھی بقید حیات تھے۔

اور سب سے بڑی بات یہ کہ جانشین شیخ الہند حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی قدس سرہ، جیسی جامع شخصیت گزرے ہوؤں کا حق جانشینی اور فرض کنایہ ادا کررہی تھی لیکن آج جو حقیقت ہے وہ سب پر واضح ہے میرے لئے مشکل ہے کہ کیا کہوں کوئی لفظ مولانا میرٹھیؒ جیسے اس لئے نہیں کہا جاسکتا کہ جب ان کے اس وقت کہنے پر مجھے ناگوار ہوا تھا تو اب میرے جملے دوسروں کو ناگوار ہوسکتے ہیں۔

حقیقت یہ کہ جن حضرات کے سامنے قیام دارالعلوم سے اب تک کے حالات وکوائف ہیں وہ "خیر القرون قرنی ثم الذین یلونہم" کی تفسیر وتشریح بھی خوب سمجھ گئے ہوں گے۔

اب جبکہ میرے زمانہ کے تمام اساتذہ کرام واصل بحق ہوچکے ہیں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ جشن صد سالہ کے موقع پر استاذوں کی یاد میں کچھ عقیدت کے پھول پیش کردئے جائیں خصوصاً مدارس عربیہ کے اساتذہ کرام کے لئے اسوۂ حسنہ ہیں۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب، مدظلہ قدس سرہٗ

حضرت رح کے متعلق کچھ لکھتے ہوئے ایک قسم کی جھجک محسوس ہوتی کہ کہیں کوئی گستاخی نہ ہوجائے لیکن معاً یاد آیا کہ ہمارے حضرت رح تو بہت زیادہ جمالی تھے اگر کچھ ڈر تھا تو شیخ الادب رح صاحب کا زیادہ رہتا تھا۔

میں نے حضرت شیخ قدس سرہ، میں جمال ہی جمال دیکھا چار سال کی مدت میں صرف دو مرتبہ غصہ اور غضب دیکھا ہے۔ ایک مرتبہ تو دو لڑکوں

میں نشست پر جھگڑا ہو رہا تھا کہ حضرت تشریف لے گئے اور جھگڑنے کی وجہ دریافت فرمائی جواب میں ایک لڑکے نے کہا کہ میں اس کو اپنی برابر نہیں بیٹھنے دوں گا کیونکہ یہ کانگریسی ہے اس پر حضرت بہت ہی خفا ہوئے اور سی آئی ڈی وغیرہ کے کچھ سیاسی راز بھی کھولے جس کی تفصیل کا موقع نہیں۔

حضرت کے غضب کا دوسرا واقعہ بہت اہم واقعہ ہے

بات یہ تھی کہ دارالعلوم اور حضرت کے مخالف اور بدخواہ لوگ بنگال اور آسام میں دارالعلوم کے خلاف ایک تحریک چلا رہے تھے کہ ہمارے یہاں سے روپیہ جاتا ہے اور وہ لیڈروں پر خرچ ہو جاتا ہے لہٰذا دارالعلوم کو چندہ دینا بند کر دیا جائے ان صوبوں میں اس سلسلہ میں تین پوسٹر وغیرہ بھی شائع ہوئے اور بعض اخبارات نے بھی دارالعلوم کے خلاف لکھا حضرت کو اس تحریک کے کچھ مراکز مدرسہ میں بھی ہونے کا علم ہوا تو حضرت نے مدرسہ کی مسجد میں ظہر کے بعد ایک غضبناک تقریر فرمائی تقریر کے وقت پورے مجمع پر سناٹا اور لرزہ طاری تھا بہتوں کی آنکھوں میں آنسو اور بے ہوشی کی سی کیفیت ہو گئی یہاں تک کہ ایک دو طالب علم جس کا نام مجھے یاد ہے وہ تو مرل میں گر گیا لیکن حضرت نے فوراً رفع فرمایا کہ میں کسی کا نام نہیں لے رہا ہوں، تقریر کے چند منتشر جملے جو مجھے یاد ہیں جو نہایت غضبناک ہو کر ارشاد فرمائے تھے ملاحظہ ہوں۔

”تم لوگوں نے دارالعلوم کو کیا سمجھ رکھا ہے ایک دو آسامی کیا تمام صوبوں والے بھی چندہ دینا بند کر دیں تو مدرسہ بند نہیں ہو سکتا“ بنگالی و آسامی ہو، جب تم سب کے سب مدرسہ سے نکل جاؤ تو مدرسہ بند نہیں ہو سکتا فرشتے اور جنات پڑھنے آئیں گے اور ہم پڑھائیں گے۔“

”تم سب طلبا اور تمام مدرسین نکل جاؤ مدرسہ بند نہیں ہوگا اس مدرسہ میں فرشتے پڑھائیں گے اور فرشتے پڑھیں گے“ ..... سناٹا ..... ”تم نے مجھ کو کیا سمجھ رکھا ہے بنگال اور آسام میں جس چوکٹ پر جا کر کھڑا ہو جاؤں اور ایک لاکھ روپیہ طلب کروں تو حسین احمد ایک لاکھ روپے لئے بغیر نہیں ہٹے گا“ — ”مجھ کو معلوم ہے کہ میرے خلاف اور مدرسہ کے خلاف کیا کیا ہوتا ہے“ ”بیت الخلا میں بیٹھ بیٹھ کر رپورٹ تیار ہوتی ہیں میں ایک ایک کو جانتا ہوں۔“..... وغیرہ وغیرہ (ملخص ناتمام)

(نوٹ، اگر کسی ساتھی کے پاس یہ تقریر تحریر شدہ ہو تو مطلع فرمائیں)

دارالعلوم دیوبند کے بدخواہوں پر یہ اس باجمال اور بے تکلف حلیم ہستی کا بے مثال غضب تھا جو درس حدیث میں اپنے پیارے شاگردوں کی معمولی گستاخیوں کو بڑی خندہ پیشانی سے برداشت کر لیتی تھی۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس تقریر میں دارالعلوم سے متعلق حضرت کے جن قلبی جذبات اور واردات کا اظہار تھا یہ جشن صد سالہ ان ہی جذبات و واردات کا مظہر اور دعاؤں کا ثمرہ ہے، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ دارالعلوم دیوبند میں آج جو کچھ نظر آ رہا ہے وہ سب بانیانِ دارالعلوم اور اکابرینِ دارالعلوم کی قربانیوں اور مقبول دعاؤں کا نتیجہ ہے،

فجزاھم اللہ تعالیٰ۔

علمی امانت کی و دیانت کی ایک مثال

آج کل رجوع کی اصطلاح بالکل ختم ہوتی جا رہی ہے بات کی پاسداری بہت کی جاتی ہے رجوع اور اپنی

غلطی [illegible] کرنے کو وقار کے منافی سمجھا جاتا ہے جس
کا نتیجہ مداہنت ہے۔ دیکھئے! حضرت شیخ قدس سرہ
اپنے تلامذہ کو رجوع اور غلطی تسلیم کرنے کا کتنا
عمدہ درس دیتے ہیں ایک روز سبق شروع ہوتے
ہی فرمایا،
"میں نے کل جو بیان کیا تھا اس میں غلطی ہو گئی
کسی نے تحریر کیا ہو تو درست کرلے پوری تشریح اس
طرح ہے"
اساتذہ کرام غور فرمائیں اور اسوۂ حسنہ پر عمل
کرنے کی کوشش کریں رجوع اور غلطی تسلیم کرنے
میں اور غلطی کا اعلان کرنے میں اپنی بے عزتی کا خیال
نہ کریں بلکہ آخرت کا خوف کریں۔

شعبۂ ورزش اور فن سپہ گری کا قیام

مجاہد اسلام حضرت شیخ قدس سرہ کے منجملہ
دیگر مجاہدانہ کارناموں کے ہمارے سامنے ایک
مجاہدانہ کارنامہ یہ ہوا کہ حضرت نے اپنی کوشش
اور جدوجہد سے طلبہ کے لئے فن سپہ گری اور
ورزش کا شعبہ قائم فرمایا جس میں عصر کے بعد
اور خارجی اوقات میں طلبہ ورزش کرتے
اور لاٹھی ڈنڈا تلوار وغیرہ چلانے کی مشقیں کیا
کرتے تھے اور گاہے گاہے حضرت بھی تشریف
لاکر سرپرستی فرماتے تھے۔ مجھے خوب یاد ہے کہ ایک
مرتبہ حضرت کے ساتھ مولانا نورالدین بہاری
مرحوم بھی تشریف لائے اور انہوں نے خود اس
فن کا مظاہرہ فرمایا تاکہ طلبہ کی زیادہ سے زیادہ
ہمت افزائی ہو اور دلچسپی میں اضافہ ہو۔
ہندو مسلم اتحاد کے اس وقت کے سب
سے بڑے داعی اور حامی یعنی حضرت اقدس رح کے
ہاتھ سے اس شعبہ کا قیام حضرت کی مومنانہ فراست
اور تدبیر کی ایک بہترین مثال ہے کاش یہ شعبہ
ترقی کرکے جملہ مدارس اسلامیہ کے ذریعہ ملک گیر
پوزیشن اختیار کرچکا ہوتا تو آج ملت بہت
سے مسائل سے محفوظ رہتی اور آج یہ شعبہ
حضرت کی ایک تاریخی یادگار ثابت ہوتا۔

استاذ الاساتذہ شیخ الادب والفقہ
حضرت مولانا اعزاز علی صاحب قدس سرہ

طلبا کی اخلاقی تربیت کے لئے چونکہ ایک
جلالی قسم کے استاذ کی بھی ضرورت تھی لہٰذا
اس کام کے لئے قدرت نے حضرت مولانا اعزاز
علی صاحب رح کا انتخاب فرمایا حالانکہ یہ ہے کہ
وہ صرف دیکھنے کے جلالی تھے ورنہ اندر سے
اتنے جمالی اور مشفق استاذ تھے کہ اپنی نظیر
صرف آپ ہی تھے ان کی شفقت اور تربیت
کا یہ حال تھا کہ طلبہ کو سلام کرنے میں ان کی
سبقت مشہور تھی ہم نے سلام میں سبقت
کرنے کی بہت کوشش کی لیکن اکثر ناکام رہے
حضرت کی کسر شان اور خدمت مدرسہ کی دو یادگار
مثالیں تحریر کی جاتی ہیں جو اساتذہ حضرات
کے لئے خصوصی طور پر توجہ طلب ہیں۔

ڈیوٹی کی پابندی

حضرت شیخ الادب رح مدرسہ کے اوقات کے
علاوہ بھی کافی وقت میں درسی اور غیر درسی کتابیں
پڑھاتے رہتے تھے لیکن اوقات وغیرہ کے سخت
عمل کو دیکھ کر ایسا محسوس ہوتا تھا کہ شاید وہ اتنی
زبردست پابندی اس لئے کرتے ہیں کہ کہیں
ملازمت نہ چھوٹ جائے اور روزی میں رخنہ نہ
پڑجائے حالانکہ وہ استاذ الاساتذہ تھے
اور ملک کے کافی مدارس ان کی سرپرستی میں

جل رہے تھے اور ملک کے طول و عرض میں
بے شمار مدرسین کا تقرر ان کے مشورہ سے ہوتا
تھا۔ حضرت رح کی یہ عادت تھی کہ گھنٹہ بجنے سے
پہلے درس گاہ میں پہونچ جاتے تھے اگر کسی
وجہ سے گھنٹہ حجرہ میں یا راستہ میں بج گیا تو بغل
میں کتابیں دابے ہوئے دوڑنے لگتے تھے
ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ میں حضرت کے حجرہ
میں تھا جو احاطہ مسجد میں واقع تھا حضرت
مجھے ایک سورہ کی تبییض کے سلسلہ میں ہدایت
فرما رہے تھے کہ گھنٹہ کی آواز آگئی پھر کیا تھا
ہدایات نا تمام چھوڑ کر کتاب سینے سے لگا کر
اس گھبراہٹ اور تیزی سے روانہ ہوئے کہ حجرہ
کی چوکھٹ سر میں لگی اور غش کھا کر گر گئے
میں نے جلدی سے سنبھالا اور سوچا کہ اب آرام
فرمائیں گے اور غالباً میں نے آرام فرمانے کے لئے
عرض بھی کیا لیکن وہ ماننے والے کہاں تھے ذرا
سنبھلے اور لپکا یک پھر کتاب لے کر نہایت تیزی
سے درس گاہ کی طرف روانہ ہو گئے اور درس گاہ
پہونچتے ہی علم کے شیر نے بلند آواز سے پڑھنا
شروع کر دیا۔

کسر نفسی

دوسرا واقعہ کسر شان کا یہ ہے
کہ میں نے کئی مرتبہ ایسا دیکھا کہ ہدایہ اخیرین وغیرہ
کا سبق پڑھاتے ہوئے ذہن میں کوئی اشکال
پیش آیا تو سبق ختم کئے بغیر طلبہ سے مہلت
لے کر دارالحدیث پہونچ گئے اور توجہ کے انتظار
میں حضرت شیخ الاسلام رح کے عقب میں کھڑے
ہو گئے پھر شیخ الحدیث قدس سرہ، کا اشارہ
پاتے ہی پھر سے درس گاہ میں واپس جا کر سبق
جاری فرمایا۔
یہ دونوں واقعات آج کی علمی دنیا میں کتنے
عجیب اور نایاب واقعات ہیں جن کی مثال آج
کل ملنا تقریباً ناممکن ہے ع
اب انہیں ڈھونڈو چراغ رخ زیبا لیکر
کاش کہ دور حاضر کے اساتذہ ان "سابقون
الاولون" حضرت کے اسوۂ حسنہ پر عمل کرنے کی
کوشش فرمائیں اور علم دین کی تعلیم اور تعلّم میں
کسی قسم کی کسر شان کی پرواہ کریں۔

استاد الاساتذہ حضرت علامہ محمد ابراہیم صاحب بلیاوی قدس سرہٗ

مختصر کرنے کے باوجود مضمون طویل ہوا جاتا ہے
اس لئے اب مزید مختصر طور پر عرض ہے کہ شہنشاہ
علم جامع معقول و منقول علامہ بلیاوی رح
اس قدر سادہ مزاج تھے کہ اگر کہیں نماز کی
امامت کا نمبر آتا تو گھبرا جاتے اور صاف فرما دیا
کرتے تھے کہ بھائی مجھے امامت اور تقریر کرنا بالکل
نہیں آتی مجھ سے تو بس پڑھانا آتا ہے اور کچھ نہیں آتا
حضرت شیخ الادب قدس سرہ، کے برعکس
حضرت علامہ قدس سرہ کا مزاج نہایت نازک تھا
اس لئے سخت پابندی اور جانفشانی سے گریز
فرماتے تھے۔ یہ سب کچھ حضرت کے بے پناہ
تجربہ علمی کے سبب تھا۔
ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است

حضرت مولانا عبدالسمیع صاحب دیوبندی قدس سرہٗ
حضرت کے مزاج میں بھی سادگی کوٹ
کوٹ کر بھری ہوئی تھی اس کے مدرسی میں بعض
ناگفتنی باتیں بھی بلا تکلف کہہ جاتے تھے۔

دارالعلوم دیوبند کی کہانی

تصویروں کی زبانی

(۲۰۸۵۱

R mmc
ہماری جانب سے تمام برادران ملّت کو
دارالعلوم دیوبند کا جشن صد سالہ مبارک
رونق میٹل مینوفیکچرنگ کارپوریشن کے
بانی و مالک
اسلام احمد
رونق میٹل کے ایلومونیم اور براس بلڈنگ فٹنگ کا سامان
نہ صرف خوبصورت، مضبوط اور ارزاں ہوتا ہے، بلکہ
تحفہ میں دیا جاتا ہے!
تیار کردہ
رونق
میٹل مینوفیکچرنگ کارپوریشن
قاضی پاڑہ۔ علی گڑھ۔ یو.پی.
فون نمبر: 3926

ایک انار اور فضیلت کی ہزار دستار

انار کا یہ درخت تاریخی ہے۔ اور ایک تاریخ ساز واقعہ کی یادگار بھی ۔ جو بعد کو صدہا تاریخی ابواب، تاریخی واقعات اور تاریخی عنوانات کی بنیاد بنا ۔۔ اسے اتفاق کہئے یا کچھ اور مگر یہ مشیت ایزدی تھی کہ دارالعلوم کے درس و تدریس کا سلسلہ انار کے اسی درخت کے نیچے شروع ہوا۔ اور پھر اس درخت پر لگنے والے ہر انار اور اس کے صدہا دانوں کی طرح دارالعلوم سے صدہا مدارس اور ان سے ہزاروں لاکھوں فضلاء پیدا ہوئے۔ اور انشاءاللہ تا قیامت یہ درخت بھی پھولتا پھلتا رہے گا اور دارالعلوم کے زیر سایہ مدارس کا سلسلہ بھی دراز تر اور مستحکم تر ہوتا جائے گا!
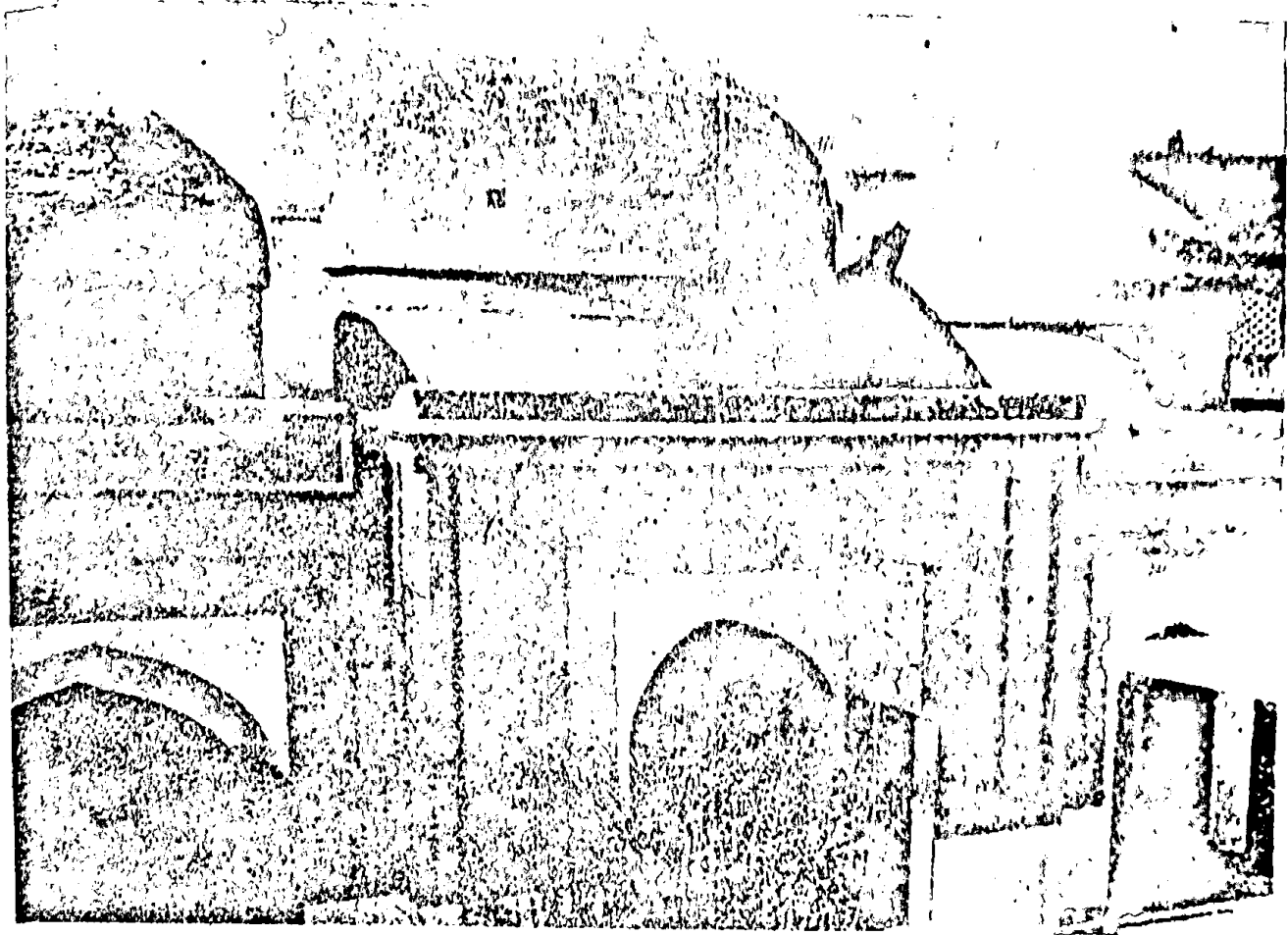
چھتہ مسجد جسکے صحن میں دارالعلوم نے جنم لیا۔

یہ ہے وہ تاریخی چھتہ مسجد جس کے صحن میں انار کے نیچے ۱۱۶ سال پہلے دارالعلوم کی ابتدار ہوئی اور اس کے پہلے استاد نے اپنے پہلے شاگرد کو درس دیا۔ اس وقت یہ ایک مدرسہ تھا اور آج یونیورسٹی ہے۔ یہ کیسا اتفاق تھا کہ استاد بھی محمود تھا اور شاگرد بھی محمود لیکن اب دارالعلوم کی اپنی عمارت نہیں متعدد عمارات ہیں اور یہ مسجد احاطہ دارالعلوم سے باہر ہے گو اس سے ملحق ہے۔ اس تاریخی مسجد کی خوش بختی ہے کہ یہ بیرکردہ اہل اللہ اور اکابر کی قیام گاہ رہی ہے۔ یہاں حضرت بابا فرید گنج شکرؒ نے چلہ کشی اور حاجی عابد حسینؒ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور حضرت مولانا محمد یعقوبؒ نے قیام کیا ہے۔ یہ قدیم مسلم فن تعمیر کا نمونہ، سادہ مگر پر شکوہ ہے۔
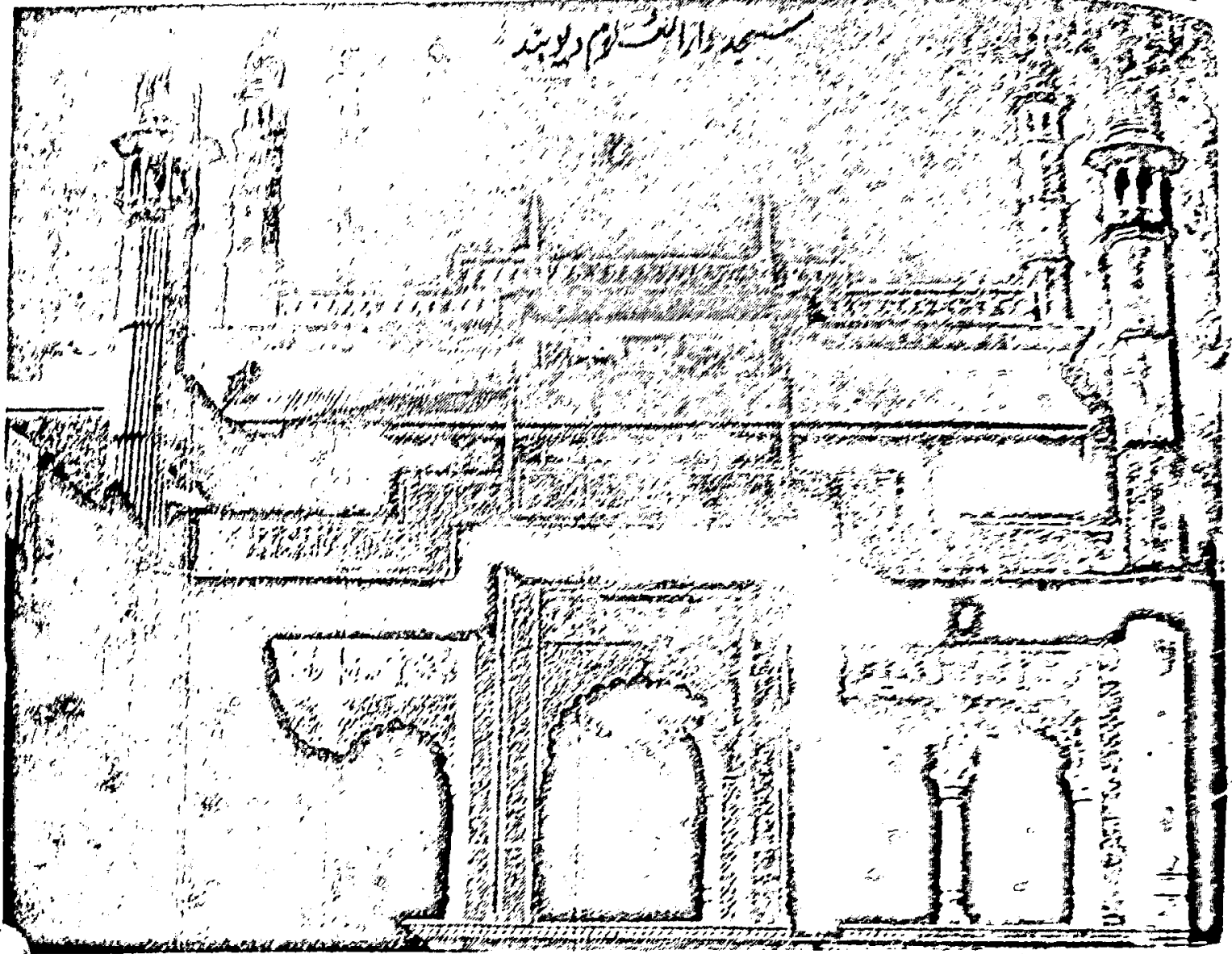
دارالعلوم دیوبند کی مسجد

یہ دارالعلوم دیوبند کی وہ تاریخی مسجد ہے جسے ہندوستان کے جلیل القدر اہل اللہ اور ہزاروں علماء نے اپنی جبینوں سے بسایا ہے۔ جو نہایت خوشنما اور سنگ تراشی کا ایک دلآویز شاہکار ہے۔ اس مسجد میں ہر نماز میں کم و بیش ایک ہزار علماء صلحاء اور طلباء اپنے پروردگار کی بارگاہ میں سربسجود ہوتے ہیں۔ مسجد کا اندرونی رقبہ 2423 مربع فٹ ہے۔ اور بیرونی رقبہ 8/118 × 50 فٹ ہے اس کی ہر نماز میں جمعہ کی نماز کا سا سماں اور بھیڑ ہوتی ہے۔ مسجد کی تعمیر مولانا محمد قاسمؒ کے صاحبزادے اور مہتمم دارالعلوم دیوبند مولانا حافظ محمد احمد صاحب کے دور میں ۱۹۱۰ء میں ہوئی اور اب موجودہ مہتمم اور حافظ محمد احمد کے صاحبزادے قاری محمد طیب صاحب کے دور میں اس کا چہرہ بدلا گیا۔ اس میں توسیع اور ترمیم ہوئی!
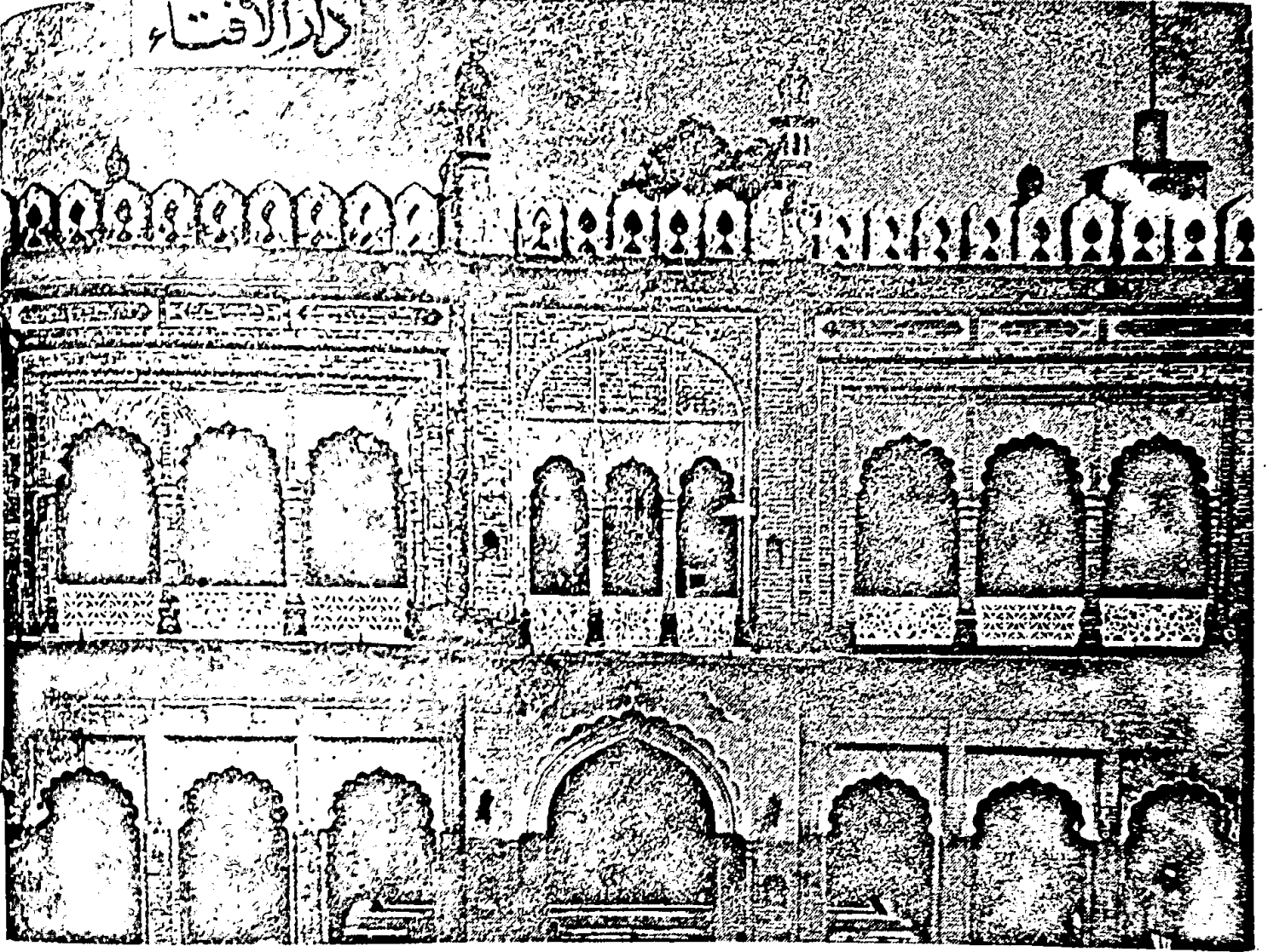
دارالعلوم دیوبند کا دارالافتاء

جو دینی مسائل میں عالم اسلام کے مسلمانوں کی رہنمائی کیلئے ایک عظیم مرکز ہے۔ جہاں سے ابتک لاکھوں فتوے دئے جا چکے ہیں۔ یہ عمارت دارالعلوم کی مسجد کے مشرق میں واقع ہے۔ اس کی مسند پر حضرت مولانا مفتی عزیزالرحمٰن سے لیکر موجودہ مفتی مولانا محمود حسن گنگوہی تک جلیل القدر علماء جلوہ افروز رہے ہیں۔
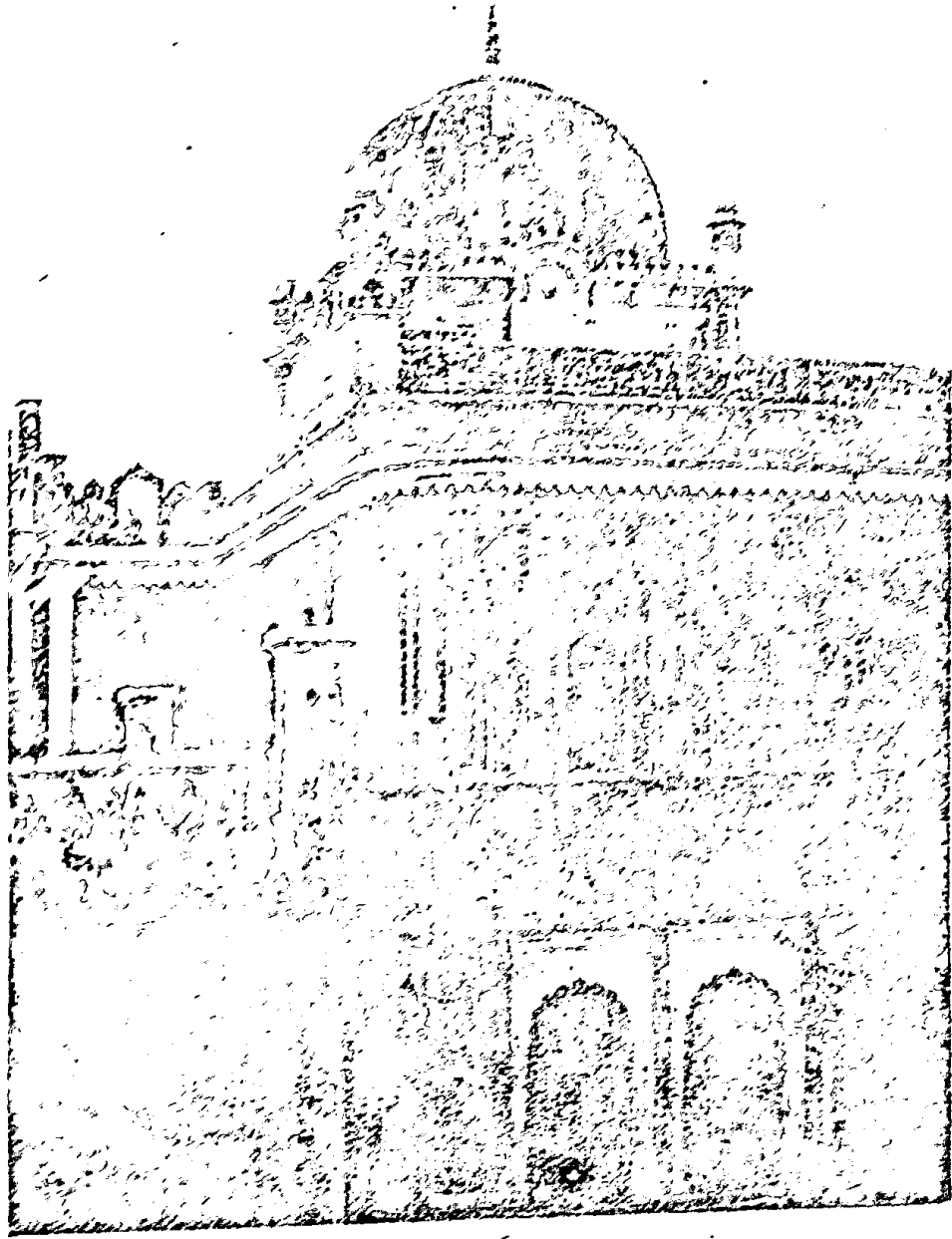
یہ دارالحدیث کی خوبصورت عمارت ہے

اس کے گنبد شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہٗ کے درس کی صداؤں سے گونج رہے ہیں۔ اس کے نیچے سینکڑوں طلبا ختم بخاری کر کے نکل چکے ہیں۔ اس میں درس حدیث کا آغاز حضرت مدنی نے فرمایا تھا۔
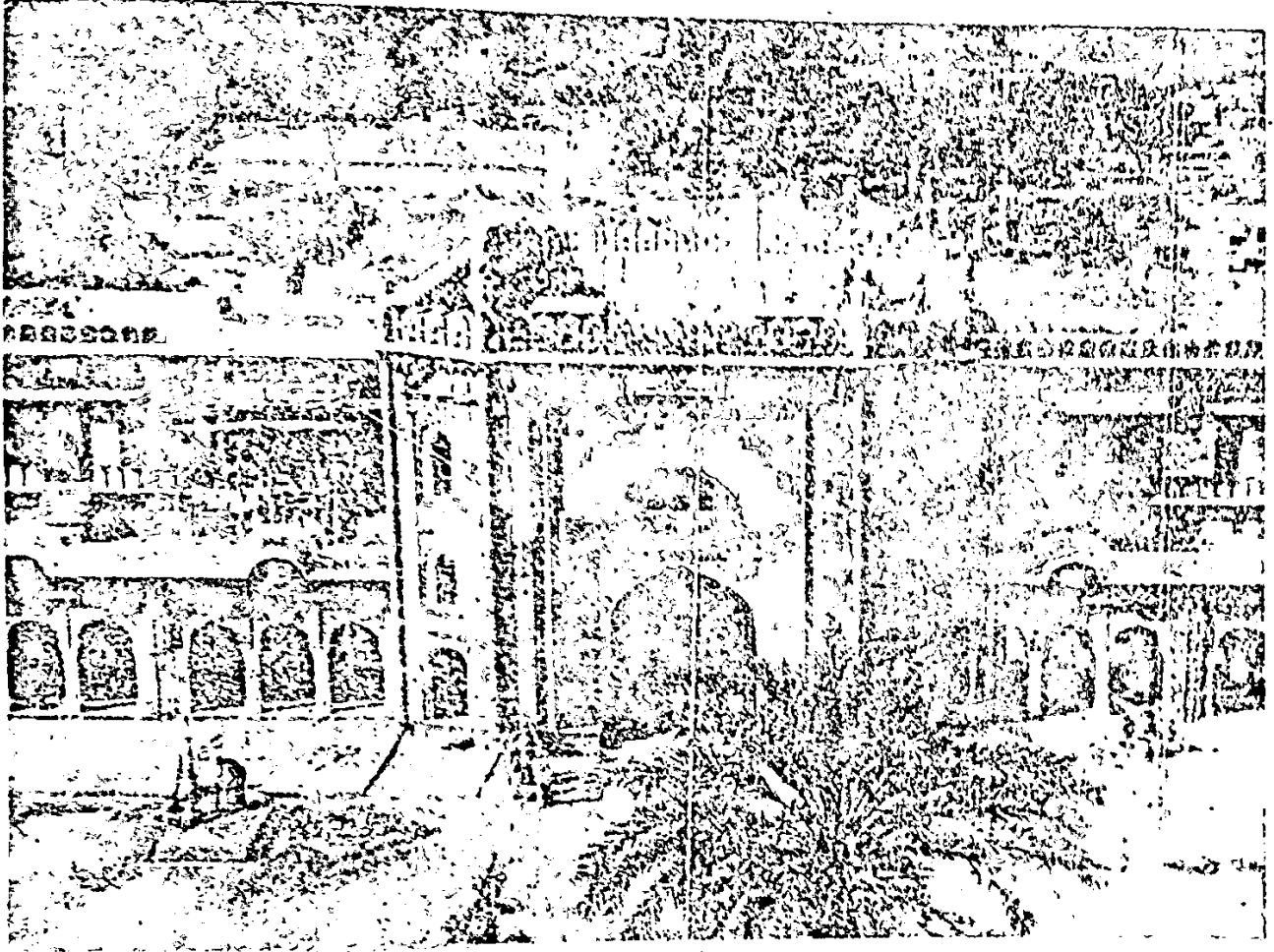
دارالتفسیر کے رُوبرُو بابِ ظاہِر

دارالعلوم کے دارالاقامہ کا یہ مغل انداز کا دروازہ افغانستان کے سابق شاہ ظاہر شاہ کے عطیہ سے بنا تھا۔ اسی لئے یہ "باب ظاہر" کہلاتا ہے۔
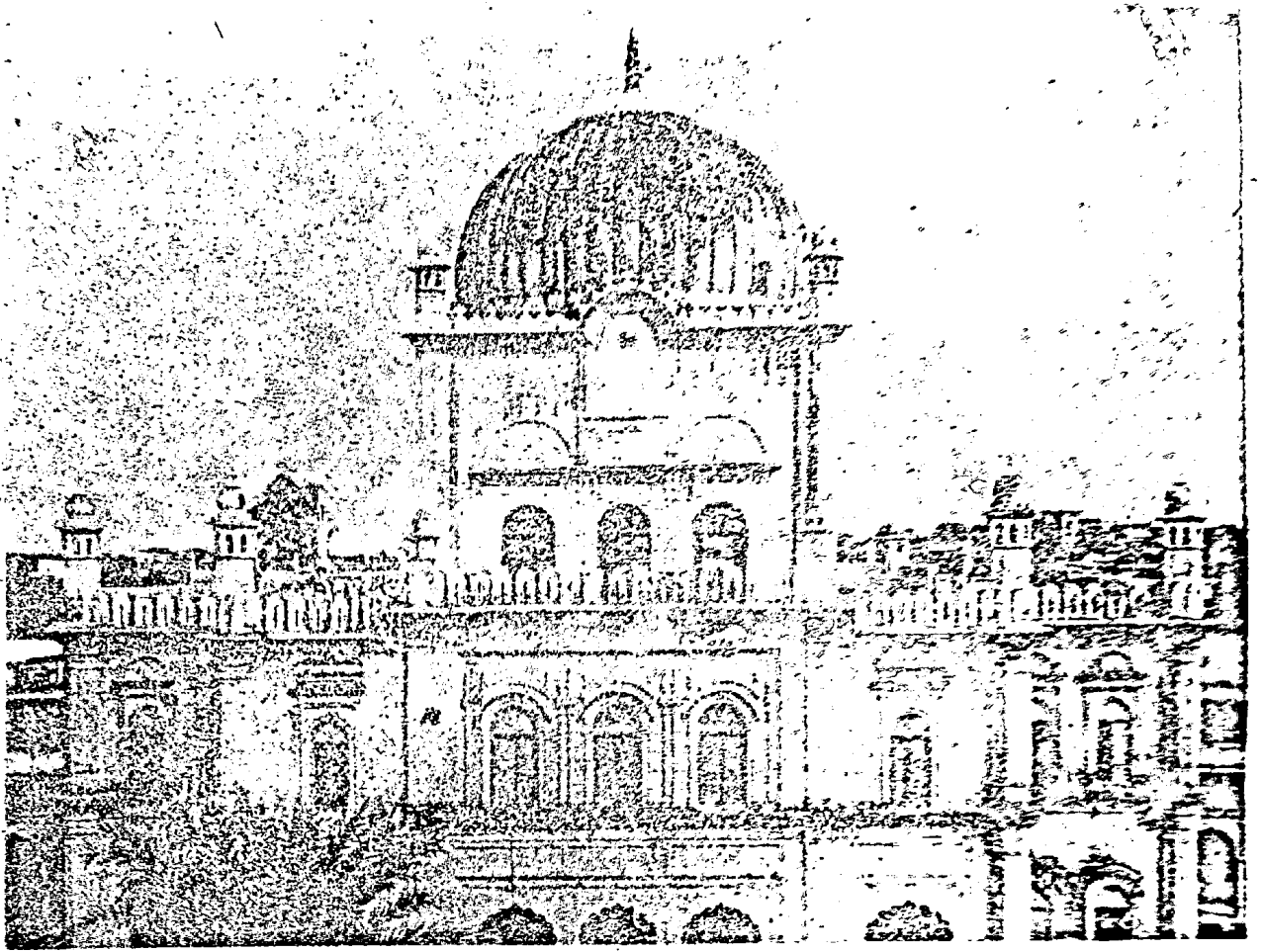
دارالحدیث کی بالائی منزل میں یہ دارالتفسیر
نظر آرہا ہے۔ یہ عمارت ۱۹۳۹ء میں تعمیر ہوئی تھی۔ یہاں اب تک ہزاروں طلباء علوم قرآنی سے سرفراز ہو چکے ہیں۔
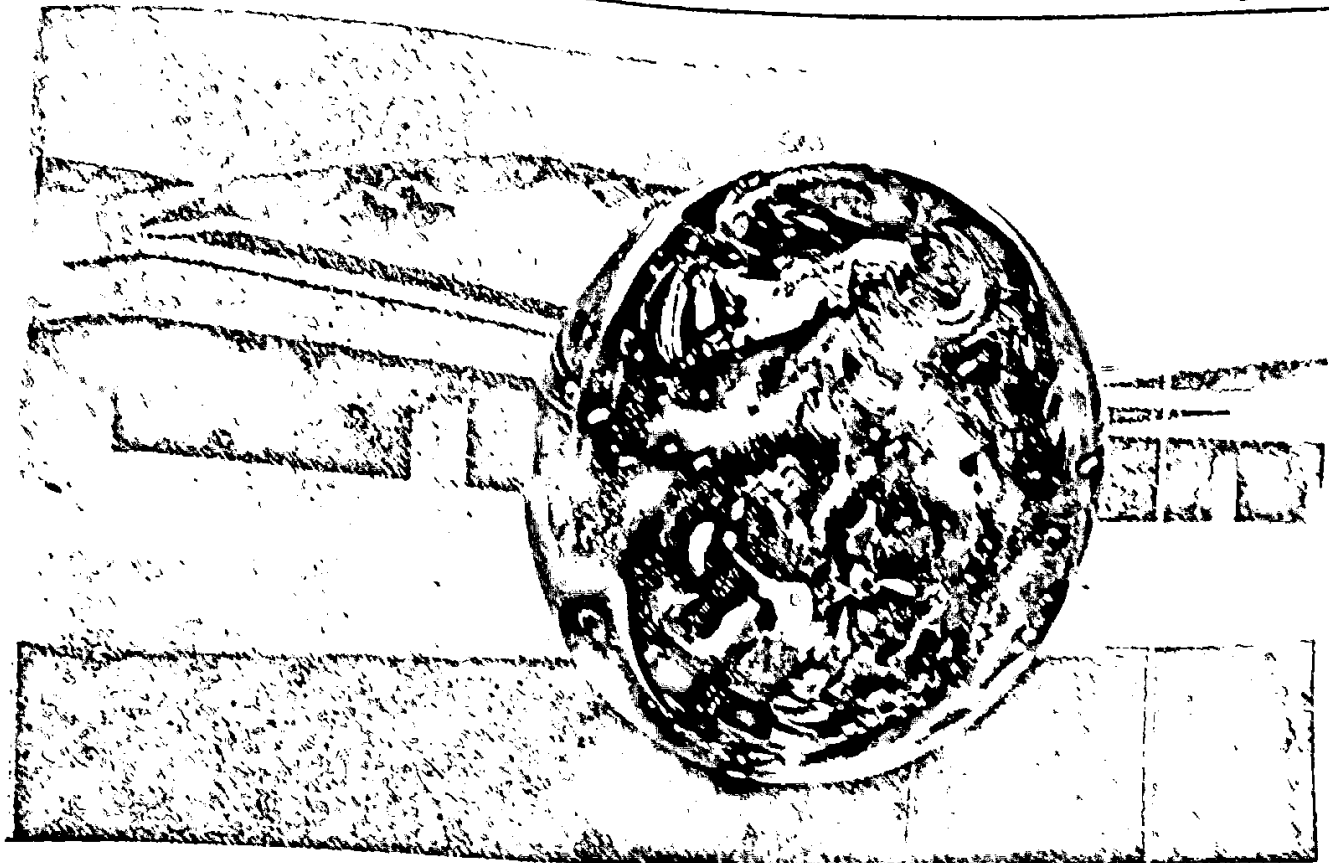
جامعہ طبیہ دارالعلوم دیوبند
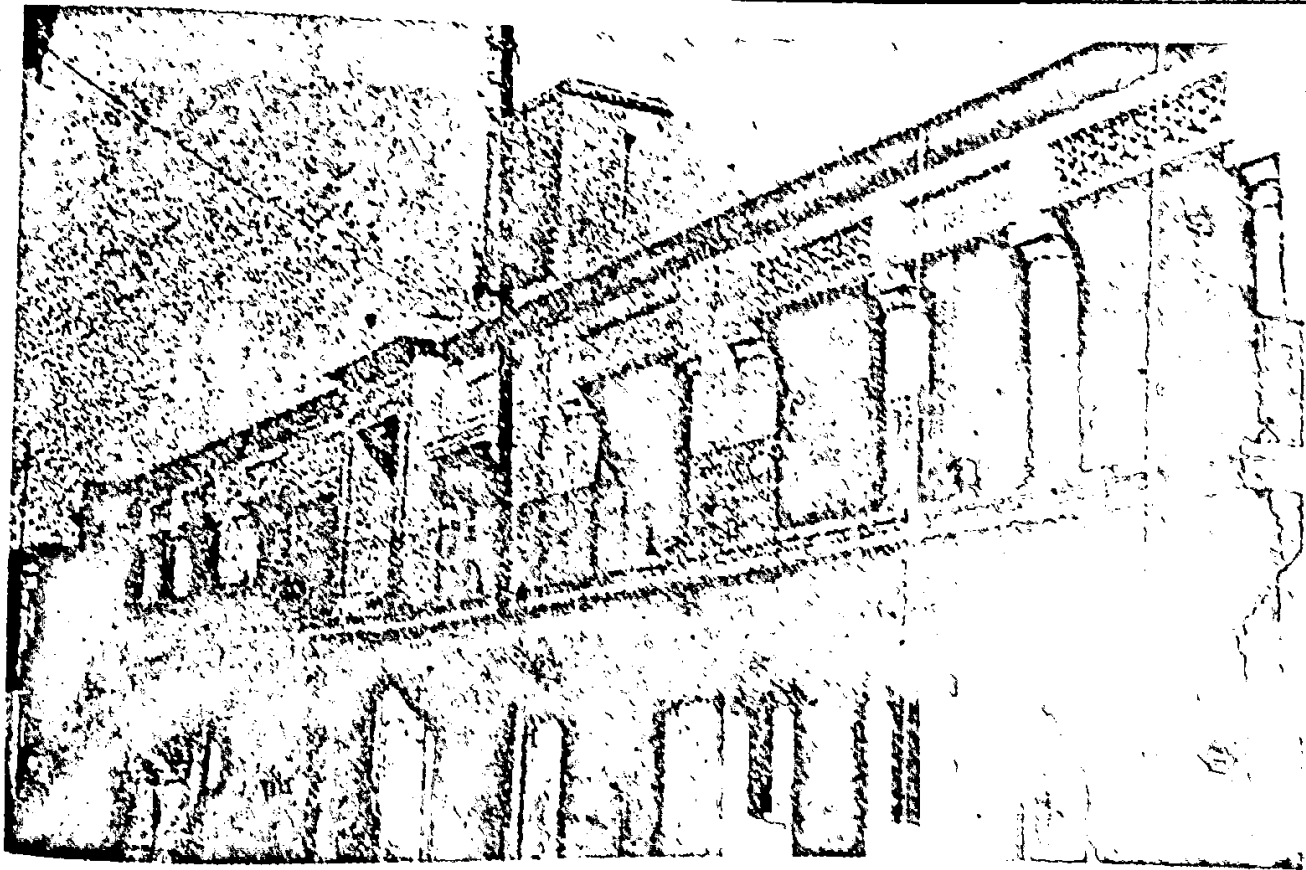
دارالعلوم کا مہمان خانہ
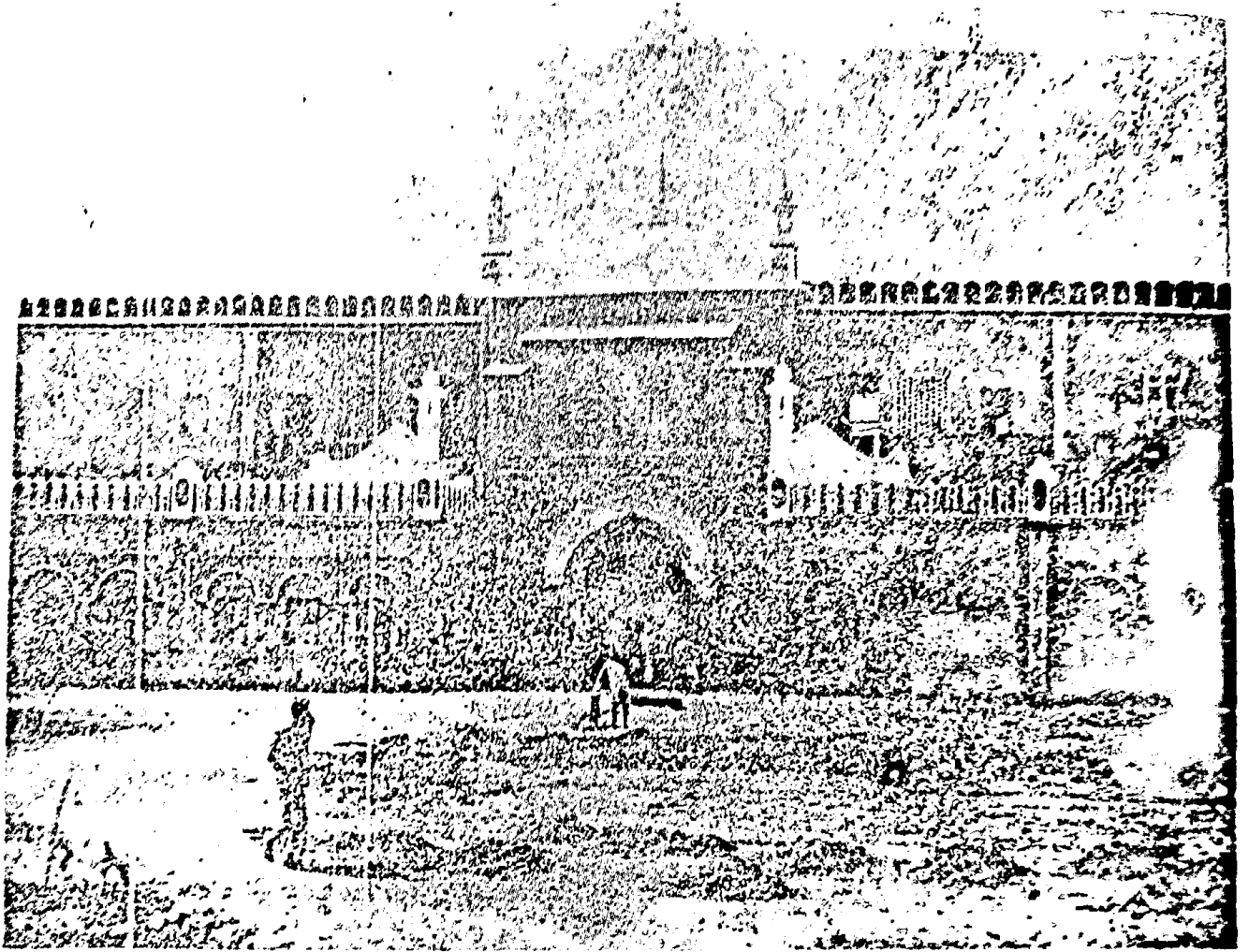
دارالعلوم کا وہ دروازہ جس سے گذر کر حضرت شیخ الاسلام مولانا سیّد حسین احمد مدنی رح دارالعلوم جایا کرتے تھے ؛
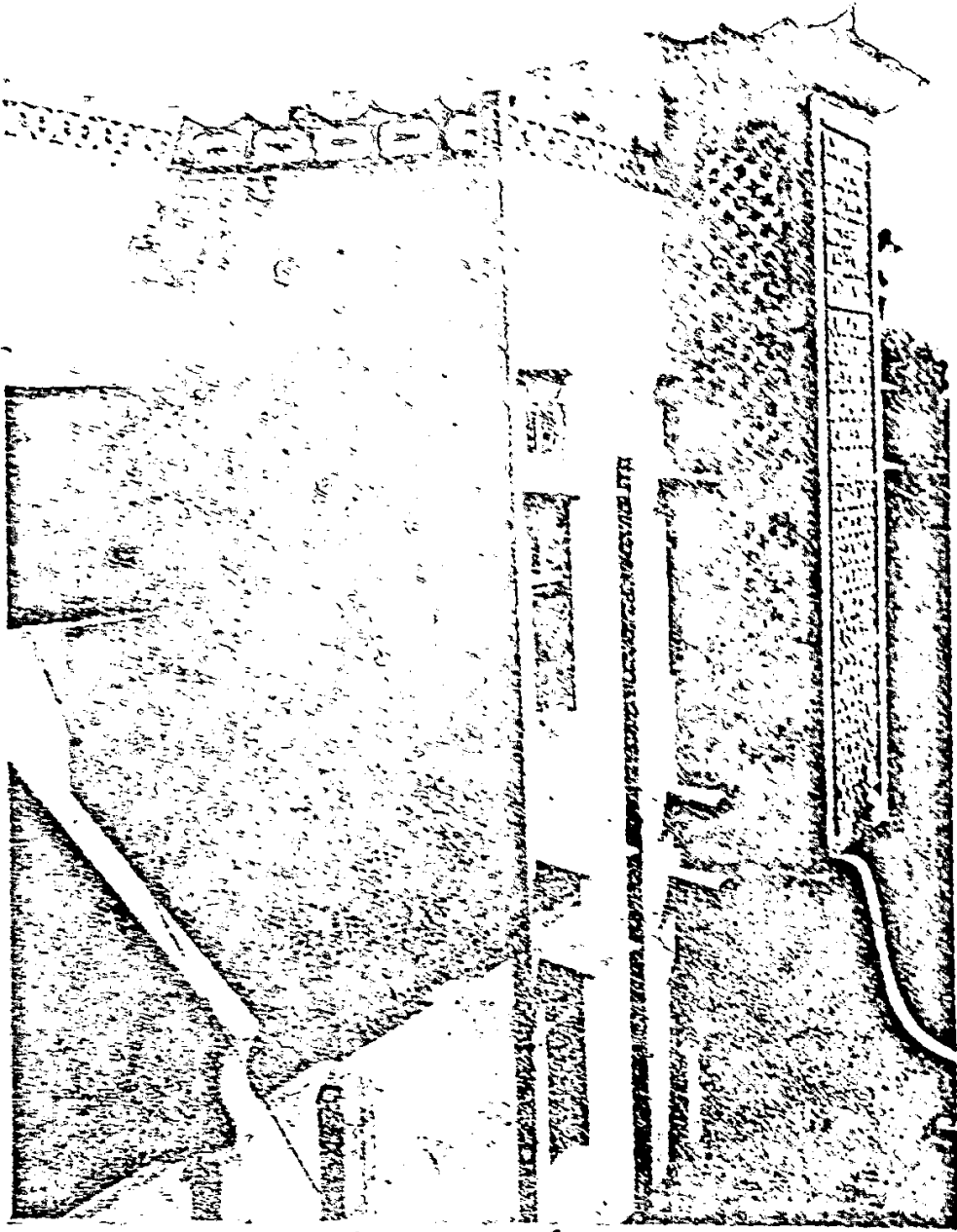
مسلم فنڈ دیوبند کی ذاتی عمارت

یہ عظیم اور قابل فخر ادارہ ہے، جس نے دیوبند کے ہزاروں مسلمانوں کو سود کی لعنت سے بچایا اور ان کی ہر دکھ سکھ میں دستگیری کی اور مالی تعاون بہم پہنچایا۔ اس کے منیجر ہیں محمد حسیب صاحب!
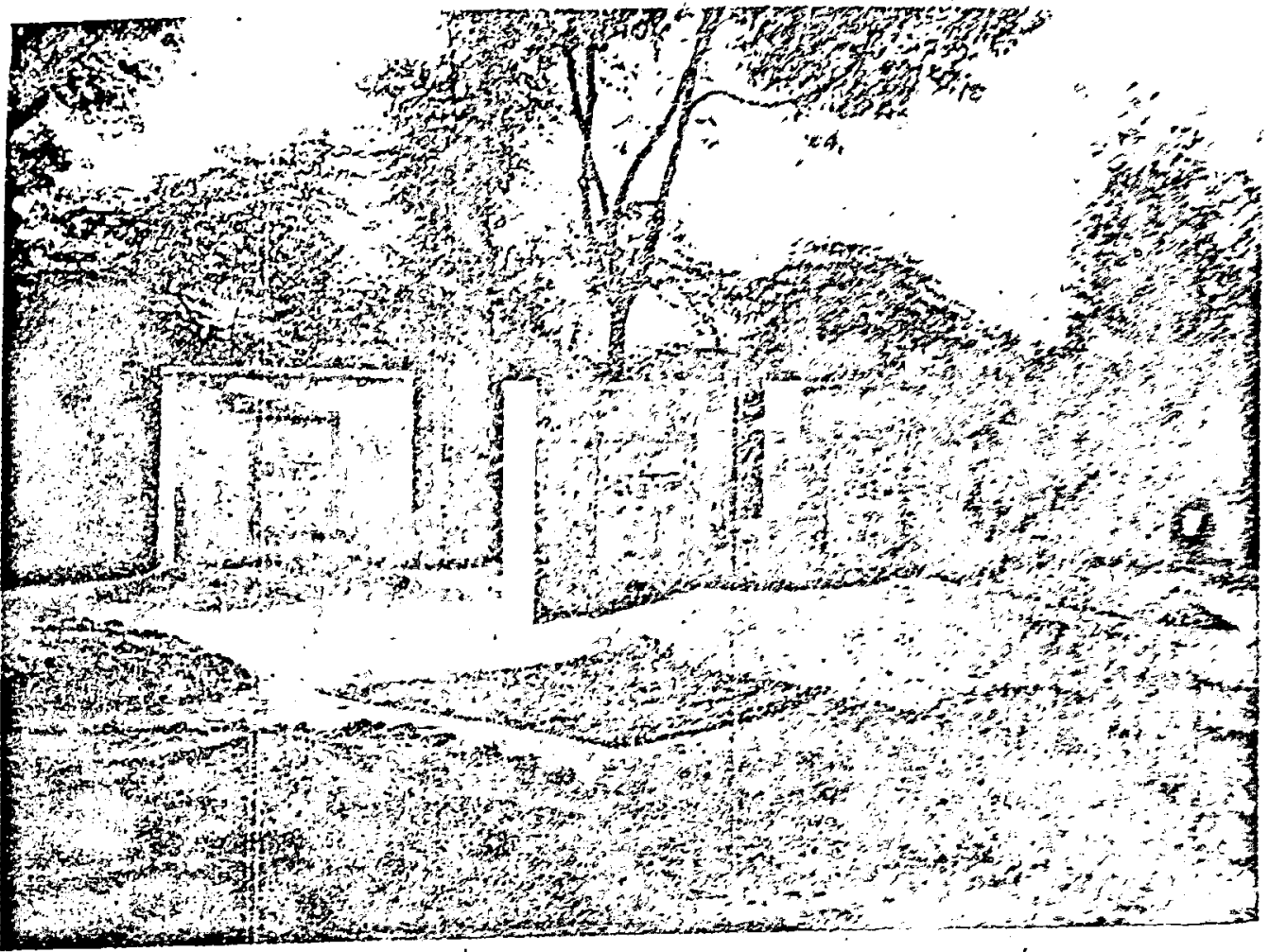
دیوبند کا قبرستان

جہاں اکابر اسلام ابدی نیند سو رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی قبروں کو نور سے بھر دے۔ انھیں جس طرح دنیا میں عزت و منزلت دی ہے اسی طرح آخرت کی سرفرازی عطا فرمائے۔

دارالعلوم دیوبند میں ہم لوگوں کو علمائے حقانی سے مل کر بہت مسرت ہوئی۔ ہم حق تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں کہ اسی نے اس خطۂ ارض کو ایسے صاحبِ فضائل اور لائقِ احترام علماء سے نوازا ہے جو علمِ دین کے احیاء اور اس کی تبلیغ و اشاعت میں سرگرمی سے حصہ لے رہے ہیں۔ درحقیقت دارالعلوم دیوبند ایک ایسا روشن چراغ ہے جو پوری دنیا کی رہنمائی کررہا ہے۔